تدوین قرآن، حدیث اور تاریخ

جلد اوّل

تدوین قرآن

سید اطہر بن جعفر کاظمی (اطہر الحق)

Marfat.com

(جملہ حقوق طباعت واشاعت بحق مصنف محفوظ ہیں)

297.141
52
126535

نام تصنیف : تدوین قرآن حدیث اور تاریخ

جلد اول ...... تدوین قرآن

مصنف : سیّد اطہر بن جعفر کاظمی (اطہر الحق)

طباعت بار اول : ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ/مئی ۲۰۰۴ء

تعداد : ایک ہزار

سرورق : ریکس کمرشل آرٹسٹ

پی ای سی ایچ ایس، کراچی

کمپوزنگ : محمد حسین، ایل۔۳، پاک کوثر ٹاؤن

ملیر توسیعی، کراچی، فون: ۴۵۱۱۹۶۲

قیمت : ساٹھ روپے

ناشر : زاویۂ تحقیق وتنقیہ علمی

BB/38 ڈیفنس ویو، کراچی

فون: 0300-2433182

طباعت : ایجوکیشنل پریس۔ پاکستان چوک۔ کراچی۔

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

انتساب

اپنی زندگی کی سب سے بڑی علمی کاوش لیکن دنیائے علوم و اسلام کی ادنیٰ سی اس تصنیف کو میں منسوب کرنے کی جسارت کرتا ہوں اُس رفیع القدر نام نامی اسم گرامی سے جو نام اللہ جل شانہ کے اسمائے جلیلہ کے بعد سب سے زیادہ عظیم المرتبت ہے۔

بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں میرے آقا محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کہ رب العالمین نے آپ کو رحمۃ اللعالمین قرار دیا اور آپ کے ذکر کو لا ثانی رفعت و بلندی عطا کی...... شب و روز کے ہر لمحے آفتاب کہیں طلوع اور کہیں غروب ہوتا ہے...... کرۂ ارض پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں میرے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا نام فضا میں نہ گونج رہا ہو اور اشہد انا محمد رسول اللہ کی صدا بلند نہ ہو رہی ہو۔ یہ تخصیص و رفعت کسی اور بشر کے نام کو حاصل نہیں۔ اور میں جرأت کر رہا ہوں ہزار عجز وانکسار کے ساتھ اپنی اس تصنیف کو ایسے عظیم المرتبت رفیع الشان اسم گرامی سے منسوب کرنے کی۔

اگر میرا آقا روزِ محشر مجھے اپنا غلام قرار دے دے تو بیڑا پار ہے۔

لاتعداد صلوٰۃ وسلام ہوں میرے جلیل القدر آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر۔

سیّد اطہر بن جعفر کاظمی

Marfat.com

Marfat.com

فہرستِ مضامین

شمار	عنوانات	صفحہ
۱۔	انتساب	۳
۲۔	ربنا لکا لحمد	۹
۳۔	عرضِ مصنف	۱۵
۴۔	در مدح خود	۱۹
	باب اوّل	
۵۔	قرآن کا معیار علم و حکمت	۳۹
۶۔	مبادیاتِ قرآن	۴۵
۷۔	قرآن کی تدوینی تقسیم	۴۷
۸۔	اقسام وحی	۴۹
۹۔	حروف مقطعات اور سبعۃ احرف	۵۳
۱۰۔	کتابت قرآن کے مخصوص ضابطے	۵۹
۱۱۔	ناسخ و منسوخ آیات	۶۳
	باب دوم	
۱۲۔	آغاز نزول قرآن	۷۱
۱۳۔	نزول وحی	۷۵
	سورہ کی ترتیب نزول	۷۶
۱۴۔	روایات جمع و تدوین قرآن	۸۱
	آئمہ حدیث کی روایات	۸۲
	صحیح بخاری باب جمع القرآن	۸۲

Marfat.com

	جرح وتجزیہ	۸۶
	حافظ اور قاری	۸۹
	مزید روایات	۹۰
	تدوین قرآن کے متعلق آیات قرآنی	۹۲
	احادیث سے تائید	۹۶
	تدوین کے متعلق شکوک پیدا کرنے کی مہم	۹۸
	جمع القرآن اور سیّدنا ابوبکر صدیقؓ	۱۰۱
	کیا جامع القرآن عثمانؓ بن عفان تھے؟	۱۰۳
۱۵۔	متن قرآن کا تحفظ	۱۰۷
	حفظ قرآن کا تسلسل	۱۰۹
	کتابت قرآن کا تسلسل	۱۱۳
	مصحف امام	۱۱۶
۱۶۔	قرآن میں تحریف کا دعویٰ	۱۲۳

باب سوم

۱۷۔	قرآن اور شریعت	۱۳۳
	ماخذ شریعت	۱۴۰
	احکام قرآن کے خلاف شریعت سازی	۱۵۱
	نکاح اور طلاق	۱۵۶
۱۸۔	قرآن، عقائد اور ارتداد	۱۶۹
	عقائد اور قرآن	۱۷۰
	ایمان کی تصدیق	۱۷۳
	ارتداد اور مرتد	۱۷۴
	اجتماعی ارتداد	۱۷۶
	ارتکاب ارتداد	۱۸۱
	رواداری اور ارتداد	۱۸۹

Marfat.com

عقائد کے متعلق باطل نظریہ اور قانون ۱۹۰
موروثی مرتد ۱۹۴

باب چہارم

۱۹۔ قرآنی مقصد حیات ۱۹۹
کائنات فانی لیکن انسان لافانی ہے ۲۰۱
امتحان لینے کی وجہ ۲۰۲
ہم آخرت کی ابدی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے ۲۰۳
امتحان کا پرچہ ۲۰۵
زندگی کا واحد مقصد و مصرف ۲۰۵
حزب اللہ اور حزب الشیطان کی دائمی جنگ ۲۰۸
حکم صرف قرآن کا چلے گا ۲۱۱
آپ خود اپنی زندگی کا مقصد متعین کرنے کا حق نہیں رکھتے ۲۱۳
آپ کی جان و مال فروخت ہو چکی ہے ۲۱۳
دین اسلام کا رکن اعظم جہاد ہے ۲۱۵
تارک جہاد سے زیادہ اللہ اور کسی پر غضبناک نہیں ہوتا ۲۱۶
منافق بدترین جہنمی ہیں ان سے لڑو ۲۱۸
شہید کے لاثانی امتیازات ۲۲۰
امن و جنگ دونوں حالت میں جہاد فرض ہے ۲۲۱
ترک جہاد کے نتائج ۲۲۲
زندگی کا ہر عمل ہر سانس عبادت بن جائے گا ۲۲۴
ہم نے اہم ترین سنت ترک کردی ۲۲۶
یہود کی عالمگیر بادشاہت ۲۲۸
نجات اللہ سے غداری میں ہے یا وفاداری میں ۲۲۹
قدرت اور طاقت کا یہ منظر بھی دیکھ لیں ۲۳۰
۲۰۔ قرآن کے طفیل ۲۳۹

Marfat.com

۲۱۔ قرآن کے متعلق قرآن کا بیان ۲۵۵

قرآن پڑھنے کا حکم اور طریقہ ۲۵۵

نزول قرآن کی تصدیق اور طریقہ نزول ۲۵۶

کلام اللہ میں تبدیلی کے مجاز انبیاء بھی نہیں ۲۵۸

قرآن کھلی قابل فہم کتاب ہے ۲۵۸

قرآن کی عظمت وتوقیر ۲۶۰

قرآن پر غور کرنے کا حکم ۲۶۲

قرآن کا مقصد نزول ۲۶۳

قرآن اور گمراہی ۲۶۵

متن قرآن کا تحفظ ۲۶۵

قرآن کا اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی فرض تھا ۲۶۶

باب پنجم

۲۲۔ قرآن اور دیگر الہامی کتب کا تدوینی فرق ۲۶۷

۲۳۔ سابق کتب الہامی کی موجودہ کیفیت ۲۶۹

کتب توراۃ ۲۷۵

عہد نامہ عتیق کی دیگر کتب ۲۷۷

تدوین توراۃ ۲۷۹

مشنا اور تالمود کی تشکیل ۲۸۷

موجودہ عہد نامہ عتیق کے ماخذ ۲۹۰

۲۴۔ تدوین زبور ۳۰۱

۲۵۔ عہد نامہ جدید کی تدوین ۳۰۷

اناجیل اربعہ کی تدوین ۳۲۶

۲۶۔ کتب حوالہ واستفادہ ۳۳۷

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

ربنا لکالحمد

میرے رب
تو دلوں کا حال جانتا ہے
تو جانتا ہے کہ
خالق اور ذی شعور مخلوق کے درمیان
ایک رشتہ محبت کا بھی ہے
اس محبت نے
میرے دل کو مشتاق کیا کہ میں
اپنے خالق کی حمد وثنا کا حق ادا کروں
اُس کی ایسی تعریف کروں جیسا کہ وہ ہے
میں نے بار بار کوشش کی
اور ہر بار
تیری تخلیق کردہ کائنات نے
میرے شعور کو گھیر لیا
میں نے
آسمانوں کی وسعتوں کو دیکھا
یہاں سے وہاں تک

Marfat.com

پھیلے لاتعداد ستاروں نے
کہکشاں کی لامحدود دمکتی راہ نے
تاریک خلاؤں کی بھیانک وسعتوں نے
میری بصارت کا مذاق اُڑایا
میری کم نظری کا احساس اُبھارا
میں نے گھبرا کر
آنکھیں بند کر لیں

پھر میں نے کوشش کی کہ میں
علم و بصیرت کی نظر سے
تیری کائنات کی وسعت کو دیکھ سکوں
انسانی علم کا سہارا لے کر
میری چشم بصیرت
حدِ نگاہ سے آگے بہت دیکھنے لگی
میں جیسے
خلاؤں میں تیرنے اور اُڑنے لگا
میری چشم تصور نے
نظام شمسی کے نو سیاروں کو
سورج کے گرد طواف کرتے دیکھا
کہکشاں کی ناپیدا کنار وسعت میں
لاکھوں نظام شمسی رواں دواں دیکھے
ایک ایسا عظیم ستارہ بھی دیکھا
جس کا قطر
نظام شمسی کے پورے مدار سے بڑا تھا

Marfat.com

اُس کی حرارت اور روشنی
سورج کی حرارت وروشنی سے
اسّی ہزار گنا زیادہ تھی

اجرامِ فلکی کے درمیان
فاصلے ناپنے کے لیے
نوری سال کا پیمانہ مقرر کیا گیا
اس پیمانے سے
ستاروں کا درمیانی فاصلہ ناپا گیا
متعدد تارے کرۂ ارض سے
لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر پائے گئے
یہ صرف سمائے ارضی کا منظر تھا
جب کہ کائنات
ایسی ہزاروں کہکشاؤں سے بھری پڑی ہے
اب تک انسان
بعض کہکشاؤں کے صرف ان ستاروں کو
دیکھ سکا ہے کہ جو
پچاس کروڑ نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں
ہزار کوشش کے باوجود
کسی بھی سمت
کائنات کی اخری حد نظر نہ آسکی

اس اُفقی کائنات کی بے پایاں وسعتوں سے
وحشت زدہ ہو کر

Marfat.com

میری چشمِ بصیرت
خورد بینی کائنات کی طرف مڑ گئی
میں نے دیکھا
خورد بینی دنیا میں بھی
ایک لامتناہی کائنات
سرگرمِ عمل ہے
ہر عنصر کا ناقابلِ تقسیم مخفی ذرہ
اپنے قلب میں
سوچ کی طرح ایک مرکز رکھتا ہے
ہر مثبت مرکز کے گرد
سورج کے طفیلی سیاروں کی طرح
منفی برقئے طواف میں مصروف ہیں
نظر نہ آسکنے والا ہر جوہری ذرہ
ایک وسیع اور مکمل نظام رکھتا ہے
میری چشمِ بصیرت
اس خورد بینی مخفی دنیا کی
وسعتوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا گئی

میرے رب
یہ کائنات ہے یا
پیچ در پیچ وسعتوں کا نہ ختم ہونے والا خواب
اور تُو نے
اس ناپیدا کنار کائنات کی وسعتوں میں
مجھے بھی پیدا کر دیا
اس لامتناہی کائنات میں

Marfat.com

میرے وجود کا تناسب کیا ہے
میرے خالق
یہ میرا وجود ہے یا ایک مذاق
کمتری کی ایک تخیلاتی انتہا
تُو نے شاید
اسی مصلحت سے
کائنات کے مشاہدے کا حکم دیا ہے کہ
کائنات کا مشاہدہ
شاہد پر اُس کی حیثیت واضح کر دیتا ہے
کمتری کے اسی احساس وادراک سے
وہ حقیقی عجز وانکسار پیدا ہوتا ہے کہ جو
عبدیت کی روح اور عبادت کی جان ہے
عجز وانکسار کا یہی ادراک واظہار
تجھے پسند اور مرغوب ہے

اے خالق کائنات
تیری تخلیقات کی وسعتیں اور شمار
نہ وقت کے پیمانے میں سما سکتی ہیں نہ حجم وتعداد کے تخمینوں میں
ایسی لامحدود کائنات کے
خالق کی عظمت وکبریائی کا اندازہ
کوئی نہیں لگا سکتا
نہ انبیاء نہ ملائک اور نہ ہی کوئی مخلوق
تعظیم وتکریم کے تمام الفاظ
تیری کبریائی کے سامنے بے معنیٰ ہیں

Marfat.com

حمد وثنا کے تمام طریقے
تیری توصیف کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں
عظمت وجلالت کا ہر انسانی تصور
اپنی اصل میں محدود ہے
لامحدود الاصل ذات کا تصور
محدود الاصل فکر و تخیل میں نہیں سما سکتا
اور

میرے رب
میں نے چاہا کہ تیری ایسی حمد وثنا کروں
جو تیرے شایان شان ہو
لیکن ایسا کرسکنا
انسان کی قدرت سے باہر ہے
میری یہ تمنّا تشنۂ تکمیل رہی
تاہم
میری اس کاوش نے
عین الیقین کی حد تک
مجھے میری کمتری کا ادراک دلا دیا
عجز وانکسار کا یہ حقیقی احساس
تیرے کرم و کبریائی کے طفیل
شاید میرا توشۂ آخرت بن جائے
ربنا لک الحمد

عرضِ مصنّف

اطہر بن جعفر اطہر الحق

میں رجوع کرتا ہوں حق وصداقت سے خواہ وہ میرے علم میں ہو یا نہ ہو۔ میری تحریر اور بیان میں اگر کوئی بات حق کے خلاف ہو تو میں ایسی بات اور ایسی دلیل سے دستبردار ہو کر اللہ جل شانہ سے اپنی ایسی خطا کی معافی طلب کرتا ہوں۔ میرا رب دلوں کا حال بخوبی جانتا ہے۔ اسے علم ہے کہ میں حق کا جویا اور صرف حق کا طالب رہا ہوں۔ حق کے مقابلہ میں مجھے اپنی دلیل، اپنا خیال اور اپنا نظریہ قطعاً عزیز نہیں رہا۔ مجھ پر جب بھی حق وصداقت کا انکشاف ہوا میں نے بلا تامل اسے قبول اور اپنی رائے کو رد کر دیا۔ اس کتاب میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ میری دانست میں حق ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ فی الحقیقت حق ہے یا نہیں۔ حق کیا ہے اس کا کامل علم صرف حق تعالیٰ ہی رکھتا ہے۔ حق جاننے کے لیے میں نے صرف حق تعالیٰ کے کلام قرآن مجید کو کسوٹی بنائے رکھا، جو بات اس کسوٹی پر درست ثابت ہوئی اسے میں نے بصمیم قلب درست تسلیم کر لیا اور جس بات کو اس کسوٹی پر درست نہ پایا اسے باطل اور حرف غلط قرار دے دیا خواہ وہ غلط بات کسی عالم اور مجتہد کی کہی ہوئی تھی یا جسے حدیث نبوی ﷺ کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ میں درخواست کرتا ہوں علماء کرام سے اگر وہ میری تصنیف میں خلاف قرآن کوئی بات پائیں تو ازراہ کرم مجھے مطلع فرما دیں۔ میں فوراً حق سے رجوع کر لوں گا۔

دین اسلام کی عمر دو چار سو سال نہیں۔ دین اسلام چودہ سو سال کے کئی لاکھ شب وروز کی گردش کا دور طے کر چکا ہے۔ کرۂ ارض پر بھی ہزار ڈیڑھ ہزار سال کے دوران نمایاں تغیرات رونما ہو جاتے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں دریا کروٹیں بدل بدل کر کہیں سے

Marfat.com

کہیں پہنچ گئے، سمندر نے کہیں ہزاروں مربع میل زمین واگزار کردی اور کہیں ساحلوں کو غرق کر کے ہزاروں مربع میل زمین پر قبضہ کرلیا۔ اگر ڈیڑھ ہزار سال تک مسلسل کسی بستی پر گرد پڑتی رہے تو وہ بھی گرد میں دفن ہوکر نابود ہو جائے گی۔ اس تغیر پذیر کرۂ ارض کے ان ہی انسانوں کی بدلتی ہوئی بستیوں میں دین اسلام نے بھی چودہ سو سال گزارے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں اگر باطل افکار و روایات کی گرد بعض حقائق پر پڑتی اور جمتی رہی ہے۔ اگر مختلف معاشروں اور مذاہب کے افکار و عقائد اسلامی عقائد و تعلیمات پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ اگر صدیوں کے تغیراتی عمل نے دین اسلام کے بعض عقائد و مسائل کو متغیر کر دیا ہے تو یہ کوئی غیر متوقع اَن ہونی بات نہیں۔ ایسے تغیر اور اختلافات کو نہ تو دین اسلامی کی خامی پر محمول کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں ناقابل اصلاح قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان تغیرات اور اختلافات کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور قابل اطمینان بات یہ ہے کہ دین اسلام کا سرچشمۂ ہدایت آج بھی ہر قسم کے تغیر سے پاک اور سورج کی طرح قائم اور روشن ہے۔ سابق امتیں ابدی گمراہی میں اس لیے جاپڑیں کہ ان کی الہامی کتب متغیر اور مبدل ہوگئی تھیں۔ ان کی ہدایت کا سرچشمہ مستقلاً گدلا اور زہر آلود ہوگیا تھا۔ بحمد للہ امت مسلمہ کا سرچشمۂ ہدایت اپنی اصل حالت پر آج بھی قائم ہے۔ دین اسلام میں چودہ سو سال کے دوران جو اختلافات پیدا ہوئے اور جن اختلافات کو پیدا کیا گیا ان کا خاتمہ یقیناً قرآن کے ذریعہ ہی ہوگا۔ حق بالآخر ظاہر و قائم ہوکر رہے گا اور باطل کو فنا ہونا پڑے گا۔ بے شک باطل مٹنے کے لیے ہی ہے۔ جو لوگ مذہبی اختلافات کو اہمیت دیتے اور اسے اپنی گفتگو کا مستقل موضوع بناتے ہیں وہ لوگ دینی فرائض کی تکمیل کی زحمتوں سے فرار کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ تمام اختلافات کے باوجود جو شخص دینی فرائض کی تکمیل کرنا چاہتا ہے اس کی راہ میں یہ اختلافات رکاوٹ نہیں بنتے۔ طریقہ صلوٰۃ میں بہت سے اختلافات ہیں لیکن ان اختلافات کے باعث کسی بھی مصلی کو نماز پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ ان اختلافات کے باوجود آج بھی دین اسلام کا بیشتر حصہ اپنی اصل اور قدیم حالت پر قائم اور قابل عمل و نفاذ ہے۔ مشرکانہ عقائد اور بدعات میں مبتلا طبقہ عام جہالت ختم ہونے کے ساتھ ساتھ محدود تر ہو رہا ہے اور ہوتا جائے گا۔ بالآخر پوری امت صحابہ کرام کی طرح

Marfat.com

زندگی کے ہر مسئلہ اور معاملہ کے لیے قرآن کو اپنا حکم بنا لے گی اور ہر مسئلہ کا فیصلہ صرف قرآن کی بنیاد پر کیا جانے لگے گا۔ اس کے بعد نہ مشرکانہ عقائد رہیں گے نہ بدعات و اختلافات۔

غلطیوں اور خامیوں سے کلیتاً پاک صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہ مقام کسی بشر کو حاصل نہیں۔ ہر انسان خوبیوں اور خامیوں کا مرکب ہے۔ عاقل سے عاقل اور عالم سے عالم فاضل شخص سے اگر متعدد باتیں نہایت ذہانت اور علمیت کی سرزد ہوتی ہیں تو اس سے کچھ سہو اور غلطیوں کا صدور بھی ہو جاتا ہے۔ ایسی غلطیوں کا محاسبہ ضرور کریں لیکن چند غلطیوں کی بنا پر کسی کو کلیتاً غلط اور جاہل مطلق قرار دے دینا بجائے خود جہالت اور انتہا پسندی ہے۔ اگر آپ نے کسی کی غلطیاں پکڑی ہیں تو اس کے ساتھ اعلیٰ کارکردگی کی تعریف بھی کریں۔ میں نے مختلف مکتبۂ فکر کے علماء کی بعض آراء سے اختلاف کیا ہے اور قرآن کو کسوٹی بنا کر ان کی غلطیوں پر روشنی ڈالی ہے لیکن میں ان تمام علماء کے تبحر علمی اور دینی خدمات کو نہایت قدر بلکہ رشک کی نظر سے دیکھتا ہوں اور ان کے حق میں دعائے خیر بھی کرتا ہوں۔

موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو دین اور دینی معلومات سے دلچسپی رکھتا ہے لیکن مختلف مکاتب فکر کی متضاد آراء سے ذہنی الجھاؤ کا شکار ہو گیا ہے۔ ایسے حضرات کا ذہن صاف کرنے میں یہ کتاب انشاءاللہ بہت مفید ثابت ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سے نظریات، عقائد اور شرعی مسائل کی حقیقت قارئین پر واضح ہو جائے گی اور افراط و تفریط پر مبنی بہت سے نظریات اور خیالات کی اصلیت جاننے کے بعد قارئین میں تجزیاتی نظر اور جرح و تعدیل کی صلاحیت پیدا ہو سکے گی۔ اس مقصد کے پیش نظر میں نے حتیٰ المقدور عام فہم زبان استعمال کی ہے اور عالمانہ انداز کی تحریر سے اجتناب کیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ میری اس سعی کو قبول اور اپنے بندوں میں مقبول فرمائے، آمین۔

اطہر بن جعفر اطہر الحق

Marfat.com

Marfat.com

درمدحِ خود

راقم یکم جنوری ۱۹۲۹ء کو۔ چھتے والی حویلی۔ مفتیوں کا پھاٹک۔ تراہا بیرم خان۔ دلّی میں تولد ہوا۔ یہ حویلی میری ننھیال کا گویا پایۂ تخت تھی۔ مشہور شاعر اور ماہر لسانیات ڈاکٹر شان الحق حقّی اور ان کے والد بزرگوار مولوی احتشام الدین ناداںؔ بھی اسی حویلی میں تولد ہوئے تھے۔ مولوی احتشام الدین بلند پایہ محقق اور خزینۃ العلوم تھے موصوف نظام حیدر آباد دکن کی فرمائش اور وظیفہ پر اردو زبان کی جامع لغت مرتب کرنے میں قریباً پندرہ سال تک مشغول رہے قیام پاکستان کے بعد یہ علمی سرمایہ دلّی سے انجمن ترقی اردو کراچی منتقل کر دیا گیا۔ موصوف کے برادر بزرگ مولوی مبین الحق راقم کے نانا تھے۔ ہندوستان میں اس خاندان کے جد مشہور عالم شیخ عبدالحق حقّی محدث دہلوی تھے جن کی تصانیف ریاض اور مدینہ یونیورسٹی سمیت کئی مسلم ممالک کی جامعات میں شامل نصاب ہیں۔

راقم کے بڑے ماموں متین الحق حقّی ریاست جے پور میں ملازم اور مقیم تھے ان کی اولاد نہ تھی اس لئے موصوف نے مجھے متبنیٰ بنالیا اور مجھے ڈھائی سال کی عمر میں جے پور لے گئے جہاں میں قیام پاکستان تک مقیم رہا۔ میرا نام آغا سید اطہر علی شاہ ولد آغا جعفر علی شاہ کی بجائے اطہر الحق ولد متین الحق رکھ دیا گیا۔ میری تعلیمی اسناد میں میرا یہی نام درج ہوتا رہا۔ میری ددھیال کے تمام افراد سردھنہ اور میرٹھ میں مقیم تھے اور ننھیال کے بیشتر لوگ دلّی میں رہتے تھے کبھی دو چار برس میں بغرض سیر و سیاحت خاندان کے چند لوگ جے پور آتے بھی تھے تو وہ مجھ سے میری ولدیت کے معاملہ کو چھپاتے تھے اس لئے مجھے قریباً بارہ سال کی عمر تک یہ علم نہ ہو سکا کہ میرے حقیقی والدین کون ہیں۔ میں اپنے ماموں اور ممانی کو ہی ماں باپ سمجھتا رہا۔ جب مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی اور پتہ چلا کہ میں جنہیں ماں باپ سمجھتا رہا ہوں وہ فی الحقیقت میرے ماں باپ نہیں ہیں تو مجھے ایسا لگا جیسے یقین و اعتماد کی تمام بنیادیں ڈھے گئیں اور کوئی بھی حقیقت قابل اعتبار نہ رہی۔ قلب و ذہن کے

Marfat.com

یقین واعتماد پر اس کاری ضرب نے میری ذہنی افتاد پر بہت گہرے اور دیر پا اثرات مرتب کئے۔ میں اس دور میں مروج ہر تسلیم شدہ حقیقت سے بدگماں ہو گیا اور کسی بھی عقیدے اور نظریہ کو بلا تحقیق وثبوت ماننے سے انکار کرنے لگا۔ عنفوان شباب میں ہی مجھے چھوٹے بڑے ہر مسئلہ اور نظریہ پر غور وفکر کرنے اور پوری تحقیق کے بعد کسی فیصلے پر پہنچنے کی عادت سی ہو گئی۔ غور وفکر اور تحقیق وتصدیق کی اس عادت کے باعث میری رائے زندگی کے بیشتر معاملات میں عام لوگوں سے مختلف ہونے لگی اور مجھے ہر طرف سے یہ طعنے سننے پڑے کہ تم ہمیشہ دنیا سے نرالی بات کرتے ہو۔ یہ صورت مجھے ذہنی اور فکری طور پر مسلسل تنہائی میں دھکیلتی گئی۔

اُس زمانہ میں مذہب کا بڑا چرچا تھا لیکن اس دور میں مروج دین اسلام کا غالب حصہ پیروں، فقیروں، قلندروں کی کرامات، فرمودات اور روایات کی تحویل میں تھا۔ پیر ومرشد کے بغیر نہ خدا تک رسائی ممکن تصور کی جاتی تھی اور نہ ہی دنیا اور آخرت میں نجات وفلاح کا حصول ممکن تھا۔ پیر پرستی شرائط ایمان میں داخل تھی ہر معزز شخص اپنے شجرۂ نسب کے ساتھ ساتھ سلسلۂ طریقت وارادت بھی بتاتا تھا۔ کسی کو بے پیرا کہنا ایسی ہی سخت گالی تھی جیسے کسی کو بے باپ کی اولاد کہنا۔ جن بھوت، چڑیل، ڈائن، کچا کلوا۔ شیخ صدو وغیرہ وغیرہ کے قصے اور اس مد میں ذاتی مشاہدے اس طرح بیان کئے جاتے تھے جیسے یہ سب زندگی کا حصہ اور عام حقائق ہوں۔ عمر کے ابتدائی دور میں راقم پر یہ بپتا آپڑی تھی کہ میرا کچا ذہن اپنے دور میں مروج ان عقائد اور خیالات کو تسلیم کرنے اور مذہب کو پیروں کا تابع مہمل ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔ یہ صورت گویا مروجہ موروثی عقائد سے بغاوت تھی۔ مشفق محترم میرے ماموں جنہیں میں ابا میاں کہتا تھا انہیں یہ فکر شدت سے لاحق ہو گئی تھی کہ بیٹا غیر مقلد اور بد عقیدہ ہو گیا ہے چنانچہ انہیں میرے عقائد اور نظریات کی اصلاح فکر مند رکھتی تھی۔ موصوف اکثر بزرگوں اور اولیاء اللہ وغیرہ کے اقوال اور احوال سنا کر مجھے قائل کرنے کی سعی فرماتے رہتے تھے۔ اور اکثر موصوف کی یہ کاوش پہلے مباحثہ کی صورت اختیار کرتی پھر ڈانٹ ڈپٹ میں بدل جاتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میری کج بحثی سے برافروختہ ہو کر موصوف میری پٹائی فرما دیتے۔ ایک بار میں نے گھر کی دیوار پر

Marfat.com

اسد اللہ خان غالبؔ کا یہ شعر لکھ دیا۔

بامن میاویز اے پدر فرزند آزر را نگر
آن کس کہ شد صاحب نظر دین بزرگاں خوش نہ کرد

ظاہر ہے میری اس ناشائستہ حرکت پر موصوف کے غیظ و غضب کو جس نقطۂ عروج تک پہنچنا چاہئے تھا وہاں تک وہ پہنچا۔ لیکن اس بار میں کلمۂ حق پر قائم رہنے میں زیادہ ہی پُرعزم ہو گیا اور خاموشی کے ساتھ گھر چھوڑ کر دلی پہنچ گیا یہ گھر سے میرا پہلا اور آخری فرار تھا۔ میرے نانا ان دنوں جے پور میں مقیم تھے انہوں نے اپنے دوسرے فرزند محترم احمد الحق صاحب کو جنہیں میں چچا ابا کہتا تھا جے پور سے دلی بھجوایا اور وہ مجھے دلی سے واپس جے پور لے آئے یہ ۱۹۴۶ کا واقعہ ہے اس کے ایک سال بعد پاکستان بن گیا اور ہم لوگ جے پور سے حیدر آباد ہوتے ہوئے ۱۵ نومبر ۱۹۴۷ء کو لاہور پہنچ گئے۔ یہاں آ کر مجھے نہ صرف اپنے ذاتی اخراجات بلکہ اہل خانہ کے اخراجات کی کفالت کے لئے بھی تگ و دو شروع کرنی پڑی۔

دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ کم عمری میں اپنے بزرگوں کے عقائد و خیالات سے اختلاف کرنے لگتے ہیں وہ عموماً مذہب اور معاشرے کی اخلاقی اقدار سے باغی ہو کر گمراہ اور بے دین ہو جاتے ہیں۔ مجھ پر میرے رب کا یہ خاص کرم ہوا کہ بچپن میں اپنے بزرگوں کے عقائد اور خیالات کا مخالف ہو جانے کے باوجود میں مذہب سے باغی اور اخلاقی اقدار سے منحرف نہیں ہوا۔ بحمد اللہ میں نے اپنی عمر کے ہر حصہ میں دین اسلام کو سمجھنے اور حقائق کو جاننے کی ممکنہ کوشش کی ہے اس لئے میں اگر یہ دعویٰ کروں تو زیادہ مبالغہ نہ ہو گا کہ مجھے مذہب ورثہ میں نہیں ملا بلکہ میں نے اپنی کاوش اور اللہ کے فضل سے دین اسلام کو حاصل کیا ہے۔

یہ ۱۹۴۲ء کی بات ہے کہ جے پور میں اک جوان باشرع طبیب سے میری ملاقات ہوئی۔ امراض اور ادویات سے متعلق گفتگو کے بعد مذہبی عقائد پر بھی موصوف سے گفتگو شروع ہو گئی۔ ان حکیم صاحب نے مجھے ایک چھوٹا سا کتابچہ دیا جس کا نام حقیقت نماز تھا اور جس کے مصنف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تھے یہ کتابچہ اللہ کی طرف سے میری

Marfat.com

فکری دستگیری کا ذریعہ ثابت ہوا۔ اس زمانہ میں مولانا مودودی مروجہ عام مذہبی عقائد و نظریات سے ہٹ کر دین اسلام کی تشریح اس انداز سے کر رہے تھے جو غور و فکر کرنے والے اذہان کے مزاج کے مطابق تھی۔ میں نے مولانا ابوالاعلیٰ کی تحریروں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اس طرح ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۹۸۴ء تک پہلے فکری اور پھر عملی طور پر میں مولانا مودودی اور ان کی جماعت سے وابستہ رہا۔ ۱۹۸۴ء میں جب مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہوگئی کہ اسلام اور جمہوری نظامِ سیاست دو متضاد اور متصادم نظام ہیں اور اسلام میں جماعت سازی کی قطعاً گنجائش نہیں تو میں نے جماعتِ اسلامی سے کنارہ کشی کر لی اور ۱۹۸۵ء میں اس موضوع پر تین سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب شائع کی جس کا نام۔ اسلام اور جمہوریت کا تضاد تھا۔ جنرل ضیاء الحق رحمتہ اللہ علیہ نے میری اس تصنیف پر مجھے خط توصیف ارسال کیا اور ۱۹۸۵ء میں دونوں ایوان نمائندگان کے افتتاحی اجلاس میں صدر مملکت ضیاء الحق صاحب نے اپنے خطاب کے دوران ایوان کے تمام نمائندوں کو جن چار کتب کے مطالعہ کا مشورہ دیا تھا ان میں میری مذکورہ کتاب بھی شامل تھی۔

میں تہہ دل سے مولانا مودودی کا احسان مند اور قدردان رہا ہوں لیکن مذکورہ بالا تصنیف اور زیر نظر اس تصنیف میں بھی میں نے مولانا مودودی رحمتہ اللہ علیہ کی بعض آراء سے اختلاف کیا ہے۔ اس اختلاف کے باوجود میں مولانا کی دینی اور علمی خدمات کا صمیم قلب کے ساتھ معترف ہوں۔ میری یہ تنقید بھی گویا مولانا کی تربیت اور ان کی سنت کی پیروی ہی متصور ہونی چاہیے کیونکہ مولانا نے خود لکھا ہے کہ میرے لئے یہ کیوں ضروری ہے کہ میں سلف کی ہر بات سے اتفاق کروں۔ خلف کے لئے سلف کی کسی رائے سے اختلاف کرنا شرعی یا منطقی بنیاد پر ناجائز اور معیوب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

میری ددھیال کا تعلق میرٹھ کے قریب واقع سردھنہ کے نواب خاندان سے ہے۔ نسلاً میری ددھیال کا تعلق چوتھی صدی ہجری میں عجمیوں کی ایجاد کردہ ذات جسے سیّد کہا جاتا ہے سے ہے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ آغا سید جاں فشاں شاہ خان ۱۸۴۲ء میں افغانستان کے صوبے پغمان سے اپنی جان بچا کر ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں میرٹھ شہر منظم اور کچھ غیر منظم فوجیوں کا مستقر تھا۔ سید جاں فشاں شاہ خان

۱۲۷۵۳۵

Marfat.com

نے بھی میرٹھ کو اپنا مستقر بنالیا اور فارسی اور پشتو بولنے والے جنگ جو قسم کے لوگوں کو جمع کر کے ایک چھوٹی سی عسکری جمعیت تشکیل دے لی۔ اس کام میں غالباً سیّد پرستی کے عنصر نے بھی آغا صاحب کی معاونت کی ہوگی۔ بہر کیف اس جنگ باز گروہ کو تشکیل دے کر آغا صاحب نے بھی وہی کردار ادا کرنا شروع کیا جو امت مسلمہ کی تاریخ میں سیّدوں کی بھاری اکثریت کا کردار رہا ہے۔ یعنی حصول جاہ و دولت کے لئے مسلمانوں کی گردنیں کاٹنا اور مسلمانوں کے کندھوں پر سوار ہو کر ان کا استحصال کرنا۔ سیّدوں میں سید عبداللہ غزنوی، سیّد احمد شہید اور مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی جیسے خدام دین و ملت بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ اکثریت ایسے ہی لوگوں کی رہی ہے جو نسل کی بنیاد پر خود کو امت مسلمہ میں سب سے بلند اور قابل تعظیم تصور کرتے اور امت مسلمہ کے کندھوں پر سوار ہو جاتے ہیں جبکہ اسلام نسل کی بنیاد پر کسی بھی قسم کے امتیاز کی مذمت کرتا ہے۔

ہندوستان میں راقم کے مورث اعلیٰ آغا سیّد جاں فشاں شاہ خاں نے سیّدوں کے عمومی تاریخی کردار کو دہرایا اور اپنی عسکری جمعیت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو کچلنے اور مسلمانوں کا گلا کاٹنے کے لئے انگریز بہادر کی خدمت پر مامور کر دی۔ سنا ہے موصوف کے اس عسکری گروہ نے دلّی کا کشمیری دروازہ فتح کرنے میں بڑی داد شجاعت دی اور یہ بھی کہ انگریزوں کے جھنڈے تلے دلّی کو لوٹنے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور کے ایک کروڑ روپے کے مساوی زر و جواہر اور قیمتی اشیاء بطور مال غنیمت آغا صاحب کے ہاتھ آئیں۔ ان تمام قابل قدر اور قابل فخر خدمات کے صلہ میں انگریز بہادر نے آغا صاحب کو سردھنہ کا نواب بنا دیا اور ان کی اولاد در اولاد کو نواب کا خطاب مرحمت فرمایا۔ ایسی ہی اعلیٰ خدمات کے صلہ میں انگریز بہادر نے برصغیر پاک و ہند کے ہر علاقہ میں متعدد نواب راجہ سردار اور خان بہادر وغیرہ مقرر کئے تھے اور انہیں بڑی بڑی جاگیریں عطاء کی تھیں۔ پاکستان میں بھی ایسے نوابوں سرداروں اور جاگیرداروں کی کمی نہیں جنہیں یہ اعزازات اور جاگیریں ملک و قوم سے غداری کے صلہ میں انگریزوں نے دی تھیں میرے خاندان کے اکثر حضرات آج بھی سیّد ہونے اور نواب کا خطاب پانے پر فخر کرتے ہیں۔ اس خاندان میں شائد یہ احقر ہی ایسا ننگ خاندان ہے جس نے اس کتاب کے

سرورق کے علاوہ کبھی بھی اپنے نام کے ساتھ سیّد نہیں لکھا اور نواب کے لفظ سے تو راقم کو ہمیشہ چڑ رہی ہے۔

راقم کی زندگی کا ابتدائی حصہ جے پور میں گزارا۔ جے پور راجپوتوں کی ہندو ریاست ہونے کے باوجود علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ریاست جے پور گیارہ کی بجائے تین نظامتوں پر مشتمل تھی اور اس ریاست کا نام۔ ڈھنڈوراج تھا۔ مہاراجہ جے سنگھ نے جو ایک اعلیٰ درجہ کا مہندس بھی تھا نہایت سلیقہ سے جے پور شہر کا نقشہ بنایا اور شہر کی تعمیر کروائی۔ شہر کی تمام شاہراہوں اور گلیوں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سیدھا رکھا گیا اور شاہراہوں پر واقع تمام عمارات پر گلابی رنگ کروایا اس لئے آج بھی جے پور کو گلابی شہر کہا جاتا ہے۔ اکبر کی بیوی ملکہ ہند جودا بائی جس کے بطن سے اکبر کا اکلوتا بیٹا شہزادہ سلیم پیدا ہوا جے پور کے مہاراجہ کی بیٹی تھی۔ اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کے لئے بھی اکبر نے جے پور کے راجہ کی بیٹی منتخب کی تھی اور راجپوتوں کی عزت افزائی کے لئے دیگر امراء کے ساتھ خود اکبر نے بھی اپنی بہو کی ڈولی کو کندھے پر اٹھایا تھا۔ اس رشتہ داری اور عزت افزائی کی بنا پر جے پور کے راجہ اور راجپوت مسلمانوں کو اپنا ہم پلّہ سمجھتے اور ان سے آبرومندانہ سلوک کرتے تھے۔ جے پور ریاست کے دو سب سے زیادہ با اختیار وزیر اعظم نواب فیاض علی خان اور سر مرزا اسمٰعیل مسلمان تھے ان کے علاوہ بہت سے مسلمان اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے صاحب طرز انشاء پرداز میاں عبدالعزیز فلک پیا بھی جے پور میں وزیر خزانہ رہے تھے۔

مہاراجہ کے رشتہ دار راجپوتوں کے بعد مسلمانوں اور پھر ہندو کائست اور کشمیری پنڈتوں کے پاس ریاست کے اعلیٰ عہدے رہے۔ کائست اور کشمیری پنڈتوں کی بھی مادری زبان اردو تھی۔ انیسویں صدی عیسوی تک سرکاری دفاتر کی زبان فارسی رہی پھر اردو ہو گئی جے پور کا سکہ جو جھاڑ شاہی روپیہ کہلاتا تھا اس پر بھی اردو کے الفاظ مرتسم ہوتے تھے۔ ۱۸۵۷ کے غدر میں تباہ ہونے والے دلّی، آگرہ، لکھنو وغیرہ کے معزز شہریوں میں سے بہت سے مسلمانوں نے جے پور میں پناہ لی اور یہاں مستقلاً آباد ہو گئے۔ ان خاندانوں کے اشتراک سے جے پور شہر میں اردو اور فارسی زبانوں کو تقویت ملی اور یہ شہر اردو فارسی

Marfat.com

شعروادب کا دبستاں بن گیا۔ اس دبستاں کی تخلیق میں ہندو کائستوں اور کشمیری پنڈتوں کا بھی ہاتھ تھا میں نے جے پور کے جن ہندو شاعروں کو دیکھا ہے ان میں جناب چندر بہاری لال صبا، منشی لچھمن نارائن سخا اور منشی موہن لال بسمل شامل ہیں یہ حضرات غزلیں بھی لکھتے تھے اور نعتیں اور مرثیے بھی محترم چندر بہاری لال صبا تو کہلاتے ہی نعت گو شاعر تھے ان کا ایک شعر مجھے یاد ہے۔

ثابت ہے ذاتِ پاک سے نسبت رسول کی
فرض خدا کے ساتھ ہے سنت رسول کی

جے پور میں جس قدر مشاعرے منعقد ہوتے تھے شاید ہی کسی اور شہر میں اس قدر مشاعرے ہوتے ہوں۔ ہر دس پندرہ دن کے بعد کسی نہ کسی متمول گھر میں محفل مشاعرہ منعقد ہو جاتی تھی۔ یہ طرحی مشاعرے بھی ہوتے تھے اور غیر طرحی بھی۔ آل انڈیا سطح کے مشاعرے ہندوستان کے کئی شہروں میں منعقد ہوئے لیکن جیسے سہ روزہ آل انڈیا مشاعرے جے پور میں منعقد ہوئے تھے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پورے ملک کے مشہور شعراء جے پور میں جمع ہوئے۔ شہر کی انتظامیہ ان مشاعروں کے انتظام پر متعین کر دی گئی۔ پورا شہر گویا مشاعرہ گاہ بن گیا۔ پہلا آل انڈیا مشاعرہ البرٹ ہال میں منعقد ہوا اور دوسرا ہوا محل میں پہلے مشاعرے میں ایک مزاحیہ شاعر جو۔ بوم تخلص فرماتے تھے ان کا ایک شعر مجھے یاد ہے۔

جے پور آ کے بوم کو عزت یہ ملی
بولا بجائے ٹھنٹ کے البرٹ ہال میں

دوسرے مشاعرے کا مصرع طرح میرے استاد محترم اور ڈاکٹر الیاس عشقی کے والد بزرگوار علامہ رضی نے تجویز فرمایا تھا وہ مصرعہ طرح تھا۔

؎ کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے

اس مصرعہ طرح پر مزاحیہ شاعر جناب ظریف نے یہ مطلع کہا تھا جسے سن کر محفل زعفران زار بن گئی تھی۔

Marfat.com

اگر بھولے سے منگل کو کبھی اتوار ہو جائے
کلی کی آنکھ کھل جائے چمن بیدار ہو جائے

میرے ماموں متین الحق جنہیں میں ابا میاں کہتا تھا وہ بھی شاعر تھے ان کا تخلص حقی تھا۔ ان کے قریباً تمام احباب شاعر ادیب اور عالم فاضل تھے۔ ابا میاں اکثر مجھے اپنے ساتھ مشاعروں میں لے جاتے تھے ان کے ایک دوست کاظمی صاحب بھی تھے جو خود تو شعر نہ کہتے تھے لیکن ان کا کمال یہ تھا کہ وہ داد دینے میں اچھے سے اچھے شعر کا حلیہ بگاڑ دیتے تھے۔ سارے شاعران سے پناہ مانگتے تھے۔ جوش ملیح آبادی جیسا شاعر بھی شعر پڑھنے سے قبل کاظمی صاحب سے یہ کہہ کر اجازت لیتا تھا۔ کاظمی صاحب شعر کی جان کی امان پاؤں تو شعر پڑھوں۔ موصوف بلا کے حاضر جواب۔ بذلہ سنج اور فقرے باز تھے۔ کثیر العیال تھے لیکن زندگی بھر کوئی کام نہیں کیا۔ گھر کی تمام ضروریات احباب پوری کرتے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ کاظمی صاحب جہاں جاتے اور جہاں بیٹھتے جانِ محفل بنے رہتے۔ ایک بار اجمیر سے ایک نوجوان شاعر جے پور آئے ان کی ملاقات کاظمی صاحب سے ہوئی اس وقت کاظمی صاحب شیعوں کے متعلق ایسے لطیفے سنا رہے تھے کہ یہ نوجوان شاعر کاظمی صاحب کو سنی سمجھ بیٹھے۔ چند یوم بعد محرّم آ گیا۔ محرم کی مجالس سنی اور شیعہ دونوں مسالک کے گھروں میں منعقد ہوتی تھیں فرق ماتم کا تھا جو شیعہ حضرات کے ہاں اور خاص طور پر امام باڑوں کی مجالس میں ہوتا تھا۔ یہ نو محرم کی صبح کا واقعہ ہے کہ اجمیر کے شاعر صاحب کسی کام سے ابا میاں کے پاس آئے۔ ہمارے گھر سے کچھ فاصلہ پر ایک چھوٹا سا امام باڑہ تھا جہاں ماتم ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ابا میاں۔ اجمیر کے شاعر اور میں گھر سے نکلے ہم جب اس امام باڑہ کے قریب پہنچے تو مجلس ختم ہو گئی تھی اور لوگ باہر آ رہے تھے۔ کاظمی صاحب نے ابا میاں کو دیکھ کر آواز لگائی۔ میاں متین۔ ابا میاں رک گئے۔ اجمیر کے شاعر صاحب کو یہ جان کر کہ کاظمی صاحب بھی شیعہ ہیں اس قدر حیرت ہوئی کہ وہ بے ساختہ بول پڑے۔ کاظمی صاحب آپ بھی۔ کاظمی صاحب ان کا مطلب سمجھ گئے اور انہیں مخاطب کر کے کہا ''میاں کیا آپ کو میرے چہرے پر پھٹکار برستی نظر نہیں آ رہی''۔ کاظمی صاحب کے ارد گرد جمع شیعہ حضرات جز بز ہو کر بولے۔ کاظمی صاحب آپ

Marfat.com

بھی حد کرتے ہیں۔اور پھر سب ایک دوسرے کا مضمحل چہرہ دیکھ کر ہنس پڑے۔

جے پور کے ایسے علمی اور ادبی ماحول میں راقم نے ہوش سنبھالا تھا۔غور فکر کی عادت عنفوان شباب میں ہی پڑ گئی تھی۔خوش قسمتی سے نہایت قابل اساتذہ سے شرف تلمذ ہوا۔منشی فاضل کی نصابی کتب کا مطالعہ غیر مشہور لیکن ٹھوس علمی قابلیت کے اساتذہ کی شاگردی میں کیا۔فارسی ادب کا درس استاد محترم جناب عبدالقیوم ناطق مدظلہ' کے قدموں میں بیٹھ کر لیا۔فلسفہ کے درس کی تکمیل مولوی عبدالقیوم ناطق صاحب کے برادر بزرگ مولوی عبدالحئی فائز سے اور عربی نصاب کی تکمیل شیخ الحدیث مولوی عبدالقدیر بدایونی رحمتہ اللہ علیہ کے زیر سایہ کی۔مولوی عبدالقدیر مدظلہ' استاد محترم مولوی عبدالقیوم اور مولوی عبدالحی کے بھی استاد تھے۔

اس زمانہ میں فرش پر بیٹھ کر درس لیا جاتا تھا۔ڈیسک پر استاد محترم کے سامنے کتاب کھلی ہوتی اور ان کی نظریں کتاب کی بجائے شاگردوں یا پھر سامنے محراب پر جمی ہوتیں۔شاگردوں میں سے کسی کو حکم ہوتا تم پڑھو۔شاگرد بلند آواز سے ایک شعر یا نثر کا ایک جزو پڑھتا۔استاد محترم پہلے تلفظ کی اصلاح فرماتے۔اس کے بعد شعر یا فارسی عبارت کا اردو میں تحت اللفظ ترجمہ فرما کر صرف ونحو کی روشنی میں اس کا تجزیہ کرتے اس کے بعد شعر کی تشریح کر کے شاعر کا مدعا اور شعر کے مرکزی خیال پر روشنی ڈالتے۔شعر میں کوئی خاص صنعت ہوتی تو اس کی نشاندہی کرتے پھر کسی اور شاعر کا ہم مضمون شعر یاد ہوتا تو وہ شعر سنا کر دونوں کا تقابلی جائزہ لیتے اور ان کے حسن و قبح اور فصاحت و بلاغت کا موازنہ فرماتے تھے کبھی کبھی شاگردوں سے سوال کرتے کہ اگر اس شعر یا اس جملہ میں اس لفظ کی بجائے اس کا ہم معنی یہ لفظ استعمال ہوتا تو شعر میں زیادہ خوبی پیدا ہوتی یا اس میں نقص آجاتا۔اس انداز سے صرف وہی لوگ پڑھا سکتے ہیں جنہیں لغت۔صرف ونحو۔صنائع بدائع اور اصناف سخن پر پورا عبور حاصل ہو اور جو متعلقہ ادب کا وسیع مطالعہ رکھتے ہوں ایسے قابل اور فاضل حضرات کے شاگردوں میں نہ صرف حصول علم کا شوق پیدا ہوتا ہے بلکہ خود ان میں بھی نقد کلام کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

استاد محترم عبدالقیوم ناطق کے برادر بزرگ عبدالحی فائز نہایت عمدہ مقرر اور

Marfat.com

بڑے ذہین وفطین آدمی تھے ان کی علمی قابلیت کا حوالہ اکثر استاد محترم عبدالقیوم صاحب دیتے رہتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے استاد شیخ الحدیث مولوی عبدالقدیر صاحب تھے جو ہمارے کالج کے پرنسپل بھی تھے ان کا تعلق درس نظامی سے تھا ہمیں عربی پڑھا دیتے تھے موصوف نہایت محترم شخصیت کے مالک تھے ایک دن مجھ سے دریافت فرمایا تم حضرت شیخ عبدالحق حقی کی اولاد ہو میں نے عرض کیا جی ہاں۔ کچھ توقف کے بعد فرمایا تمہارا مجھ پر حق ہے میں تم سے فیس نہیں لوں گا۔ یہ وہ حضرات تھے جن کی گھریلو زندگی نہایت تنگ دستی اور فاقوں میں گزرتی تھی لیکن ان محترم حضرات نے کبھی مال و دولت کے حصول پر توجہ نہ دی تنگی ترشی کے باوجود دین اور علوم کی خدمت پوری لگن اور خلوص سے کرتے رہے۔ ہم نے کبھی ان محترم حضرات سے کوئی حرف شکایت نہیں سنا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کی دینی اور علمی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جزائے خیر عطا کرے آمین۔

راقم نے علم عروض وقوافی کا درس ہند کے مایہ ناز ماہر عروض مولانا اطہر ھاپوڑی سے حاصل کیا بیسویں صدی عیسوی میں ہند میں دو عظیم ماہر علم عروض پیدا ہوئے ان میں سے ایک استاد محترم علامہ اطہر ھاپوڑی تھے اور دوسرے سیماب اکبرآبادی ان دونوں حضرات کے درمیان علمی چشمک چلتی رہتی تھی اور یہ حضرات اپنی تحریروں میں ایک دوسرے کو جاہل قرار دینے کی کوشش کرتے رہتے اس رقابت کے باوجود اگر کبھی علامہ سیماب اکبرآبادی سے سوال کیا جاتا کہ آپ کے بعد علم عروض وقوافی کا ماہر کون ہے تو جواب ملتا۔ ہے تو جاہل لیکن میرے بعد اطہر ھاپوڑی سے بڑا عروضی کوئی نہیں ہے۔ یہی جواب مولانا اطہر ھاپوڑی علامہ سیماب اکبرآبادی کے لئے دیتے تھے۔

علامہ اطہر ھاپوڑی نے ایک مضمون شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا۔ ''اقبال کے غیر موزوں اشعار''۔ اس مضمون کو پڑھ کر علامہ اقبال نے جو خط مولانا اطہر ھاپوڑی کو لکھا تھا وہ ان کے پاس محفوظ تھا ایک بار موصوف نے وہ خط مجھے بھی دکھایا۔ علامہ کے خط کا مضمون کچھ اس قسم کا تھا۔ مولانا محترم آپ جیسے فاضل وکامل عروض وقوافی کے ماہر نے میرے اشعار پر جو توجہ دی ہے میں اس پر آپ کا شکرگزار وممنون ہوں۔ علم وعروض کی روشنی میں آپ نے میرے اشعار کے اوزان وبحور کا جو تجزیہ فرمایا ہے اس کے مطالعہ نے

Marfat.com

مجھے اس قابل بنا دیا ہے کہ آئندہ شاید مجھ سے ایسی غلطیوں کا صدور نہ ہو۔ میری طرف سے اپنی اس عنایت کا شکریہ قبول فرمائیں۔

علامہ اقبال کا یہ خط پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ جو لوگ فی الحقیقت عظیم ہوتے ہیں ان کا ظرف بھی بہت وسیع ہوتا ہے علامہ اقبال اس وقت بھی علامہ اقبال تھے اور پورا ہند انہیں جانتا اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مولانا اطہر ھاپوڑی ایک غیر مقبول فن کے ماہر تھے اور ایک محدود حلقہ ہی ان کی علمیت کا معترف تھا۔ اگر آج کسی نام نہاد شاعر یا حلقہ ستائش باہمی سے تعلق رکھنے والے کسی ادیب یا صحافی کے کسی شعر یا تحریر پر کوئی نقاد تنقید کر دے تو وہ خود اور اس کی انجمن ستائش باہمی کے ارکان اپنا پور از ور قلم نقاد کی تذلیل و تحقیر پر صرف کر ڈالیں گے۔ لیکن علامہ اقبال علامہ اقبال تھے ان کے دو چار نہیں کئی سو اشعار پر مولانا اطہر ھاپوڑی نے تنقید کر ڈالی اور علامہ نے اسے پڑھکر اطہر ھاپوڑی کو شکریہ کا خط لکھ بھیجا یہ ہے اعلیٰ ظرفی کی علامت۔

راقم کو جن حضرات سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے ان میں علامہ رضیؔ اور مولوی عبدالرشید فاضلؔ بھی شامل ہیں یہ دونوں حضرات جے پور کے مہاراجہ ہائی اسکول میں معلم تھے استاد محترم مولوی عبدالقیوم ناطق چند ماہ کے لئے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اس دوران ہم نے علامہ رضیؔ اور مولوی عبدالرشید فاضلؔ سے رجوع کیا اور ان دونوں حضرات نے بلا معاوضہ درس دینے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

ہمارے زمانہ میں استاد کا احترام عام تھا لیکن ذہنی تشفی کے لئے ادب کے دائرے میں رہ کر استاد سے سوال جواب معیوب تصور نہ کیا جاتا تھا۔ استاد ایسے سوال جواب پر برافروختہ نہ ہوتے تھے اور جو شاگرد جتنی معقولیت کے ساتھ بحث کرتا تھا اس شاگرد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور اس کے اس عمل کو شاگرد کی علم سے گہری وابستگی کی علامت تصور کرتے تھے۔

مجھے دلّی کے مشہور فلسفہ۔ منطق اور ادب کے عالم مولوی عبدالسلام سے بھی شرف تلمذ حاصل ہوا ہے۔ مولوی عبدالسلام نے مجھے حافظ شیرازی کے چند اشعار پڑھائے تھے یہ گویا شاگردی کا شرف حاصل کرنے کی رسمی کاروائی تھی۔ مولوی عبدالسلام

Marfat.com

سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی معقولات کا درس لیا تھا۔ راقم نے جن چند سحر آفریں شخصیات کو دیکھا ہے ان میں مولوی عبدالسلام کی شخصیت سب سے زیادہ دلچسپ اور مسحور کن تھی۔ موصوف قلندرانہ وضع قطع اور قلندرانہ مزاج کے آدمی تھے۔ گندمی رنگ۔ میانہ قد۔ گٹھا ہوا جسم ڈاڑھی مونچھ صاف۔ چشتیہ سلسلہ طریقت سے تعلق رکھتے تھے۔ موصوف کی آواز نہایت کراری اور بلند تھی۔ میاں خدا خوش رکھے یہ ان کا تکیہ کلام تھا۔ کبھی برافروختہ ہوتے تو فرماتے۔ دیکھئے میرا ناریل چٹخ جائے گا۔ مولوی عبدالسلام سے کرامات کے ظہور کی داستانیں بھی منسوب تھیں ان کے ظاہری کمالات میں حافظہ کی غیر معمولی طاقت اور مطالعہ کی وسعت شامل تھی۔ جس موضوع پر بولتے کتابوں اور مصنفوں کے حوالے دیتے چلے جاتے فارسی کے بیشتر شعراء کا کلام ازبر تھا انوریؔ، عسکریؔ، فردوسی، خاقانیؔ، قاآنیؔ عرفیؔ، حافظ شیرازی، جامیؔ، عطار، رومی، نظیریؔ، طالب آملی غرض متعدد شعراء کے پورے پورے قصائد مثنویاں اور غزلیں موصوف کو یاد تھیں ایک لاکھ سے زیادہ اشعار ازبر تھے۔ وہ جب اساتذہ کا کلام سنانے پر آتے تو اشعار کا ایک سیلاب امنڈ پڑتا۔ کراری اور بلند آواز میں اشعار کا ہر لفظ کھنکتا اور تلفظ کا حق ادا کرتا ہوا نکلتا۔ ردیف اور قوافی کے صوتی اثرات اور گوناگوں تخیلات وتصورات کی یورش سے سامعین مسحور ہو کر عجیب ربودگی اور خودرفتگی کی سی کیفیت میں مبتلا گم سم بیٹھے رہتے۔

موصوف دیگر قلندروں کی طرح مجرد تھے۔ روحانی کرامات کے ساتھ ساتھ حسن پرستی کے بہت سے لطیفے بھی موصوف سے منسوب تھے غالباً نظامی سلسلہ سے بھی رشتۂ عقیدت قائم تھا اس لیے مولوی عبدالسلام کو موسیقی سے قلبی شغف تھا اور وہ فن موسیقی پر گہری نظر رکھتے تھے۔ موصوف جے پور کی مشہور مغنیہ فرحت جہاں بو پر فریفتہ تھے اور فرحت جہاں بو کا گانا سننے کے لئے ہر سال تین چار بار جے پور آتے۔ ان کا قیام دہلی والے حکیم عظیم الدین خاں کے گھر ہوتا تھا۔ حکیم صاحب نہایت متشرع آدمی تھے خود ان کا یہ حال تھا کہ اکلوتے بیٹے نے ریڈیو لینے کی ضد کی تو اس وقت تک ریڈیو نہیں خریدا جب تک چند شرائط کے ساتھ دارالافتاء فتح پوری مسجد دلّی سے اجازت کا فتویٰ حاصل نہ کرلیا ایسے متدین شخص کے گھر پر مولوی عبدالسلام موسیقی کی محفل جماتے تھے۔ حکیم صاحب کا

Marfat.com

مہمان خانہ ایک وسیع ہال پر مشتمل تھا مولوی عبدالسلام اسی مہمان خانے میں مقیم ہوتے اور اسی ہال میں موسیقی کی محفل منعقد ہوتی تھی۔ لیکن ان محفلوں میں صاحب خانہ حکیم صاحب شریک نہ ہوتے تھے اس محفل میں جے پور کے معززین شہر علماء شعراء اور ادیب جمع ہوتے تھے۔ عالم فاضل حضرات اگلی صف میں بیٹھتے ان کے پیچھے نسبتاً کم عمر اور کم علم یعنی اس دور کے گریجویٹ اور سند یافتہ حضرات ہوتے۔ مولوی عبدالسلام گویا میر محفل اور صدر نشیں ہوتے تھے۔ ان کے سامنے فرحت جہاں بو۔ جسم سکیڑے سر ڈھانپے غزل سرا ہوتیں۔ موصوفہ کو اردو فارسی کے نہ صرف سینکڑوں اشعار یاد تھے بلکہ ہر لفظ کے درست اخراج پر بھی انہیں عبور حاصل تھا اور کلام کی ترتیب کا سلیقہ بھی آتا تھا۔ ان کی ان ہی خصوصیات پر مولوی عبدالسلام فریفتہ تھے۔ فن موسیقی اور الفاظ کے اخراج پر عبور کی حامل محترمہ فرحت جہاں بو جب اساتذہ کا فارسی اردو کلام سنانا شروع کرتیں تو عجیب سماں بندھ جاتا تھا۔ ایک غزل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری اسی طرح عشاء کی نماز کے بعد شروع ہونے والی محفل جب تہجد کے وقت ختم ہوتی تو اس دوران موصوفہ متعدد غزلیں سنا چکتی تھیں۔ عملاً یہ محفل بلاشبہ راگ ورنگ کی محفل ہوتی تھی۔ لیکن ہم جیسے کم علم لوگوں پر اس محفل موسیقی میں بھی رعب اور مرعوبیت کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ کسی کم علم سامع کو زبان کھولنے اور داد دینے کی جسارت نہ ہوتی تھی۔ داد صرف وہی حضرات دیتے اور برمحل دیتے تھے جن کی سخن فہمی اور فن موسیقی سے واقفیت مسلم تھی۔ داد و تحسین کے دوران نہایت شگفتہ جملے بھی چست ہو جاتے تھے ان جملوں میں سے بعض جملے ادب پاروں کی حیثیت رکھتے تھے اور ایسے جملوں پر بھی لوگ داد دیتے تھے۔ موسیقی اور شعر و ادب کی وہ محفلیں گویا مشرقی فن و ادب کی آخری ہچکیاں تھیں جو مرحوم و مدفون ہو کر قصہ پارینہ بن گئیں۔ اب تو ذوق سلیم کو کچلنے والا مشینی ادب اور سماعت کو سنگسار کرنے والی موسیقی رہ گئی ہے۔

گنہگار شرفا کی تفریح طبع کا مذکورہ انداز راقم نے اس وقت دیکھا تھا جب وہ عنفوان شباب میں قدم رکھ چکا تھا۔ طوائف کو اس دور میں بھی عزت کا مقام حاصل نہ تھا۔ شرفا کے گھر کی خواتین اور طوائف کے درمیان سب سے بڑی وجہ امتیاز یہ عملی حقیقت تھی کہ شریف گھرانوں کی خواتین نہ بے حجاب غیر مردوں کے سامنے آتی تھیں اور نہ ہی نامحرم

Marfat.com

مردوں میں بیٹھتی تھیں جبکہ طوائف غیر مردوں کے درمیان بیٹھ کر گاتی تھی۔ اس کا یہ عمل شرعاً ممنوع۔ گناہ اور فحاشی تصور ہوتا تھا۔ اس غیر شرعی عمل کے باوجود میں نے فرحت جہاں ببو کو جس لباس اور نسوانی شرم وحیا کے ساتھ محفل موسیقی میں جس طرح گاتے دیکھا ہے وہ لباس اور وہ نسوانی شرم وحیا آج شرفا کے گھر کی خواتین میں مفقود ہے۔ میں نے محترمہ فرحت جہاں ببو کا سر کبھی ننگا نہیں دیکھا ان کا چھریرہ جسم چادر یا ساڑھی کے طویل پلو سے ڈھکا رہتا تھا۔ ان کے رویہ سے شائستگی اور نسوانی شرم وحیا عیاں ہوتی تھی۔ آج ہماری شریف زادیاں جس طرح بے باکی اور ملبوس عریانیت کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں اپنے حسن و جوانی کا مظاہرہ کرتی پھرتی ہیں اس قسم کی بے حیائی اور عریانیت کی حامل اور متحمل اس دور کی طوائف نہ ہوتی تھی۔ فرحت جہاں ببو اس لئے طوائف تھیں کہ وہ غیر مردوں کے سامنے گاتی تھیں۔ یہی کام آج نہایت گھٹیا اور حیا سوز طریقہ پر شرفا۔ امراء اور اعلیٰ عہدے داروں کی بیٹیاں۔ بہنیں اور بیویاں کرتی ہیں لیکن انہیں کوئی طوائف نہیں کہتا۔ فرحت جہاں ببو نسلاً طوائف تھیں اور گانا ان کا ذریعہ معاش تھا۔ اسٹیج اور ٹی وی پر اچھل اچھل کر گانے اور رقص کرنے والی آج کی شریف زادیاں عملاً اور اصولاً طوائف ہیں اور اپنی ان خدمات کا معاوضہ بھی حاصل کرتی ہیں۔ ان پر یقیناً طوائف کے لغوی اور اصطلاحی معنی کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ان شریف زادیوں کو طوائف کی بجائے آرٹسٹ اور فن کارہ کہا جاتا ہے۔ یہ گویا شراب کی بوتل پر آب زم زم کا لیبل چسپاں کرنے کا عمل ہے۔ اس فریب کاری کا مقصد اور غرض وغایت یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ شریف زادیاں عملاً طوائف بن سکیں اور عورتوں کی نسوانی شرم وحیا کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کار خیر کی تکمیل اور طوائف گری کا کام ہمارے ٹی وی اسٹیشن بخوبی کر رہے ہیں۔

عنفوان شباب میں شعر وادب کی محفلوں کے ساتھ ساتھ مذکورہ قسم کی محافل موسیقی سے بھی راقم کا واسطہ پڑا تھا۔ اس لئے عرصہ دراز تک موسیقی سے راقم کی دلچسپی قائم رہی۔ لیکن ۱۹۷۰ء میں جب راقم نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پڑھی کہ: ''میری بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ میں مزامیر کو ختم کر دوں''۔ تو اس دن سے راقم نے خود پر موسیقی حرام کرلی۔ ریڈیو اور ٹی وی پر گانے کے پروگرام کا سننا اور دیکھنا نہ صرف خود پر حرام کرلیا

Marfat.com

بلکہ گھر والوں پر بھی سخت پابندی لگادی۔

جس دور کی نسل سے میں تعلق رکھتا ہوں انسانی تاریخ کی کوئی بھی نسل ایسے غیر معمولی تغیرات سے دوچار نہیں ہوئی جیسے وسیع اور شدید تغیرات سے میرے دور کی نسل دو چار ہوئی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا معاشرہ پوری معیشت اور پورا ماحول یکسر بدل گیا۔ ہمارے بزرگ اس تبدیلی اور انقلاب کی تاب نہ لا سکے اور تغیر کے ابتدائی دور میں ہی دل گرفتہ ہو کر مر گئے۔ ہم شائد بہت سخت جان تھے تغیر کے اس طوفان کو دیکھتے اور برداشت کرتے رہے۔ تغیر کا یہ طوفان اندرون ملک سے نہیں یورپ اور امریکہ سے اٹھا تھا اور اس طوفان کے اصل خالق یہود اور ان کی وہ خفیہ تنظیم تھی جو پوری دنیا پر غلبہ وتصرف حاصل کرنے کے لئے تمام غیر یہودی اقوام کو حیوان بنا دینا چاہتی تھی۔ میں نے اس کتاب میں کافی تفصیل کے ساتھ یہود کی اس سازش پر روشنی ڈالی ہے۔ بہر کیف صدیوں کی کاوش کے نتیجہ میں یہود نے حیوانی معاشرے کی تشکیل کے لئے تغیرات کا جو طوفان بپا کر دیا تھا وہ عالم اسلام اور ایشیائی ممالک پر بھی اثر انداز ہوا اور پوری شدت سے اثر انداز ہوا نتیجہ یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے زندگی کا ہر شعبہ متغیر ہو گیا۔ جو کبھی خوب تھا وہ زشت قرار پایا۔ جو خیر تھا اسے شر اور جو شر تھا اسے خیر کی جگہ مل گئی۔ اخلاقی اقدار بدلیں۔ رہنے سہنے کے طور طریقے بدلے۔ شرافت اور عزت کے معیار بدلے۔ عورتوں سے ان کی نسوانیت اور شرم وحیا گئی۔ عزیزوں اور دوستوں سے محبت کا جذبہ رخصت ہوا۔ رذالت فضالت بن گئی ارباب نشاط۔ گانے بجانے نقالی کرنے اور کھیلنے کودنے والے قوم کے ہیرو بن گئے عزت۔ شہرت اور دولت ان کا مقدر بنی۔ عالم فاضل اور رفاحی کردار انجام دینے والے گمنام بے وقعت اور نادار ہو کر رہ گئے۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے یہ مقولہ عملاً بدل گیا اور ایجادات ضرورت کی ماں بن گئیں۔ سہل پسندی اور سہولت آفرینی نے تن آسانی کو عام کیا طبعی قوت مزاحمت اور قوت برداشت روز افزوں سہولتوں کی نذر ہو گئی۔ اس خُو نے ضروریات زندگی کی فہرست کو طویل تر بنا ڈالا۔ دولت کی مصنوعی بہتات نے ایک طرف زندگی کی اشیاء ضرورت کو گراں تر کر کے ان کا حصول دشوار تر کر دیا اور دوسری طرف انسان کی بیشتر توجہ کو ضروریات کی کفالت کے چکر میں مبتلا کر کے موکھ دیا۔ اس صورت نے انسان کو عملاً پیسہ

Marfat.com

بنانے کی بے حس مشین بنا ڈالا۔ میں نے اور میری ہم عصر نسل نے اپنی مختصر سی زندگی میں معاشرے کی تمام جہتوں کو الٹ پلٹ ہوتے دیکھا اور اپنی ان کھلی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھا جس کا تصور بھی کبھی ہم نہ کر سکتے تھے۔ مختصر یہ کہ جتنا تغیر پچھلے ہزار ڈیڑھ ہزار سال میں نہ ہوا تھا اس سے زیادہ اور غیر معمولی تغیر ہم نے اپنی زندگی کے پچھلے پچاس ساٹھ سال میں دیکھا اور بھگتا۔ حسب برداشت ہم نے اس تغیر میں ڈھلنے اور خود کو بدلنے کی کوشش کی لیکن افتادِ طبع نے ساتھ نہ دیا۔ نتیجہ یہ کہ ایک طرف نامراد اور ناکام ٹھہرے اور دوسری طرف دل گرفتہ اور آتش زیر پا ہو کر مستقلاً ذہنی اور جذباتی خلفشار میں مبتلا ہو گئے۔

میرے لئے اس اذیت مسلسل سے وقتی فرار کی صرف ایک ہی راہ تھی وہ یہ کہ میں خود کو کتابوں میں جذب اور کاغذوں پر بکھیر دوں۔ لکھنا پڑھنا گویا اب میری زندگی کی لازمی اور ناگزیر ضرورت بن گیا۔ اگر بچپن سے لکھنا پڑھنا میرا محبوب مشغلہ نہ ہوتا تو شاید حساس طبیعت میرے قوائے عقلی کو احساسات کی بھٹی میں جلا کر راکھ کر ڈالتی۔ قیام پاکستان کے بعد میں صرف زندہ رہنے کے لئے لکھتا پڑھتا رہا۔ میرا لکھنا پڑھنا حصولِ اسناد یا کسبِ معاش کے لئے نہ تھا۔ میرے لئے یہ فرار کی راہ تھی۔ اس جاں گسل اذیت سے وقتی چھٹکارے کی راہ۔ جو اذیت اس انسانیت کش تغیر کا ہر منظر مجھے پہنچا رہا تھا۔

میں نے بچپن سے لے کر آج تک نہ کبھی کسی گھریلو یا میدانی کھیل میں حصہ لیا اور نہ ہی سیر و تفریح کیلئے کہیں گیا۔ لڑکپن میں بزرگوں کے عقائد اور مذہبی تصورات سے اختلاف نے کتابوں کی پناہ میں دھکیلا۔ بالغ ہوا تو انسانی تاریخ کے سب سے بڑے ہمہ جہتی تغیر نے پڑھنے لکھنے کو وقتی فرار کی راہ بنا دیا۔ عنفوانِ شباب میں ذہن جس طرح تخیلات کی آماجگاہ اور سحر انگیز تصورات کا محور ہوتا ہے اور اس عمر میں خود پسندی اور خودنگری جن مغالطوں میں مبتلا کرتی ہے۔ میں بھی اس عمر کی سحر آفرینیوں اور مغالطوں میں مبتلا رہا ہوں۔ مجھے بھی نہایت عاقل۔ عالم اور نکتہ رس ہونے کا خبط رہا ہے لیکن بارہ سال کی عمر میں یقین اور اعتماد پر جو کاری ضرب لگی تھی اس ضرب نے مجھے شکی اور محتاط بنا دیا اور میں عنفوان شباب کی خود پسندی اور مغالطوں کے سحر سے جلد ہی باہر نکل آیا۔ مجھ میں خود اعتمادی ضرور قائم رہی لیکن میں خود سے بھی مشکوک رہا مجھے اپنے فیصلوں۔ نظریات اور

Marfat.com

تخلیقات کو شک کی نگاہ سے دیکھنے اور پرکھنے کی عادت سی ہوگئی۔ کسی کی سطحی اور وقتی نوعیت کی تحریریں مجھے کبھی متاثر نہ کرسکیں۔صرف لافانی اور سدابہار تخلیقات مجھے متاثر کرتی رہی ہیں۔ میں نے بھی اسی انداز کے ڈراموں۔ افسانوں اور ناول کے خاکے مرتب کئے اور ان میں عبارت کے رنگ بھرنے لگا۔ یہ کوشش پچھلے پچاس سال سے قدرے وقفوں کے ساتھ جاری ہے لیکن میں اپنی کسی بھی تخلیق کو مکمل نہ کرسکا۔ لافانی تخلیقات۔ وسیع مطالعے۔ مشاہدے اور نادر تخیلات کی ہی نہیں بلکہ الفاظ کے معیاری انتخاب اور ان کی اعلیٰ بندش اور روانی کی بھی طالب ہوتی ہیں۔ان مطالبات کی تکمیل میں اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ پوی رات کالی ہوگئی اور میں صرف ایک جملہ یا چند سطور لکھ سکا۔ جبکہ ۱۹۸۵ء میں شائع ہونے والی تین سو صفحات کی کتاب میں نے چھ ماہ میں لکھ ڈالی تھی۔

میں اب بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے آج بھی زندگی کی شدید خواہش ہے۔ یہ خواہش اپنے لئے نہیں ان غیر مکمل تخلیقات کی تکمیل کے لئے ہے۔اگر میں اسی حال میں مرگیا تو میرے ساتھ یہ غیر مکمل تخلیقات بھی مرجائیں گی اور اس مرگ انبوہ کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا۔

میری تصنیف 'تدوین قرآن، حدیث اور تاریخ' کی تکمیل پر دس سال سے زیادہ وقت لگا ہے۔ میں نے قرآن کے آئینہ میں دین اسلام کے جو خدوخال دیکھے ہیں ان کی عکاسی اس کتاب میں کی ہے۔اس تصنیف کی غرض و غایت عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ذہن میں دین اسلام کا صحیح تصور پیدا کرنا اور ان کے ذہن کو صاف کر کے ان میں تجزیہ اور تحقیق کی صلاحیت کو ابھارنا ہے۔اس لیے میں نے علمی زبان کی بجائے قصداً عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس کاوش کو قبول اور اہل ایمان میں مقبول فرمائے، آمین۔

تدوین قرآن

باب اوّل

مبادیات

Marfat.com

Marfat.com

قرآن کا معیارِ علم وحکمت

ہر تصنیف اپنے مصنف کے علم وشعور کی عکاس اور اُس کے معیار علم و دانش کی مظہر ہوتی ہے۔قرآن ایک ایسی کتاب ہے جسے اگر تصنیف کہا جائے تو یہ تصنیف اپنے مصنف کے معیارِ علم وحکمت کے مساوی نہیں اور اصلاً مختلف النوع ہے۔

قرآن جس ہستی کا کلام ہے۔اُس ہستی کے علم وحکمت کی نوعیت اس علم وشعور کی نوعیت سے بالکل مختلف ہے جس علم وشعور کا انسان حامل ہے۔وہ انسان۔جو لاتعداد مخلوقات کے ساتھ کرہ ارض پر رہتا ہے۔وہ کرہ ارض۔جو ایک سیارہ ہے نظام شمسی کا۔وہ نظام شمسی۔جو ہزاروں نظام شمسی کی طرح ایک حصہ ہے کہکشاں کا۔وہ کہکشاں۔جو لاتعداد کہکشاؤں سے مل کر تصور بناتی ہے کائنات کا۔وہ کائنات۔جو بہ ہر جہت گھری ہوئی ہے خلاؤں سے۔

ان خلاؤں کی اگر کوئی حد ہے تو اس حد کے پیچھے کیا ہے؟

اگر ان خلاؤں کی پشت پر کوئی حد نہیں تو پھر یہ خلا قائم کیسے ہے؟۔

کوئی مظروف۔ظرف کے بغیر۔اور۔کوئی وجود حدود کے بغیر قائم نہیں ہوتا۔

یہاں پہنچ کر انسانی عقل مفلوج اور اس کا شعور وحشتناک تحیر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

محدود الاصل عقل وشعور لامحدودیت کا ادراک نہیں کر سکتا۔حدود میں محدود

Marfat.com

انسانی عقل مجبور ہے کہ وہ ہر وجود کی حدود معلوم کرے ۔ جس وجود کی حدود نہ ہوں ۔ اس وجود کا ادراک محدود الاصل انسانی عقل نہیں کر سکتی ۔

اس خالق کے وجود کا ادراک کون کر سکتا ہے جس نے ایسی کائنات کو تخلیق کیا جس کی حدود کا تعین غیر ممکن ہے ۔ اس خالق کے علم وقدرت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جس نے اس ناپیدا کنار کائنات کو اس وقت پیدا کیا جب اس کائنات کا نہ کوئی تصور تھا نہ اسکی کوئی شبیہ و تمثیل ۔ نہ کوئی زماں تھا اور نہ ازل و ابد کی تفریق نہ توانائی کی کوئی علامت تھی ۔ نہ کسی مادّہ کا وجود ۔ نہ ارواح نہ ملائک تھے ۔ نہ ممکنات کا تصور ۔ کامل نفی اور مکمل عدم کے اس حال میں ۔ خالق مطلق نے اس ناپیدا کنار کائنات کو تخلیق کیا ۔ اور وہ بھی کس طرح ۔ صرف ایک حکم صادر فرمایا ۔ کنُ ۔ ہو جا ۔ فیکون ۔ اور کائنات تخلیق ہوتی چلی گئی ۔ جس خالق کے صرف ایک حکم سے یہ ناپیدا کنار کائنات عدم سے وجود میں آ گئی اس خالق کے وجود کا ادراک محال ۔ اس کے علم کی نوعیت کو سمجھنا غیر ممکن ۔ اور اس کی قدرت کا اندازہ لگانا انسانی قدرت سے باہر ہے ۔ وہ کیا ہے ۔ اور ۔ کیا نہیں ہے ۔ یہ صرف اور صرف وہ ہی جانتا ہے نہ ملائک، نہ انبیاء، نہ اس کائنات کی کوئی اور مخلوق یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ اپنے خالق کی حقیقت کو سمجھ سکے ۔

انسانی علم تخلیق ہوا ہے ۔ مشاہدات ۔ تجربات ۔ تمثیلات ۔ مفروضات اور تخیلات کی آمیزش اور کاوش سے ۔ انسانی علم کے برعکس خالق کائنات کا علم نہ مشاہدات پر مبنی ہے نہ تجربات مفروضات اور تخیلات پر ۔ اس کا علم ۔ الفاظ و آواز ۔ مشاہدات و تجربات سے بے نیاز اور بالا ہے ۔ خالق کائنات کا علم اس وقت بھی کامل تھا جب اس کائنات کا نہ کوئی وجود تھا اور نہ تصور ۔ انسان ایسے علم کی نوعیت سمجھ نہیں سکتا ۔ خالق کائنات تمام علوم کا بھی خالق ہے ۔ ایسے خالق کو سمجھنا اور اس کی لامحدود ذات کو اپنے محدود شعور وتصور کی حدود میں لانا کسی بھی طرح ممکن نہیں ۔ اس مقام پر انسانی عقل اگر کوئی درست و

Marfat.com

صائب بات کہہ سکتی ہے تو صرف یہ کہ خالق بہر صورت خالق ہے اور مخلوق صرف مخلوق۔ خالق اپنی مخلوق کے وجود اور اس کی حدود پر قدرت اور تصرف رکھتا ہے۔ لیکن مخلوق نہ اپنے خالق کی حدود میں داخل ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس کے علم کی نوعیت کو جان سکتی ہے۔ اگر قرآن خالق کائنات کے معیار علم وحکمت کا حامل ہوتا۔ تو۔ یہ ایک ایسی کتاب ہوتی جس کے ہر لفظ اور ہر جملے پر ربانی علم وحکمت کے ایسے قفل لگے ہوتے جن کا کھولنا انسانی شعور کی دسترس سے باہر ہوتا۔ عام بشر تو کیا انبیاء اور ملائک تک اس کتاب کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ پاتے۔

انسان۔ اس کتاب کا موضوع اور مخاطب ہے۔ اس کتاب کا آخری لفظ بھی انسان ہے۔ اس کتاب کے نزول کا مقصد نوع بشر کی ابدی رہنمائی کرنا اور اُسے حصول فلاح وشرف کی راہ دکھانا ہے۔ خالق کائنات نے مذکورہ مقصد کی تکمیل کے لئے اس کتاب کو اپنے معیار علم وحکمت کی بجائے اس معیار علم وشعور کا حامل بنایا ہے جو انسانی علم وشعور سے مطابقت رکھتا ہے۔ ایسے معیار علم وحکمت سے ہی انسانی شعور کی رہنمائی اور کفالت ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا انداز بیاں اور طرز استدلال بشری مزاج فہم اور انسانی علم ودانش سے مطابقت رکھتا ہے۔ اگر قرآن کا معیار علم وحکمت خالق کائنات کے معیار علم وحکمت سے مختلف اور پست ہے تو اس لئے کہ نوع بشر کا مزاج فہم بہت مختلف اور علم وشعور کا معیار نہایت پست ہے۔ یہ نقص قرآن کا نہیں۔ انسانی فہم کا ہے۔

جو لوگ قرآن کے معیار علم وحکمت سے اللہ کے معیار علم وحکمت کا تعین کرتے اور قرآنی رب کائنات کے تصور کو پست قرار دیتے ہیں وہ اس ناقابل تردید حقیقت کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ قرآن میں خالق کائنات کا وہ تصور پیش کیا گیا ہے اور اس طرح پیش کیا گیا ہے جو نوع بشر اور عام انسان کی بساط فہم وادراک میں آسکے۔ ورنہ۔ اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ محدود الاصل انسانی عقل وفہم لامحدود ذات کا نہ تو ادراک کرسکتی

Marfat.com

ہے اور نہ ہی اُس کی حقیقت کو سمجھ سکتی ہے۔ لامحدود ذات کا علم اور اُس کی حکمت وفراست تمام حدود سے بے نیاز اور بالا ہے جبکہ انسانی عقل وفراست محدود الاصل ہے وہ کسی ایسی شے کا ادراک نہیں کرسکتی جس کی حدود نہ ہوں۔ انسانی عقل وفہم کے اس نقص اور مجبوری کو نظر انداز کر کے قرآن کے تصورِ ربانی پر اعتراض کرنا شعور کی کم نظری اور گم راہی ہے۔ انسانوں کو ایسی شعوری گم راہی میں مبتلا کر کے ابلیس راہ ہدایت اور صحت فکر سے دُور کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ جل شانہٗ نے قرآن کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ کتاب لوگوں کو ہدایت دیتی اور حق کی تعلیم کرتی ہے لیکن کچھ لوگ اس سے گم راہ بھی ہو جاتے ہیں۔

خالق ومخلوق اور محدود اور لامحدود ذات میں جو فرق ہے وہی فرق قرآن اور مصنف قرآن کے معیار علم وحکمت میں ہے۔ قرآن نوع بشر کی اصلاح اور ہدایت کے لئے نازل ہوا اس مقصد کی تکمیل کے لئے قرآن کا معیار علم وحکمت اور انداز بیان انسانی، فہم وفراست اور اُس کے شعوری مزاج کے مطابق ہونا ناگزیر تھا۔ اس بنا پر ہم قرآن کے معیار علم وحکمت کو خالق کائنات کے معیار علم وحکمت کا حامل اور مظہر قرار نہیں دے سکتے۔ یقیناً قرآن کا معیار علم وحکمت اور اُس کی نوعیت خالق کائنات کے معیار علم وحکمت سے بہت پست اور مختلف ہے۔ اس حقیقت کے باوجود نوع بشر کے لئے قرآن کا معیار علم و حکمت اس نقطۂ کمال پر قائم ہے جس نقطہ کمال تک انسانی علم وشعور لاکھوں سال تک ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد بھی نہ پہنچ سکے گا۔

کائنات کی تمام مخلوقات میں نوع بشر نہایت انوکھی اور عجیب الصفات مخلوق ہے۔ کائنات کی اس عجیب وغریب مخلوق کو خالق کائنات نے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض قرار دیا تھا۔ متضاد صفات اور بڑی حد تک خود مختار نوعِ بشر کے لیے قرآن ایک ابدی معجزاتی تحفے اور خالق کائنات کے سب سے بڑے انعام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب نے نوع بشر کو اُس کے خالق اور مالک کی ذات وصفات کا تصور عطاء کیا۔

خیر وشر کی ابدی بنیادیں قائم کیں نوع بشر کے مقصد تخلیق سے روشناس کروایا۔ انسانی زندگی کی ہر فکری ضرورت کی کفالت کی اور دنیاء اور آخرت میں نجات اور شرف وکمال حاصل کرنے کا دستور العمل پیش کیا۔ فکر وعمل کے لئے ان تصورات اور ہدایات کی نوعیت کا ابدی۔ نا قابل تغیر اور ہر دور میں قابل عمل ہونا ایک معجزہ ہے۔ اگر انسان اپنی علمی اور شعوری کاوشوں کے ذریعہ خیر وشر کا تعین اور دستور عمل تخلیق کرتا تو وہ انسانی علم وشعور کے ارتقائی عمل کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا چلا جاتا۔ ارتقاء کے مختلف ادوار میں مختلف فیصلے ہوتے۔ شر خیر میں اور خیر شر میں بدلتا رہتا۔ ہنگامی ضروریات اور اقتضاء وقت کے ساتھ عمل کی نوعیت اور طریقے بدلتے رہتے۔ یہ سب اس لئے ہوتا کہ انسانی علم وشعور نہ پہلے کامل تھا اور نہ کبھی کامل ہو سکے گا۔ خالق کائنات کا علم ہمیشہ کامل رہا ہے اور اس کی حکمت بے خطا اور لازوال رہی ہے۔ صرف وہی اپنی ہر مخلوق کی اصلیت۔ صلاحیت اور ضروریات سے واقف ہے۔ وہ اپنی مخلوق کو جتنا جانتا ہے اتنا کوئی بھی مخلوق اپنی ذات کو نہیں جانتی۔ رب کائنات نے جس طرح نظام کائنات ابدی اور مستقل نوعیت کا تخلیق کیا تھا اسی طرح نوع بشر کے لئے نا قابل تغیر ایسا نظام حیات بنا دیا جس نظام کے ہر جزو پر نوع بشر قیامت تک عمل کر سکتی ہے۔ اس نظام کے مطابق اولاد آدم کا ہر عمل انسان کے ہر شعوری اور مادّی دور ارتقاء میں بہترین اور مفید ترین نتائج کا حامل ثابت ہوگا۔

Marfat.com

Marfat.com

مبادیاتِ قرآن

قرآن کے معنیٰ

ماہرین لغات عربی۔ ابواسحٰق ابراہیم بن لسری (الزجاج) اور ابوالحسن علی بن حاز۔ بغوی (اللحیانی) وغیرہ نے لفظ قرآن کی اصل و معنیٰ پر طویل بحث کی ہے۔ قرآن مجید میں قرآن کا لفظ چھیاسٹھ بار مستعمل ہوا ہے۔ یہ لفظ سب سے قبل سورۃ المزمل کی آیت چار میں استعمال ہوا ہے اور بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ نزول وحی کے اعتبار سے سورۃ المزمل دوسری سورہ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نزول وحی کے ابتدائی دور میں ہی اس کتاب کا نام۔ قرآن۔ رکھ دیا تھا۔

بعض علمائے لغت نے لفظ قرآن کو مصدر قرار دیا ہے وہ۔ قَرَ اَیقَرَ اَ۔ کو قرآن کا مصدر قرار دیتے ہیں۔ قَرَ اَیقَرَ ا۔ کا مصدر تین طرح استعمال ہوتا ہے۔ (۱) قرءِ (۲) قِرَاءۃٌ (۳) قُران۔ یہ گرچہ متعدی فعل ہے لیکن کبھی تعدیہ کے لئے بھی اس کے ساتھ حرف۔ب۔ شامل کیا جاتا ہے مثلاً۔ قَرءالقُرانَ۔ کی بجائے۔ قَرَ اَبالقُرآن۔ بھی پڑھا جاتا ہے۔

بعض علماء لغت نے لفظ قرآن کو اسم مفعول قرار دیا ہے کیوں کہ۔ قَرَ اَ۔ کے لفظی معنیٰ پڑھنے اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑنے یا ملانے کے بھی ہیں۔ ایک حرف دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر بولا جائے تو اس عمل کو۔ قِرَاۃ۔ کہتے ہیں۔ بطور مفعول استعمال کی صورت میں قرآن کے معنیٰ و مطلب ہوں گے وہ کتاب جو پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو بکثرت پڑھی جاتی ہے اور پڑھنے کے عمل میں

Marfat.com

کتاب مفعول اور کتاب پڑھنے والا فاعل ہوتا ہے۔

علماء کی اکثریت نے لفظ قرآن کو مہموز یعنی ہمزہ کے ساتھ قرار دیا ہے جبکہ چند علماء لغت نے قرأن غیر مہموز قرار دیا ہے۔ وہ اس کا تلفظ۔ قران۔ کرتے ہیں اس صورت میں یہ لفظ۔ قرن الشئی بالشئی۔ سے ماخوذ ہوگا یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جمع کر دینا۔ قرآن کے مذکورہ معنیٰ میں استعمال کی یہ وجہ بتائی ہے کہ متن قرآن آیات کی صورت میں نازل ہوا اور ان آیات کو دوسری آیات کے ساتھ ملا کر سورہ کی شکل میں جمع کر دیا گیا۔ اس طرح یہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے کا عمل ہوا۔

ابوالحسن علی بن حاز۔ اللحیانی۔ اور دیگر علماء لغت کا دعویٰ ہے کہ لفظ۔ قران۔ مہموز اور مصدر ہے جو غفران کے وزن پر ہے۔ یہ۔ قرء۔ سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ پڑھنا ہے۔ چنانچہ سورۃ القیمٰہ آیات۔ ۱۷۔ ۱۸ میں ہے۔

ترجمہ۔ ہمارے ذمے ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھنا اور جب ہم اسے پڑھیں تو اس کی قرأت کا اتباع کریں۔

امام شافعی کا قول ہے کہ لفظ قرآن نہ تو مہموز ہے اور نہ ہی مشتق بلکہ یہ اس علم اور مجموعہ کلام کا اسم ذات ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوا۔ جس طرح اللہ کی طرف سے نازل کتب توراۃ اور انجیل کا نام ہے۔ اگر قرآن کو۔ قرائۃ۔ سے ماخوذ تسلیم کیا جائے تو ہر اس چیز کو قرآن کہا جائیگا جو چیز پڑھی جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ (حوالہ۔ لسان العرب)

سورۃ

عربی لغت میں سورہ کے معنیٰ بلند مرتبہ کے ہیں۔ اللہ کا کلام بلندی سے نازل ہوا اور کلام اللہ سے بلند کلام کوئی نہیں ہوسکتا اس لئے قرآن کے متن کو مختلف حصوں میں جمع کر کے اس کا نام سورۃ رکھ دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہر سورہ کا نام عنوان کی طرح اوپر درج ہوتا ہے اس لئے اسے سورہ کہنے لگے۔ یعنی HEADING۔

Marfat.com

اس لفظ کو مہموز یعنی ہمزہ کی حالت کے ساتھ ۔ سورۃ ۔ پڑھا جائے تو اس کے معنیٰ ہوں گے باقی ماندہ ٹکڑا یا جزو ۔ اس صورت میں سورہ کا مطلب یہ ہوگا کہ متن قرآن کا ایک جزو دوسرے اجزاء سے الگ کردیا گیا۔

سورتوں کی اقسام

جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں وہ مکی سورتیں کہلاتی ہیں اور جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی سورتیں کہلاتی ہیں ۔ مکی سورتوں کی تعداد چھیاسی (۸۶) اور مدنی سورتوں کی تعداد اٹھائیس ہے اس طرح قرآن کی کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں ان ایک سو چودہ سورتوں کو حسب ذیل چار اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) الطّوال : سورۃ البقرہ سے ۔ سورۃ الانفال تک کی سات طویل سورتوں کو ۔ الطّوال ۔ کہا جاتا ہے۔

(۲) المئین : جن سورتوں میں کم از کم سو آیات ہوں ان سورتوں کو مئین کہا گیا ہے ۔ ان کا حجم الطّوال سے کم ہوتا ہے۔

(۳) المثانی : جن سورتوں میں سو آیات سے کم ہوں انہیں المثانی کہا جاتا ہے ۔ یہ المئین سورتوں سے کم آیات رکھتی ہیں۔

(۴) المفصل : قرآن کی ساتویں منزل میں شامل سورۃ ۔ ق ۔ سے لے کر ۔ سورۃ ۔ الناس ۔ تک کی تمام چھوٹی سورتوں کو المفصل کہا جاتا ہے ۔ ان میں سورۃ ۔ الحجرات ۔ بھی شامل کی گئی ہے۔

قرآن کی تدوینی تقسیم

قرآن کے پورے متن کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ۔ ایسے ہر حصہ کو ۔ منزل ۔ کہا جاتا ہے ۔ اس طرح پورا قرآن سات منازل میں تقسیم ہے ۔ ہر منزل کی مزید تقسیم ہوئی ہے اس تقسیم کو رکوع کہتے ہیں ۔ رکوع کے معنی جھکنے اور خم کھانے کے ہیں۔

پہلی منزل ۔ سورہ فاتحہ سے شروع ہو کر سورۃ النساء پر ختم ہوتی ہے ۔ دوسری

Marfat.com

منزل سورۃ مائدہ سے شروع ہوکر سورۃ التوبہ پر ختم ہوتی ہے۔تیسری منزل سورۃ یونس سے شروع ہوکر سورۃ النحل پر ختم ہوتی ہے۔ چوتھی منزل سورۃ بنی اسرائیل سے شروع ہوکر سورۃ الفرقان پر ختم ہوتی ہے۔ پانچویں منزل سورۃ الشعراء سے شروع ہوکر سورۃ یٰسین پر ختم ہوتی ہے۔چھٹی منزل سورۃ والصفت سے شروع ہوکر سورۃ الحجر پر ختم ہوتی ہے۔ساتویں منزل سورۃ۔ق۔ سے شروع ہوکر سورۃ الناس پر ختم ہوتی ہے۔

صحابہ کرام روزانہ قرآن کی ایک منزل تلاوت کرتے تھے اس عمل یعنی قرآن کی ایک منزل تلاوت کو وہ۔حزب۔ کہتے تھے۔صحابہ نے قرآن کی ساتوں منازل کے نام یاد رکھنے کے لئے ایک مخفف لفظ۔فمی بشوق۔ بنالیا تھا اس لفظ کو ہر منزل کی پہلی سورۃ کے پہلے حرف کو ملاکر بنایا گیا تھا۔ چنانچہ۔سورۃ الفاتحہ کا پہلا لفظ۔ف۔سورۃ المائدہ کا پہلا لفظ۔م۔ سورۃ یونس کا پہلا لفظ۔ی۔ سورۃ بنی اسرائیل کی۔ب۔سورۃ الشعراء کا۔ش۔سورۃ و الصفت کا۔و۔اور سورۃ۔ق۔کا حرف۔ق۔انہیں ملا کر لفظ۔ فمی بشوق۔ بنالیا۔

قرآن کی تیس ٹکڑوں میں تقسیم عجمیوں نے کی تھی۔اس تقسیم کی بنیاد۔عرب۔اور عربی زبان سے عجمیوں کے تعصب اور دین اسلام پر عجمیوں اور ان کی زبان کو غالب کرنے کی تحریک پر مبنی تھی۔ پارسی زبان میں لفظ۔سی۔ کے معنی۔تیس۔ کے ہیں اور لفظ۔ پارہ۔ کے معنی ٹکڑے کے ہیں۔سی۔اور پارہ ان دولفظوں کے مرکب۔سی پارہ۔کا مطلب ہوا تیس ٹکڑے۔ یہ تقسیم نہ کوئی اصول رکھتی ہے اور نہ ہی افادیت۔قرآن کی اصل تقسیم سات حصوں میں کی گئی تھی جسے منزل کا نام دیا گیا۔صحابہ کرام۔تابعین اور تبع تابعین سب پابندی کے ساتھ روز ایک منزل قرآن کی تلاوت کرتے تھے اس طرح سات دن میں پورے قرآن کی تلاوت کرلیتے تھے۔ ہر ماہ چار بار قرآن کی تلاوت کے نتیجہ میں چند سال کے دوران ہی انہیں پورا قرآن یاد ہوجاتا تھا۔عجمیوں نے قرآن کے متن کو مہینہ کے تیس دن کی مناسبت سے تیس ٹکڑوں میں تقسیم کرڈالا اس طرح قرآن ایک ماہ میں چار بار کی بجائے صرف ایک بار ختم کرنے کا رواج پڑگیا۔آج اہل سنت کی مساجد میں بھی سی پارے رکھے ہوتے ہیں اور قرآن کی اس عجمی تقسیم کو بلا سوچے سمجھے قبول کرلیا گیا ہے۔

Marfat.com

آیات کی تعداد

مختلف علاقوں کے قاریوں نے اپنی قرأت کے مطابق قرآنی آیات کی تعداد مختلف شمار کی ہے۔جن علاقوں کے قاری قرآن کی بعض دو آیات کو ملا کر قرأت کرتے ہیں انہوں نے قرآن کی مجموعی آیات کی تعداد کم شمار کی ہے اور جن علاقوں کے قاریوں نے ایسا نہیں کیا انہوں نے مجموعی تعداد زیادہ شمار کی ہے۔ چنانچہ بصرہ کے قاریوں نے اپنی قرأت کے مطابق قرآن کی کل آیات (۶۶۰۴) شمار کی ہے۔شامی قاریوں نے (۶۶۲۵) مدینہ کے قاریوں نے (۶۶۲۱) اور کوفہ کے قاریوں نے (۶۶۳۹) آیات شمار کی ہیں۔ جبکہ بیشتر خطاط (۶۶۲۶) آیات پر متفق نظر آتے ہیں۔

چند علماء نے مضامین کے اعتبار سے بھی قرآنی آیات شمار کی ہیں۔ان کے تجزیہ کے مطابق قرآن میں۔ آیاتِ وعدہ۔ کی تعداد ایک ہزار۔ آیات وعید۔ کی تعداد ایک ہزار۔ آیاتِ امثال۔ ایک ہزار۔ آیاتِ قصص۔ ایک ہزار۔ آیاتِ امر۔ ایک ہزار۔ آیاتِ نہی۔ ایک ہزار۔ آیاتِ حلال۔ ڈھائی سو۔ آیاتِ حرام۔ ڈھائی سو۔ آیاتِ تسبیح۔ ایک سو۔ اور آیاتِ منسوخہ۔ چھیاسٹھ ہیں۔اس حساب سے قرآن کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) بنتی ہے۔بعض حضرات نے قرآن میں مستعمل الفاظ کا بھی شمار کیا ہے اور حروف کی تعداد کا بھی۔ان کے حساب سے پورے متن قرآن میں ستتر ہزار چار سو سینتیس (۷۷۴۳۷) الفاظ اور تین لاکھ تیئس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حروف استعمال ہوئے ہیں۔

اقسام وحی

وحی کے لغوی معنیٰ اشارہ کرنے اور چھپ کر چپکے سے بات کرنے کے ہیں۔ ایسا پیغام بھی اس میں شامل ہے جو پیغام اور اس کا پیغامبر دوسروں سے پوشیدہ رہے۔ اصطلاحاً اس کلام اور اشارہ کو وحی کہا جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء کو ملتا ہے۔قرآن میں اللہ جل شانہ نے نزول وحی کے تین طریقے بتائے ہیں۔سورۃ الشوریٰ آیۃ (۵۱) میں

ارشاد ہوا ہے۔

ترجمہ: بشر سے اللہ کا کلام کرنا ممکن نہیں سوائے وحی کے (ذریعہ سے) یا۔ پردے کے پیچھے سے۔ یا۔ ایک پیغامبر کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے اس کی مرضی کے مطابق اس پر وحی کرتا ہے۔

مذکورہ طریقوں میں سے صرف فرشتے کے ذریعے پیغام پہنچنے کا طریقہ وحی کتاب اللہ کے متن کے لئے مخصوص ہے اس طریقے سے جو وحی نازل ہوتی تھی وہ الہامی کتاب کا حصہ بن کر تلاوت کے لئے مخصوص ہو جاتی تھی اس لئے مذکورہ وحی کو اصطلاحاً۔ وحی متلو۔ یعنی تلاوت کی جانے والی وحی کہا جاتا ہے۔ دوسرے دونوں طریقوں سے نازل شدہ وحی سے صرف صاحب وحی واقف ہوتا ہے نہ اس وحی کے الفاظ کسی کو معلوم ہوتے ہیں اور نہ اس کی تلاوت کی جا سکتی ہے ایسی وحی کو اصطلاحاً۔ وحی غیر متلو۔ کہا جاتا ہے۔

کاتبانِ وحی

مستند احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے متن وحی کی کتابت کروا دیتے تھے اور یہ بھی بتا دیتے تھے کہ ان آیات کو کس سورہ میں کن آیات سے ملا کر لکھیں۔ محدثین نے جن اصحاب کرام کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کتابتِ وحی پر مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ (۲) حضرت عمر بن الخطابؓ (۳) حضرت عثمان بن عفانؓ (۴) حضرت علی بن ابو طالبؓ (۵) حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ (۶) حضرت زید بن ثابتؓ (۷) حضرت عامر بن فیرہؓ (۸) حضرت ثابت بن قیسؓ (۹) حضرت ابی بن کعبؓ (۱۰) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۱۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۱۲) حضرت عمر بن العاصؓ (۱۳) حضرت خالد بن ولیدؓ (۱۴) حضرت زبیر بن عوامؓ (۱۵) حضرت محمد بن مسلمؓ

(۱۶) حضرت یزید بن ابی سفیانؓ (۱۷) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ (۱۸) حضرت عبداللہ بن ارقمؓ (۱۹) حضرت سعید بن جبیرؓ (۲۰) حضرت جهم بن الصلت

قرآن کے صفاتی نام

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے لئے قرآن میں کئی صفاتی نام استعمال فرمائے ہیں ان میں سے ہم بائیس صفاتی نام اوران سورۃ اور آیات کا حوالہ درج کرتے ہیں جن سورتوں اور آیات میں متعلقہ نام استعمال کیا گیا ہے۔

شمار	صفاتی نام	سورہ	آیت	شمار	صفاتی نام	سورہ	آیت
۱	المبارک	الانعام	۱۵۵	۱۳	الذکر	الانبیاء	۵۰
۲	الحکیم	یٰسین	۱_۲	۱۴	کلام اللہ	التوبہ	۶
۳	المبین	یوسف	۱	۱۵	احسن الحدیث	الزمر	۲۳
۴	العربی	یوسف	۲	۱۶	ذکریٰ	ھود	۱۲۰
۵	المجید	ق	۱	۱۷	الحق	یونس	۱۰۸
۶	العزیز	حم السجدہ	۴۱	۱۸	التنزیل	الشعراء	۱۹۲
۷	النور	النساء	۱۷۴	۱۹	العلی	الزخرف	۴
۸	الموعظۃ	یونس	۵۷	۲۰	الشفاء	بنی اسرائیل	۸۲
۹	البرھان	النساء	۱۷۴	۲۱	المھیمن	المائدہ	۴۸
۱۰	الوحی	الانبیاء	۴۵	۲۲	المصدق	الانعام	۹۲
۱۱	الھدیٰ	البقرہ	۱۸۵				
۱۲	الرحمۃ	النمل	۷۷				

Marfat.com

Marfat.com

حروف مقطعات اور سبعۃ احرف

قرآن کے متعلق دو سوالوں پر علماء نے غور و تحقیق کے بعد اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ان سوالوں کا حتمی جواب کوئی نہیں دے سکا اور نہ ہی کسی جواب پر علماء متفق ہوئے ہیں۔ ان سوالات میں سے ایک سوال قرآن کی مختلف سورہ کے شروع میں حروف مقطعات سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا سوال رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی تشریح و تعبیر سے تعلق رکھتا ہے کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ ہم یہاں ان دونوں سوالوں اور ان سے متعلق علماء کی رائے پر الگ الگ روشنی ڈالتے ہیں۔

حروف مقطعات

قرآن کی انتیس سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے مثلاً الحمد کے بعد پہلی سورۃ البقرہ کا آغاز۔ الم۔ کے منقطع حروف سے ہوتا ہے۔ ایسی انتیس سورتوں میں۔ الم۔ المص۔ الر۔ کھیعص۔ طہ۔ یس۔ طس۔ طسم۔ حم۔ حمعسق۔ ق۔ ص۔ کے حروف مستعمل ہوئے ہیں۔ جو چودہ حروف تہجی منقطع صورت میں آئے ہیں۔ ان میں سے حرف۔ م۔ سترہ مرتبہ۔ حرف ل۔ تیرہ بار۔ حرف۔ ر۔ چھ مرتبہ۔ حرف ۔ح۔ سات بار۔ حرف ۔ک۔ ایک بار۔ حرف۔ ن۔ ایک بار۔ حروف۔ ع۔ ی۔ ہ۔ اور۔ ق۔ دو دو بار حرف ص۔ تین بار۔ حرف۔ ط۔ چار مرتبہ۔ حرف۔ س۔ پانچ بار اور حرف۔ ا۔ تیرہ بار۔ استعمال ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان منقطع حروف کا مطلب کیا ہے اور یہ کیوں استعمال کئے گئے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں مختلف علماء نے محض قیاس کی بناء پر بارہ جواب یا بارہ رائے دی ہیں۔ ان آراء کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

Marfat.com

۱۔ یہ حروف اللہ کے اسماء حسنہ سے تعلق رکھتے ہیں جیسے۔الر۔حٰم۔ن۔ان علیحدہ حروف کو اگر ملا دیا جائے تو۔الرحمٰن۔بن جائے گا جو اللہ کا نام ہے۔

۲۔ یہ حروف مخفف ہیں بعض بمعنیٰ کلمات کے۔مثلاً۔الم۔کا مطلب۔انا اللہ اعلم۔یعنی میں اللہ جانتا ہوں۔چنانچہ جب الم کو۔
۔
سے ملا کر پڑھا جائیگا تو اس کا مطلب ہوگا میں اللہ جانتا ہوں کہ اس کتاب کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں۔

۳۔ بعض علماء کا قول ہے کہ۔الم۔کے الف سے مراد اللہ۔لام سے مراد لطیف اور میم سے ماجد یا مجید مراد ہے اور یہ تینوں اللہ کے نام ہیں۔

۴۔ بعض نے الف سے مراد۔اللہ۔لام سے مراد۔لطف اللہ۔میم سے۔مجد اللہ۔لی ہے اور کھیعص۔کے ک کو۔کاف۔کا مخفف۔ھ۔کو ھادی۔کا۔ی۔کو یمین کا۔ع۔کو عزیز کا اور ص کو صادق کا مخفف بتایا ہے۔

۵۔ بعض نے۔الم۔سے مراد۔انا اللہ اعلم۔لی ہے اور المص۔سے مراد۔ان اللہ اعلم وافصل لی ہے اسی طرح۔الر۔کو۔انا اللہ اعلم وارٰی۔کا مخفف بتایا ہے۔

۶۔ بعض علماء نے ان حروف مقطعات کے استعمال میں یہ مصلحت بتائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل عرب کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ ان ہی حروف سے تمہارا کلام تشکیل پاتا ہے اور تم اپنے کلام میں یہی حروف استعمال کرتے ہو۔قرآن میں بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ رسول اللہ نے اسے بنایا ہے تو تم بھی ان ہی حروف کو استعمال کر کے اس جیسا کلام بنا لاؤ اگر تمہارے قبیلہ کا باشندہ ایسا کلام بنا سکتا ہے تو تمہارے قبائل میں بہت سے شاعر اور زباں داں موجود ہیں وہ بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں۔لیکن اگر تم ایسا کلام نہ بنا سکو اور یقیناً تم ایسا نہ کر سکو گے تو پھر یقین کر لینا کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں اللہ کا کلام ہے۔

۷۔ بعض نے ان حروف مقطعات کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اہل عرب کو یہ جتانا اور بتانا چاہتا تھا کہ قرآن بھی عام حروف سے مل کر بنا ہے اور

Marfat.com

ان تمام حروف کو اور ان سے مل کر بننے والے کلام کو تم خوب پہچانتے ہو یہ کوئی اجنبی زبان نہیں۔

۸۔ بعض نے کہا ہے کہ قریش مکہ قرآن سننے سے اعراض کرتے تھے اور مشرکین مکہ کو قرآن سننے سے روکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات استعمال کر کے انہیں تجسس میں مبتلا کیا تا کہ حروف مقطعات کا مطلب سمجھنے کے لئے مشرکین اس کلام کی طرف متوجہ ہوں۔

۹۔ بعض نے ان حروف مقطعات کے متعلق یہ سادی سی رائے دی کہ یہ سورتوں کے نام ہیں اور بس۔

۱۰۔ بعض علماء نے ان حروف کی ماہیت بتانے پر اکتفا کیا ہے اور وہ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں کہ یہ حروف متشابہات ہیں۔

۱۱۔ کچھ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان حروف کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو یہ جتایا ہے کہ تمہاری الہامی کتب بھی ان ہی حروف سے مرتب ہوئی ہے اس لئے قرآن اور دیگر الہامی کتب ہم اصل ہیں۔

۱۲۔ بعض نے کہا ہے کہ ان حروف کو بطور قسم استعمال کیا گیا ہے اور اللہ نے قسم کے طور پر قرآن میں یہ حروف استعمال کئے ہیں۔

درج بالا تمام آراء محض قیاسی ہیں ان آراء میں گہرائی نہیں پائی جاتی۔ یہ سب دور از کار اور لا حاصل باتیں ہیں۔ پورے قرآن میں صرف انتیس جگہ یہ بے معنیٰ لفظ اور حروف استعمال ہوئے ہیں جب کہ قرآن میں ستتر ہزار چار سو سینتیس (۷۷،۴۳۷) با معنیٰ کلمات اور تین لاکھ تیئس ہزار چھ سو اکہتر (۳،۲۳،۵۷۱) حروف استعمال ہوئے ہیں ان سب کو چھوڑ کر صرف انتیس بے معنیٰ الفاظ اور حروف کی عقدہ کشائی پر ذہن و عقل مرکوز کرنا خلاف عقل بات ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہماری عقل اور اطاعت کے مزاج کا امتحان لینے کے لئے ان حروف مقطعات کو قرآن میں استعمال کیا ہے شاید اللہ تعالیٰ یہ جاننا چاہتا ہو کہ قرآن کی واضح آیات کے بے کراں فیوض و حکمت کو چھوڑ کر چند مقفل الفاظ کی کرید میں کون کتنا مبتلا ہوتا ہے اور کون اپنے مالک کے لگائے ہوئے ان تالوں کو ہاتھ لگائے بغیر قرآن کے خزانوں کی

Marfat.com

طرف ہی مائل و مشغول رہتا ہے۔اس کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے آپ کا مالک آپ کو ایک وسیع و عریض محل جو انواع اقسام کی نعمتوں سے بھرا ہو، آپ کے سپرد کردے کہ آپ ان نعمتوں سے جتنا چاہیں مستفیض و مستفید ہوں۔اس محل میں ایک چھوٹی سے کوٹھڑی ایسی بھی ہو جس پر مالک نے تالا لگا دیا ہو۔آپ وسیع و عریض محل کی بے شمار نعمتوں کو چھوڑ کر اس کوٹھڑی کا تالا توڑنے لگیں۔ آپ کا یہ عمل یقیناً آپ کے مالک کے منشاء کے خلاف ہوگا اس نے تالا لگایا ہے اور آپ تالا توڑ رہے ہیں۔آپ کا ایسا کرنا آپ کی اوقات اور حدود سے آپ کا تجاوز کرنا تصور کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں ۔اسی عمل کو متشابہات کے پیچھے پڑنے کا عمل کہا جاتا ہے۔اللہ تبارک تعالیٰ نے جو کچھ ہمیں بتا دیا ہے وہ ہی ہمارے حق میں سب سے بہتر ہے اور جسے ہم سے مخفی رکھا اس کا مخفی رہنا ہی ہمارے حق میں مفید ہے۔

سبعۃ احرف

اس مسئلہ کی بنیاد ایک حدیث پر ہے اور علماء اس مسئلہ میں الجھے ہوئے اور غیر واضح نظر آتے ہیں۔الجامع صحیح بخاری میں ایک طویل روایت درج ہے جس میں ایک صحابی کے قرآن پڑھنے اور حضرت عمرؓ کی اس پر گرفت کرنے کا ذکر ہوا ہے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی اور حضرت عمرؓ دونوں کی قرات جو مختلف لحن میں تھی کو درست قرار دے کر فرمایا تھا۔انزل القرآن علی سبعۃ احرف فاقرءَ اما تیسر منہ۔یعنی قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تمہارے لئے جو طریقہ سہل ہو اس کے مطابق تلاوت کرو۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سات حروف سے کیا مراد ہے۔مختلف علماء نے ان سات حروف کی تفسیر و تشریح مختلف کی ہے ہم مختصراً اس مسئلہ میں علما کی آرا پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ سات حروف سے عرب کے وہ سات قبائل مراد ہیں جن کی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی مشہور و مسلّم تھی۔وہ سات قبائل یہ ہیں۔(۱) قریش (۲) بنوسعد (۳) بنوربیعہ (۴) بنوازد (۵) بنوھذیل (۶) بنوتمیم (۷) بنوھوازن۔ان سات قبائل میں بعض الفاظ کی ادائیگی اور لحن میں

کچھ فرق تھا لیکن ان ساتوں قبائل کی زبان مسلم اور پورے عرب میں سمجھی جاتی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان سات قبائل کی زبان ولحن میں قرآن کی قرات کی اجازت دے دی تھی۔

۲۔ دوسرے طبقہ علما نے سات حروف کو عرب کے مذکورہ سات قبائل کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے سات اصحاب کی قرات پر محمول کیا ہے۔ ان اصحاب کی قرات دیگر اصحاب کے مقابلہ میں بہت عمدہ اور دل نشیں تھیں ان سات قاری اصحاب کے نام یہ ہیں (۱) حضرت عثمانؓ بن عفان (۲) حضرت علیؓ بن ابی طالب (۳) حضرت ابیؓ بن کعب (۴) حضرت عبداللہؓ بن مسعود (۵) حضرت ابوالدرداؓ (۶) حضرت زیدؓ بن ثابت اور (۷) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔

۳۔ بعض حضرات نے سات حروف سے مراد جنت کے سات دروازے بتائے ہیں اور کہا ہے کہ جو شخص قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ قرآن کے سات اجزاء پر عمل بھی کرتا رہے تو اس کے لئے جنت کے ساتوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ سات اجزاء۔ امر۔ نہی۔ ترغیب۔ ترہیب۔ قصص۔ جدل اور امثال ہیں۔

(اس رائے کا قرآن کو سات لحن وانداز سے پڑھنے سے تعلق قائم نہیں ہوتا جب کہ حدیث میں اصل مسئلہ قراءت کے اختلاف کا تھا اور اس اختلاف کو جائز قرار دے کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے ان میں سے جو بھی تمہیں آسان لگے اسے اختیار کرلو۔ درج ذیل رائے بھی اسی قسم کی ہے)۔

۴۔ سبعۃ احرف سے مراد قرآن کے سات مضامین ہیں۔ یعنی (۱) واقعات وقصص (۲) اوامر (۳) نواہی (۴) توحید (۵) تعلیمات (۶) معاملات اور (۷) عبادات۔

۵۔ سات حروف پر قرآن کی قراءت کی اجازت دے کر رسول اللہ ﷺ نے ان مسلمانوں کے لئے سہولت پیدا کی ہے جو غیر عرب ہیں یا جن کے لحن میں بعض

Marfat.com

حروف کی صحیح ادائیگی ممکن نہیں ، اس قسم کی قدرتی مجبوری کو قرآن کی قراءت میں نزول قرآن کے دور میں بھی برداشت کیا گیا تھا۔

درج بالا تمام آراء سے کوئی واضح جواب حاصل نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی حدیث بھی موجود نہیں جس سے واضح ہو سکے کہ رسول اللہ ﷺ کی سات حروف سے مراد کیا تھی اور اگر وہ سات قراءت تھیں تو ان کے درمیان امتیاز کس طرح کیا جاتا تھا۔ قرآن کے متعلق یہ مسئلہ بھی ایسا ہی لا حاصل اور بے مقصد ہے جیسا کہ حروف مقطعات کا مسئلہ تھا۔ حروف مقطعات کا مسئلہ قرآن میں مستعمل حروف کی بنا پر پیدا ہوا اور سبعۃ احرف کا مسئلہ حدیث کی ایک روایت سے پیدا ہوا اور ان دونو مسئلوں کو مسئلہ ہمارے علما نے بنایا جب کہ ان امور پر غور نہ کرنا اور کچھ نہ کہنا زیادہ بہتر تھا۔ ایسی حدیث کو جمع اور تحریر کرنا بھی مستحسن عمل قرار نہیں دیا جا سکتا جس حدیث کا مطلب اور مقصد ہی کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔

Marfat.com

کتابتِ قرآن کے مخصوص ضابطے

ہر جامع زبان کی طرح عربی زبان کی بھی لغت موجود ہے اور الفاظ کے اخراج کے مطابق ان کی املا اور تحریر کا ضابطہ بھی مقرر ہے۔ کس حرف کی آواز کن حروف سے مل کر کیا ہوتی ہے اور کن الفاظ کو کس طرح اور کن حروف کے ساتھ لکھا جاتا ہے یہ ضابطہ بھی مقرر ہے۔ عربی کی کسی بھی کتاب میں املا اور کتابت کے ان مقررہ ضوابط سے انحراف نہیں کیا گیا۔ انحراف کی صورت میں ایسے انحراف کو کتابت اور املا کی غلطی قرار دیا جاتا ہے۔ عربی کی کتب میں صرف قرآن ایسی کتاب ہے جو املا اور کتابت کے عام ضوابط اور اصول سے آزاد بھی ہے اس کتاب کی کتابت اور بعض حروف کی املا کا اپنا الگ ضابطہ ہے۔ عام ضابطہ سے قرآن کی کتابت کی یہ بے نیازی گویا اللہ جل شانہ کی بے نیازی اور ہر قانون اور ہر ضابطہ سے اللہ کے مبرا اور آزاد ہونے کی شان وعظمت کا پرتو ہے جس طرح اللہ ہر قید اور ہر حد سے آزاد ہے ایسا ہی کلام اللہ بھی لغت اور کتابت کے قواعد وضوابط سے آزاد بھی ہے۔ قرآن کے کئی الفاظ کی املا منفرد انداز کی ہے بعض الفاظ کی کتابت مقررہ ضوابط کے خلاف ہے۔ عام قواعد وضوابط سے انحراف کی بنا پر قرآن کی کتابت کے خود اپنے اصول مرتب ہوگئے ہیں۔ یہ اصول صرف ان الفاظ کی کتابت سے تعلق رکھتے ہیں جن الفاظ کی کتابت قرآن میں بعض جگہ عام قاعدہ کے خلاف کی گئی ہے۔ جہاں قرآن کے متن کی کتابت عام قواعد کے مطابق ہوئی ہے وہاں ان مخصوص اصولوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کتابت قرآن کے معروف چھ قواعد یہ ہیں۔

(۱) حذف (۲) زیادۃ (۳) ھمزہ، (۴) بدل (۵) وصل (۶) فصل۔

ہم ان قواعد کی تشریح اور قرآن میں ان کی نظائر پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

حذف

کسی لفظ کے جو مقررہ حروف عام املا اور کتابت میں شامل ہوتے ہیں ان مقررہ حروف میں سے کسی حرف کو قرآن کی کتابت سے نکال دیا گیا ہو۔ اس عمل کو حذف کہتے ہیں اور جو حرف نکالا جائے اس حرف کو محذوف کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن میں الف حذف کر کے بسم اللہ لکھا گیا ہے جب کہ قرات میں الف پڑھا جاتا ہے۔ عام قاعدہ کے مطابق ان الفاظ کو الف کے ساتھ اس طرح لکھا جائے گا۔ باسم اللہ۔ اسی طرح فَیَقُولُ رَبِّیٓ اَکرَمَنِ۔ (الفجر۔۱۵) اور اُجِیبُ دَعوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (البقرہ۔ ۱۸۶) ان آیات میں اکرمنی۔ اور دعانی۔ کی بجائے۔ ی۔ حزف کر کے۔ اکرمن۔ اور دعان لکھا گیا ہے۔

یَومَ یَدعُ الدَّاعِ۔ (القمر۔٦)۔ یَمحُ اللّٰہُ البَاطِلَ۔ (الشوریٰ ۲۴) میں۔ یمح۔ اور یدع کے آخر میں حرف واو کو کتابت میں حذف کر دیا گیا۔ فَارھَبُونِ۔ (البقرۃ۔۴۰) فَاتَّقُونِ۔ (البقرۃ۔۱۴) واخشون (المائدہ۔۳) ان آیات میں۔ لفظ۔ نی۔ کے بجائے نی کے مخفف۔ نون پر اکتفا کیا گیا ہے۔ جبکہ عام کتابت کے مطابق۔ فارھبونی۔ فاتقونِی۔ لکھا جاتا۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے حکومت کی تصدیق اور سند کے ساتھ قرآن کے جو نسخے تمام بلاد اسلامی کی جامع مسجدوں میں رکھوائے تھے اور صرف ان نسخوں سے متن قرآن نقل کرنے کا حکم دیا تھا بعد کے تمام قلمی نسخے مذکورہ سرکاری نسخوں سے نقل و تیار کئے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے قرآن کا مذکورہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیق کے تیار کرائے ہوئے قلمی نسخے سے مرتب اور نقل کیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مذکورہ نسخہ ان اوراق سے نقل کروایا تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگرانی میں کتابت کروائے تھے اور ایسا ایک نسخہ مسجد نبوی میں استوانہ مصحف کے پاس دو چوبی دفیتوں کے درمیان صندوق میں محفوظ تھا حضرت ابو بکر صدیق نے رسول اللہ ﷺ کے کتابت کروائے ہوئے مصحف کے ہر لفظ اور حرف کو اُسی طرح نقل کروایا جس طرح جو لفظ اور جو حرف رسول اللہ ﷺ کے کتابت کرائے ہوئے نسخہ میں کتابت کیا گیا تھا۔ کتابت کا ایسا ہی اہتمام اور اتباع حضرت عثمانؓ نے کیا۔ اس کے بعد آج تک یہ اصول قائم رہا کہ قرآن کا جو لفظ اور جو حرف جس طرح مذکورہ ابتدائی نسخوں میں کتابت ہوا تھا وہ لفظ اور وہ حرف بالکل اسی طرح نئے نسخوں میں بھی کتابت کیا جائے۔ اس لئے متن قرآن کی کتابت میں حذف۔ وصل۔ فصل

Marfat.com

اور زیادۃ کی جو نظیریں ملتی ہیں وہ قرآن کی کتابت میں اتباع کی بنیاد پر آج تک قائم رہی ہیں۔

زیادت: جس طرح عام املا اور کتابت کے خلاف متن قرآن کی کتابت میں بعض الفاظ کے مقررہ حروف میں سے کوئی حرف خارج کر دیا گیا تھا اسی طرح عام املا اور کتابت کے خلاف قرآن کی کتابت میں بعض الفاظ کے مقررہ حروف میں کسی حرف کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے اس عمل کو زیادت کہا جاتا ہے۔اس کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سورۃ النمل (۲۱) میں ۔اذ۔ کے ساتھ الف کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۲۔ آل عمران (۱۵۸) اس آیت میں ۔الیَ۔ کا الف فاضل ہے۔

۳۔ سورۃ الاعراف (۱۴۵) اور سورۃ الانبیاء (۳۷) ان دونوں آیات میں لفظ ۔سا۔ کے بعد حرف ۔واو۔ اضافی ہے۔

بدل

لسان العربی میں ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے اور کسی لفظ میں کسی حرف کے حذف اور اضافہ کے ضوابط اور قواعد مقرر ہیں۔ان قواعد اور ضوابط کی عربی الفاظ کی املا اور کتا بت میں پابندی کی جاتی ہیں۔لیکن متن قرآن کی کتابت میں عربی زبان کے ان قواعد اور ضوابط سے انحراف بھی کیا گیا ہے اور حروف کی تبدیلی کے لئے اپنا الگ طریقہ اور ضابطہ بنالیا ہے۔ چناچہ قرآن میں بعض الفاظ کی کتابت اس طرح بھی کی گئی ہے جو قرات اور عام عربی کتابت سے مطابقت نہیں رکھتی۔مثلاً تلفظ کے اور عام طریقہ کتابت کے مطابق الصلاۃ۔الزکاۃ۔اورالربا۔کو الصلوٰۃ۔الزکوٰۃ۔اورالربوٰ۔نہیں لکھا جا سکتا لیکن قرآن میں ہر جگہ۔الصلوٰۃ۔الزکوٰۃ۔اورالربوٰ۔ ہی لکھا گیا ہے اس طرح عام قاعدہ کے خلاف ۔الف کو واو سے بدل دیا گیا ہے مفسرین نے ایسی تمام تبدیلیوں کے اسباب بیان کئے ہیں اور ان تبدیلیوں میں مستور حکمتوں کو بیان کیا ہے لیکن عر بی زبان کے قواعد اور ضوابط کے مطابق یہ عام قاعدہ کے خلاف ہے۔

وصل و فصل

عربی کے عام قاعدہ کے خلاف قرآن میں کہیں دو لفظوں کو ملا کر لکھا گیا ہے اور کہیں اُنہیں الگ الگ لکھا گیا ہے۔ جہاں دو لفظوں کو باہم ملا کر لکھا گیا ہے اس عمل کو وصل کہتے ہیں اور جہاں الگ الگ لکھا گیا ہے اُسے فصل کہا جاتا ہے۔ جو الفاظ ملا کر لکھ گئے ہوں انہیں ۔مَوْصُل۔اور جو الفاظ الگ الگ لکھے گئے ہوں انہیں ۔مقطوع۔ کہتے ہیں۔

قرآن میں لفظ بئس ۔مَا۔ کے ساتھ ملا کر موصل طریقہ پر ان تین آیات میں لکھا گیا ہے۔
سورۃ البقرۃ۔(۹۰) مااشتروا بہ انفسہم بئسما اشترا انفسہم سورۃ البقرۃ (۹۳)۔بئسمایامرکم بہ اسورۃ الاعراف (۱۵۰)۔بئسما خلفتمونی۔

ان آیات میں لفظ بئس ۔کو لفظ ۔مَا۔ کیساتھ ملا کر ۔بئسما لکھا گیا ہے جب کہ قرآن میں چھ مقام پر یہ دونوں لفظ الگ الگ بھی لکھے گئے ہیں۔اسی طرح لفظ ۔ان۔ اور ۔ما۔کو تین مقام پر الگ الگ لکھا گیا ہے۔

سورۃ الانعام (۱۳۴) انَ مَا توُعدون سورۃ الحج (۶۲) وان مایدعون
سورۃ لقمٰن (۳۰) وان مایدعون

ان تین آیات کے علاوہ پورے قرآن میں ۔ان اور ۔ما۔ کو ملا کر ۔انمَا۔لکھا گیا ہے۔قرآن میں وصل اور فصل کے اور بھی نظائر ہیں۔مثلاً لفظ۔فی۔اور ما۔کو قرآن میں گیارہ جگہ ملا کر لکھا گیا ہے باقی تمام جگہ الگ الگ لکھا گیا ہے۔قدیم نسخہء قرآن میں جہاں بھی الفاظ کی کتابت وصل کی صورت میں کی گئی تھی وہاں بعد کے تمام کاتبوں نے بھی ان الفاظ کو وصل کی صورت میں ہی نقل کیا ہے اور جہاں فصل کی صورت اختیار کی گئی تھی وہاں بھی بعد کے کاتبوں نے فصل کی صورت ہی اختیار کی ہے۔مسلمانوں نے کتابت میں ہمیشہ اتباع کو قائم رکھا اور جو لفظ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لکھا گیا تھا وہ لفظ آج بھی اسی طرح کتابت کیا جاتا ہے۔احتیاط کا یہ عالم رہا ہے کہ قرآن میں جہاں حرف ۔ت۔ مدور صورت (ۃ) میں لکھی گئی تھی وہاں مدور صورت میں آج بھی لکھی جاتی ہے اور جہاں مبسوط صورت میں (ت) لکھی گئی تھی وہاں آج بھی مبسوط صورت میں ہی لکھی جاتی ہے جبکہ ۔ت۔ کی ان دونوں صورتوں سے معنیٰ اور مطالب میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس طرح قرآن مجید کا لکھنا قرآنی رسم الخط کہلایا جس میں اولین کتابت قرآن کا مکمل طور پر اتباع کیا گیا ہے۔قرآن مجید لکھنے والے کاتب بھی خاص ہوتے ہیں جو اس کی کتابت کے رموز سے واقف ہوتے اور قدیم کتابت کا پورا اتباع کرتے ہیں۔

❁

ناسخ و منسوخ آیات

قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق کا کلام نہیں۔ اس دعوے کے حق میں اللہ نے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ اگر قرآن کسی مخلوق کا کلام ہوتا تو اس کلام میں بہت سے تضاد ہوتے۔ یہاں بہت سے تضاد ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو بہت سے تضاد ہوتے اللہ کا کلام ہے اس لیے کلام اللہ میں کم تضادات ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ کا کلام ہے اس لیے اس کلام میں کہیں بھی تضاد موجود نہیں۔ بیان میں تضاد نہ صرف کلام کا نقص ہوتا ہے بلکہ یہ صاحب کلام کی صلاحیت کا نقص بھی ظاہر کرتا ہے جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر قسم کے نقص اور ضعف سے پاک ہے۔

اللہ عالم الغیب، حکیم کامل اور جامع الصفات ہے۔ اس کی ذات سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک مسئلہ اور معاملہ میں کبھی کچھ کہے اور کبھی کچھ۔ کبھی ایک حکم دے اور کبھی اس حکم سے معارض دوسرا حکم دے دے۔ ایسے ناقص خدا کا تصور یہود اور امامیہ فرقہ میں پایا جاتا ہے۔ ان کے خدا کو 'بدا' ہوتا ہے یعنی بعض امور کا علم ان کے خدا کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ واقع ہو جاتے ہیں اور بعض معاملات میں ان کا خدا مغالطہ میں بھی پڑ جاتا ہے۔ اسلام ایسے خدا کے تصور کو رد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر لاعلمی اور ہر نقص و ضعف سے مبرا اور پاک قرار دیتا ہے۔ قرآن میں ناسخ اور منسوخ آیات کے وجود کو اسی صورت میں ہی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ہم (نعوذ باللہ) اللہ کے علم، اس کی حکمت اور اس کی قوت فیصلہ کو ناقص سمجھ لیں۔ قرآن میں ناسخ و منسوخ آیات کے خلاف یہ دلیل سب سے زیادہ واضح اور مضبوط ہے۔ اس بحث میں پڑنا بیکار ہے کہ کون سی آیت کون سی آیت کو منسوخ کرتی ہے یا نہیں کرتی۔ اس نظریہ اور دعوے کو کلیتاً باطل قرار دینے کے لیے یہ دلیل

Marfat.com

ہی کافی ہے کہ اگر قرآن کی کسی آیت کو منسوخ اور دوسری آیت کو ناسخ تسلیم کیا گیا تو یہ کلام اور فیصلہ کا نقص ہوگا۔ یہ نقص اللہ تبارک وتعالیٰ سے وابستہ ہو جائے گا اور اللہ کو کسی نقص سے وابستہ کرنا اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے۔

بعض علماء نے محض اپنے نقص فہم کی بنا پر قرآن میں کم وبیش ایسی ساٹھ آیات کی نشان دہی کی ہے جو قرآن کی دوسری ساٹھ آیات سے منسوخ ہوگئیں یا ان میں باہم تضاد و تعرض پیدا ہو گیا۔ یہ کلیہ ہے کہ کلام کا منشا اور مفہوم اس کے موقع ومحل کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے۔ مذکورہ علماء نے جن آیات کو منسوخ اور جنہیں ناسخ قرار دیا ہے ان میں سے بیشتر ناسخ ومنسوخ آیات دو مختلف موضوع سے تعلق رکھتی ہیں یا ان میں باہمی تعرض و اختلاف کا قرینہ پیدا نہیں ہوتا مثلاً سورۃ النساء کی آیت ۱۵ میں کہا گیا ہے کہ:

ترجمہ: تمہاری جو عورتیں فحاشی کا ارتکاب کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ پیش کرو۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں بند کردو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ نکال دے۔

سورۃ النور کی آیت ۲۰ میں یہ ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: زنا عورت کرے یا مرد دونوں کو سو دُرّے مارو۔

ان دونوں آیات کو زنا کے متعلق سمجھ کر یہ کہہ دیا گیا کہ ایک جگہ زنا کی سزا سو کوڑے مارنا قرار دی گئی ہے اور دوسری جگہ تاحیات گھر میں بند کردینے کی سزا تجویز کی گئی ہے۔ اس طرح یہ دونوں آیات ایک دوسرے کی نقیض اور مخالف ہیں۔ ان میں سے ایک منسوخ اور دوسری ناسخ ہے۔ یہ غلط فہمی سورۃ النساء آیت ۱۱۴ میں مستعمل لفظ الفاحشہ سے ہوئی ہے۔ فاحشہ کو زنا تصور کرلیا گیا جبکہ فواحش بے حیائی کی حرکات اور باتوں کو کہا جاتا ہے۔ اگر فاحشہ کا مطلب زنا ہوتا تو زنا کا عمل مرد کے بغیر کوئی عورت نہیں کرسکتی۔ اس صورت میں عورت کے ساتھ مرد کو بھی سزا میں شریک کیا جاتا اور اسے بھی گھر میں بند کردینے کا حکم دیا جاتا لیکن فحاشی کا مطلب زنا نہیں ہے بلکہ بے حیائی کی حرکات اور باتوں پر فحاشی کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہ سزا صرف ایسی عورتوں کے لیے ہے جو نامحرموں کے سامنے بے حجاب آتی

Marfat.com

ہوں، فحش گفتگو کرتی ہوں، اپنے نسوانی اعضاء کو چھپانے کی بجائے ان کی ملبوس نمائش کرتی ہوں، مختلف مردوں سے آنکھ لڑاتی اور معاشقہ بازی کرتی ہوں اور اپنی حرکات سے لوگوں کے شہوانی جذبات کو ابھارنے کی کوشش کرتی ہوں گرچہ جنسی اختلاط سے گریز کرتی ہوں۔ ایسی عورتوں کے خلاف خاص طور پر اپنوں میں سے چار گواہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ زنا کے ثبوت کے لیے اپنوں میں سے گواہی لانے کی شرط نہیں لگائی گئی بلکہ چار عینی گواہ کی شرط لگائی گئی ہے۔ اگر کوئی عورت زنا کا ارتکاب کر بیٹھے گی تو اسے گھر میں بند نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے سو درّے مارے جائیں گے۔ اس وضاحت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مذکورہ دونوں آیات کا تعلق دو الگ الگ نوعیت کے گناہ سے ہے۔ اس لیے ان میں باہمی تضاد ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔ اسی طرح دیگر آیات کے متعلق بھی مغالطہ ہوا ہے۔ علماء نے ایسی تمام ناسخ و منسوخ آیات کا ایک ایک کر کے رد پیش کر دیا ہے۔ اس لیے قرآن کی نہ کوئی آیت منسوخ ہوئی نہ ہی کوئی ناسخ آیت قرآن میں موجود ہے۔

امام التاویلات اور عدو المعجزات مسٹر غلام محمد پرویز کے ایک قدر دان نے ناسخ و منسوخ آیات کے موضوع پر پانچ کلو وزنی ایک کتاب تالیف فرمائی ہے۔ اس میں بظاہر تین سو اکتیس منسوخ آیات پر بحث کی گئی ہے لیکن فی الحقیقت اس کتاب کا اصل موضوع پرویزی ذہن کے مطابق رد معجزات و روایات ہے۔ راقم نے مختلف مکاتب فکر کا جس قدر مطالعہ کیا ہے ان میں ایک گمراہی کی بات مشترک پائی ہے کہ الا ماشاء اللہ بیشتر مکاتب فکر کے علماء کسی نہ کسی مسئلہ میں افراط یا تفریط کا شکار ہو گئے ہیں جبکہ اصابت رائے اور تحقیق کا تقاضا ہے کہ محقق حد اعتدال پر قائم رہے اور کسی قسم کی فکری عصبیت کو ذہن میں داخل نہ ہونے دے۔ یہ افراط اور تفریط کی راہ اختیار کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک طرف انتہا پسند محدثین نے حدیث نبوی ﷺ کو قرآن کا ناسخ قرار دے کر قرآن کو حدیث کا تابع مہمل بنا ڈالا اور دوسری طرف پرویزی گروہ کی طرح منکرین حدیث کا طبقہ پید ہو گیا جو امور شرعیہ کے تعین میں حدیث نبوی کو حجت تسلیم نہیں کرتا۔ ایک طرف بدعتی علماء نے رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناضر اور مافوق البشر قرار دے کر آپ سے ایسی خرق عادات روایات منسوب کر دیں جن کی اصل جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری طرف ایسا طبقہ پیدا ہو گیا جس نے

قرآن میں مذکور معجزات کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور عربی الفاظ کی معنوی کثرت اور تخیلات کی جولانی سے کام لے کر ایسی دورازکار تاویلات گھڑ ڈالیں جنہیں جدت پسند اور ناپختہ ذہن تو شاید قبول کر لے لیکن دین کا شعور رکھنے والا متوازن ذہن کا کوئی بھی شخص قبول نہیں کر سکتا۔

قدما میں معتزلہ کے طبقہ نے جس کے بانی یہود کے فریسی فرقہ کے نومسلم تھے انہوں نے اسلام میں یونانی منطق پر مبنی کئی فکری سراب تخلیق کیے تھے۔ اس گروہ کے بھی کچھ لوگ معجزات کے منکر تھے۔ جو لوگ معجزات کا انکار کرتے ہیں وہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ اور اس کی قدرت کاملہ کا صحیح تصور نہیں رکھتے۔ لامذہب فلسفیوں نے بھی اقتدار اعلیٰ کی تعریف یہ کی ہے کہ ایسے اعلیٰ اقتدار کا مالک مقتدر اعلیٰ قرار دیا جا سکتا ہے جس کے اقتدار سے بالاتر کسی کا بھی اقتدار نہ ہو۔ جو اپنے منشا، حکم اور قانون کی پابندی بلا استثنیٰ ہر ایک سے کروا سکتا ہو لیکن وہ خود کسی کے حکم، منشا اور قانون کا پابند نہ ہو حتیٰ کہ خود اس کے بنائے ہوئے ضابطے اور قانون کی پابندی بھی اس پر عائد نہ ہوتی ہو۔ ظاہر ہے جس ذات پر کسی بھی قسم کی پابندی عائد کی جا سکے وہ ذات مقتدر اعلیٰ نہیں ہو سکتی۔ مقتدر اعلیٰ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی قدرت اور طاقت کو جس طرح اور جب بھی چاہے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکے۔ مثلاً سورج کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ بے پناہ حرارت اور روشنی پیدا اور ترسیل کرتا ہے لیکن اسے یہ قدرت حاصل نہیں کہ وہ حرارت اور روشنی پیدا کرنا بند کر دے۔ اس کے برعکس خالق کائنات اپنی لامحدود قدرت کو جب بھی جس طرح چاہے اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہے۔ کائنات اور اس کا نظام اللہ کے منشا کا پابند ہے۔ اللہ کائنات اور اس کے نظام کا پابند نہیں۔ اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نوع بشر کو معجزات دکھائے ہیں تاکہ اولاد آدم کو یقین آ جائے کہ اللہ نظام قدرت اور قانون فطرت کو جاری رکھتے ہوئے بھی اس نظام اور قانون کے خلاف بھی عمل اور نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

سرسید احمد خان وغیرہ سائنس دانوں کے اس طبقہ سے متاثر تھے جن کی یہ توجیہہ تھی کہ یہ کائنات حادثاتی طور پر خود بخود وجود میں آ گئی اور نظام کائنات خود بخود بتدریج

قائم ہوتا چلا گیا۔ اس توجیہہ کو اب بیشتر سائنس دان تسلیم نہیں کرتے اور وہ کائنات کے ایک ایسے خالق کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں جس نے کمال حکمت اور بے مثل منصوبہ بندی کے ساتھ اس کائنات کو تخلیق کیا اور کائنات کی ہر شے کے لیے متعدد نظام کارمرتب کیے۔ الہامی مذاہب بھی خالق کائنات کے اس تصور کو ہی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ بھی انتہا پسندی کی دلیل ہے کہ آپ ایسے عظیم الشان خالق اور قادر کو اس کی مخلوق اور اس کے تخلیق کردہ قانون کا تابع اور محتاج کردیں۔ اللہ جل شانہ جو چاہتا ہے وہ کردیتا ہے اس کا منشا و عمل ہر قید سے آزاد ہے۔ جن حضرات نے معجزات سے متعلق کلام ربانی کو تاویلات کے ذریعہ غیر معجزاتی ثابت کرنے کی کاوش کی ہے انہوں نے ایسی تمام آیات کو گویا منسوخ کردیا اور اپنی رائے کو ان آیات کا ناسخ بنادیا۔ یہی حالت ان انتہا پسند محدثین کی ہے جو حدیث نبوی کو نصوص قرآنی کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔ فی الحقیقت قرآن کی کوئی بھی آیت قرآن کی کسی دوسری آیت سے منسوخ ہوئی ہے اور نہ ہی وحی غیر متلو سے۔ اس لیے قرآن میں نہ کوئی ناسخ آیت ہے نہ منسوخ۔

Marfat.com

Marfat.com

باب دوم

نزولِ وحی اور

جمع وتدوینِ متنِ قرآن

Marfat.com

Marfat.com

آغازِ نزولِ قرآن

اس امر پر بیشتر علماء کا اتفاق ہے کہ نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان المبارک میں ہوا۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر اکتالیس سال تھی۔ رمضان کی کس تاریخ کو نزول قرآن کا آغاز ہوا اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ قرآن کی سورۃ القدر میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ قرآن کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا لیکن یہ ذکر نہیں کہ لیلۃ القدر رمضان کی کس تاریخ میں واقع ہے۔ سورۃ القدر کی متعلقہ آیت کا متن یہ ہے۔

یہی مضمون سورۃ الدُّخَان کی آیت (۳) میں بھی بیان ہوا ہے

یعنی ہم نے اس کو برکت والی رات میں نازل کیا۔ سورۃ البقرہ کی آیت (۱۸۵) میں بھی ماہ رمضان میں نزول قرآن کی ان الفاظ میں تصدیق کی گئی ہے۔

ترجمہ: ماہ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا (جو) لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت دینے والی (دوسری کتب الہامی میں) واضح الدلائل ہے (حق و باطل) میں فرق قائم کرنے والی ہے۔ ان تمام آیات سے صرف یہ تصدیق ہوتی ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا لیکن ان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ رمضان کی کس تاریخ کو نازل ہوا اور یہ کہ کیا

Marfat.com

پورا قرآن ایک ہی رات یا ایک ہی ماہ میں نازل ہوا یا مختلف ماہ وسال میں جستہ جستہ نازل ہوا۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ تھا آپ نے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کرنے کی ہدایت کی تھی۔ یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی لیکن یہ ممکن ہے کہ حضور کو وہ تاریخ یا دن یاد نہ رہا ہو یا آپ اس تاریخ کا تعین نہ کر سکے ہوں جب پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مہینہ کی تاریخوں کا اس قدر عام استعمال نہ تھا جس طرح آج کل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ وسال اور دن اور تاریخ سے بے نیاز ہو کر غار حرا میں تنہا محو عبادت رہتے تھے اس استغراق کی حالت میں آپ کو تاریخیں یاد رکھنے کی نہ تو ضرورت تھی اور نہ آپ کو تاریخیں یاد رہیں۔

علاوہ ازیں قرآن میں نزول قرآن کا وقت رات کا بتایا جاتا ہے جبکہ احادیث کی روایات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ غار حرا میں پہلی وحی دن کے کسی حصے میں نازل ہوئی تھی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خوف ودہشت کے عالم میں غار حرا سے اتر کر اپنے گھر تشریف لے آئے اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے فرمایا کہ مجھے چادر اڑھا دو۔ اگر وقت کا یہ اختلاف درست ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غار حرا میں نازل ہونے والی وحی اور لیلۃ القدر میں قرآن نازل ہونے کا مطلب مختلف ہے ممکن ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے لیلۃ القدر میں پورا قرآن لوح محفوظ میں محفوظ فرما کر اس کا کچھ حصہ اسی شب رسول اللہ ﷺ پر نازل فرما دیا ہو۔ یہ امر خلاف واقعہ ہے کہ قرآن کا پورا متن لیلۃ القدر یا یوم بدر میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی چھیاسی (۸۶) سورتیں اور مدینہ کی (۲۸) اٹھائیس سورتیں قریباً تئیس سال میں جستہ جستہ نازل ہوئی تھیں۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ القدر میں انا انزلنہ فی لیلۃ القدر اور سورۃ البقرہ میں شھر رمضان۔ الذی انزل فیہ القران۔ کا مطلب پورے

Marfat.com

قرآن کا نزول ہے یا قرآن کے کچھ حصہ کے نزول کو مجازاً قرآن کا نزول کہا ہے مثلاً آپ قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر کہتے ہیں یہ قرآن ہے۔ آپ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں جو بات کہی گئی ہے وہ قرآن کا حصہ ہے اس لیے حتمی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات کے نزول کو بھی قرآن کا نزول قرار دیا ہو۔ بعض علماء نے محض قیاس کی بنیاد پر یہ مفروضہ پیش کیا ہے کہ لیلۃ القدر میں اللہ نے پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیاء پر اتارا۔ جس مقام پر پورا متن قرآن اتارا گیا اس جگہ کو بیت العزۃ کہتے ہیں۔ بیت العزۃ سے حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا متن قرآن رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ علماء کا یہ مفروضہ قرآن کی کوئی سند نہیں رکھتا۔ قرآن میں نہ بیت العزۃ کا ذکر ہے اور نہ ہی لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن کے نزول کا۔ قرآن میں لوح محفوظ کا ذکر ضرور ہے لیکن اس ضمن میں نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی عظمت ظاہر فرمانے کے لئے فرمایا ہے کہ ہم نے متن قرآن ۔لوح۔ میں محفوظ کیا ہے۔ اس ارشاد باری سے ذہن میں یہ نکتہ ابھرتا ہے کہ جو مسلمان قرآن کی تلاوت کرتا ہے وہ گویا لوح محفوظ میں درج متن کی تلاوت کرتا ہے اس طرح مسلمانوں کے لئے قرآن کے طفیل عالم بالا میں موجود ۔لوح۔ کی عبارت پڑھنا ممکن ہوگیا۔

بعض علماء نے نزول قرآن کی تاریخ سترہ رمضان بتائی ہے ان کا یہ دعویٰ قرآن کی اس آیت پر مبنی ہے۔

ترجمہ: اگر تم اللہ پر اور اس (کتاب) پر ایمان لائے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اُس دن نازل کی جس دن (حق و باطل) الگ الگ ہوگئے اور جس دن دو جماعتیں (لڑنے کے لئے) جمع ہوئیں۔

مفسرین نے یوم التقی الجمعان کا مطلب یوم بدر بتایا ہے اور غزوۂ بدر سترہ

رمضان کو ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر بھی وحی نازل ہوئی تھی لیکن پورا قرآن نازل نہیں ہوا۔ راقم کا خیال ہے کہ نزول قرآن کے متعلق ان تمام آیات کا مقصد ماہ رمضان کی اہمیت اور احترام کو ظاہر کرنا ہے۔ اس ماہ کی ایک رات کو ہزار ماہ سے افضل قرار دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس قدر کی رات کی عبادت ایک ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے۔ یہ سب اللہ کی عنایات کا اظہار ہے اس اظہار سے یہ بحث شروع کرنا بے سود ہے کہ لیلۃ القدر یا رمضان میں پورا قرآن نازل ہوا یا اس کا کچھ حصہ نازل ہوا۔ جس بات کی وضاحت کرنا اللہ تعالیٰ نے مناسب نہیں سمجھا اس بات کا کھوج نکالنا اور قیاس آرائیاں کرنا منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔ شریعت کی تکمیل یا مسلمانوں کے ایمان وعمل میں اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نزول قرآن کا آغاز کس تاریخ کو ہوا تھا یا مذکورہ آیات پورے قرآن کے نزول کو ظاہر کرتی ہیں یا کسی جزو کے نزول کو بہر صورت قرآن نازل ہو گیا اس کا متن مدون اور محفوظ ہو گیا ایمان وعمل کے لئے جس کتاب کی ضرورت تھی وہ بحمد اللہ ہمارے پاس موجود ہے اور بلا کسی تحریف وتغیر موجود ہے۔ ہماری توجہ غیر ضروری اور لا حاصل بحث کی بجائے احکام قرآن کو سمجھنے اور ان کی تعمیل کرنے پر مرکوز ہونی چاہئے ۔ یہی اس کتاب کے نزول کا مقصد اصلی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

Marfat.com

نزولِ وحی

ائمہ حدیث اس امر پر متفق ہیں کہ نزول قرآن کا آغاز اور پہلی وحی کا نزول جبل نور کے غار حرا میں ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی جو نازل ہوئی تھی وہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات پر مشتمل تھی۔ اس طرح قرآن کا آغاز گویا پڑھنے کے حکم سے ہوا۔

پہلی وحی کے بعد دوسری وحی کب اور کہاں نازل ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ اختلاف روایات کے باعث پہلی اور دوسری وحی کے درمیان چند ہفتوں سے لے کر ڈھائی سال کا وقفہ بتایا جاتا ہے۔ اس وقفہ کے دور کو اصطلاحاً۔ فترتِ وحی۔ کہا جاتا ہے۔ دوسری وحی کے متعلق بھی اختلاف ہے کچھ نے سورۃ القلم کو اور کچھ نے سورۃ المدثر کو دوسری وحی قرار دیا ہے۔ اس کے بعد نزول وحی کی ترتیب کے متعلق اختلاف بڑھتا جاتا ہے بعض ایک سورہ یا آیت کو مسبوق قرار دیتے ہیں اور بعض دوسری کو اس لئے نزول وحی کی کسی بھی ترتیب کو یقینی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نزول کے اعتبار سے جو آیات مکہ میں نازل ہوئیں انہیں مکی سورہ میں اور مدینہ میں نازل شدہ آیات کو مدنی سورہ میں جمع کیا گیا ہے۔ لیکن ایسی بھی آیات ہیں جو نہ مکہ میں نازل ہوئیں اور نہ مدینہ میں ایسی آیات کے لئے یہ اصول مرتب کر لیا گیا کہ جو آیات ہجرت سے قبل نازل ہوئیں انہیں مکی سورتوں میں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں انہیں مدنی سورتوں میں شامل سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں یوم عرفہ جو مشہور خطبہ رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا اور اس خطبہ کے بعد میدان عرفات میں سورۃ المائدہ کی جو تیسری آیت

Marfat.com

اس آیت کو مقام نزول کے اعتبار سے مکی قرار دیا جانا چاہئے تھا لیکن اسے مدنی سورۃ المائدہ میں شامل کیا گیا ہے۔ ایسی آٹھ آیات ہیں جو مدینہ منورہ سے باہر نازل ہوئیں لیکن انہیں مدنی سورہ میں ہی داخل کیا گیا۔ اس ترتیب میں ایک استثنیٰ بھی ہے وہ یہ کہ پینتیس مکی سورتوں کو چند ایسی آیات شامل کر کے مکمل کیا گیا جو آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ مدینہ میں نازل ہونے والی ایسی آیات جو اپنی سورۃ کی دیگر آیات کے نزول کے دس پندرہ سال بعد نازل ہوئی تھیں وہ بھی مکی سورہ کی آیات شمار ہوئیں۔ تدوین کی یہ ایسی غیر معمولی صورت ہے جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا اور کوئی اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ اور اللہ کے رسول ﷺ بھی اللہ کے حکم کے بغیر ایسا غیر معمولی قدم نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کی تدوین کا عمل صرف احکام اور منشاء الٰہی کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے انجام دیا تھا۔

سورہ کی ترتیبِ نزول

نزولِ وحی کی ترتیب کے مطابق بھی سورۃ کو مرتب کیا گیا ہے۔ اس ترتیب کا مدار روایات پر ہے اور اکثر محدثین نے مفسرین کی روایات کو بھی اپنی کتب میں شامل کرلیا ہے جبکہ مفسرین کی روایات زیادہ معتبر نہیں ہوتیں۔ زیادہ تر ابن عباس کی تفسیر میں مختلف آیات کا شان نزول تحریر کیا گیا ہے لیکن ان روایات کی اسناد کے متعلق ہی نہیں بلکہ خود تفسیر ابن عباس کے متعلق بھی شک کیا گیا ہے کہ یہ تفسیر ابن عباس سے منسوب کر کے کسی اور نے تحریر کی ہے۔ بہر نوع نزول کی ترتیب کی بنیاد پر آیات اور سورہ کی ترتیب میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے درج ذیل ترتیب بھی مستند قرار نہیں دی جاسکتی۔

مکی سورتوں کی ترتیب نزول:

(۱) سورۃ العلق	(۲) القلم	(۳) المزمل	(۴) المدثر
(۵) الفاتحہ	(۶) اللھب	(۷) التکویر	(۸) الاعلیٰ
(۹) اللیل	(۱۰) الفجر	(۱۱) الضحیٰ	(۱۲) الانشراح
(۱۳) العصر	(۱۴) العدیٰت	(۱۵) الکوثر	(۱۶) التکاثر

Marfat.com

(۱۷)الماعون (۱۸)الکافرون (۱۹)الفیل (۲۰)الفلق

(۲۱)الناس (۲۲)الاخلاص (۲۳)النجم (۲۴)عبس

(۲۵)القدر (۲۶)الشمس (۲۷)البروج (۲۸)التین

(۲۹)القریش (۳۰)القارعہ (۳۱)القیمٰہ (۳۲)الھمزہ

(۳۳)المرسلٰت (۳۴)ق۔ (۳۵)القدر (۳۶)الطارق

(۳۷)القمر (۳۸)ص۔ (۳۹)الاعراف (۴۰)الجن

(۴۱)یٰسین (۴۲)الفرقان (۴۳)الفاطر (۴۴)المریم

(۴۵)طٰہ (۴۶)الواقعۃ (۴۷)الشعراء (۴۸)النمل

(۴۹)القصص (۵۰)بنی اسرائیل (۵۱)یونس (۵۲)ھود

(۵۳)یوسف (۵۴)الحجر (۵۵)الانعام (۵۶)الصٰفٰت

(۵۷)لقمٰن (۵۸)سباء (۵۹)الزمر (۶۰)المومن

(۶۱)حٰم السجدہ (۶۲)الشوریٰ (۶۳)الزخرف (۶۴)الدخان

(۶۵)الجاثیہ (۶۶)الاحقاف (۶۷)الذاریات (۶۸)الغاشیہ

(۶۹)الکہف (۷۰)النحل (۷۱)النوح (۷۲)ابراہیم

(۷۳)الانبیاء (۷۴)المومنون (۷۵)السجدۃ (۷۶)الطور

(۷۷)الملک (۷۸)الحاقۃ (۷۹)المعارج (۸۰)النبا

(۸۱)النازعات (۸۲)الانفطار (۸۳)الانشقاق (۸۴)الروم

(۸۵)العنکبوت (۸۶)المطففین

پینتیس مکی سورتوں میں ایسی آیات بھی شامل ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں نازل نہیں ہوئیں بلکہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اور انہیں درج ذیل مکی سورتوں میں شامل کر دیا گیا۔

(۱) سورۃ القلم۔ اس سورہ کی آیات ۱۷ تا ۳۳۔ اور۔ ۴۸ تا ۵۰ مدینہ میں نازل ہوئی تھیں

(۲) سورۃ المزمل۔ آیات ۱۰۔۱۱۔۲۰ مدینہ میں نازل ہوئیں۔

(۳) سورۃ الماعون۔ آیات ۴۔ تا۔ ۷ مدینہ میں نازل ہوئیں۔

Marfat.com

(۴) سورۃ النجم ۔ آیت ۳۲ مدنی ہے۔

(۵) سورۃ المرسلٰت ۔ آیت ۴۸ مدنی ہے۔

(۶) سورۃ ق ۔ آیت ۳۸ مدنی ہے۔

(۷) سورۃ القمر ۔ آیات ۴۴ ۔ تا ۔ ۴۶ مدنی ہیں۔

(۸) سورۃ الاعراف ۔ آیات ۔ ۱۶۳ ۔ تا ۔ ۱۷۰ مدنی ہیں۔

(۹) سورۃ یٰسین ۔ آیت ۴۵ مدنی ہے۔

(۱۰) سورۃ الفرقان ۔ آیات ۶۸ ۔ تا ۔ ۷۰ مدنی ہیں۔

(۱۱) سورۃ مریم ۔ آیات ۵۸ ۔ تا ۔ ۷۰ مدنی ہیں۔

(۱۲) سورۃ طٰہٰ ۔ آیات ۱۵۸ اور ۱۷ مدنی ہیں۔

(۱۳) سورۃ الواقعۃ ۔ آیات ۸۱ ۔ ۸۲ مدنی ہیں۔

(۱۴) سورۃ الشعراء ۔ آیات ۱۹۷ ۔ اور ۔ ۲۲۴ سے آخر تک مدنی آیات ہیں۔

(۱۵) سورۃ القصص ۔ آیات ۵۲ ۔ تا ۔ ۵۵ مدینہ میں نازل ہوئیں اور آیت ۸۵ ہجرت کے دوران مدینہ کی راہ میں واقع مقام جعفر میں نازل ہوئی۔

(۱۶) سورۃ بنی اسرائیل ۔ آیات ۔ ۲۶ ۔ ۳۲ ۔ ۳۳ ۔ ۵۷ ۔ اور ۷۳ تا ۸۰ مدینہ میں نازل ہوئیں۔

(۱۷) سورۃ یونس ۔ آیات ۔ ۴۹ ۔ اور ۔ ۹۲ ۔ تا ۔ ۹۴ مدنی ہیں۔

(۱۸) سورۃ ھود ۔ آیات ۔ ۱۲ ۔ ۱۷ ۔ اور ۔ ۱۱۴ مدنی ہیں۔

(۱۹) سورۃ یوسف ۔ آیات ۔ ۱ ۔ ۲ ۔ ۳ ۔ اور ۷ مدنی ہیں۔

(۲۰) سورۃ الحج ۔ آیات ۸۷ مدنی ہے۔

(۲۱) سورۃ الانعام ۔ آیات ۔ ۲۰ ۔ ۲۳ ۔ ۹۱ ۔ ۹۳ ۔ ۱۱۴ ۔ ۱۴۱ ۔ ۱۵۲ ۔ ۱۵۱ ۔ ۱۵۳ مدنی ہیں۔

(۲۲) سورۃ لقمٰن ۔ آیات ۔ ۱۷ ۔ ۲۸ ۔ ۲۹ ۔ مدنی ہیں۔

(۲۳) سورۃ سباء ۔ آیت ۔ ۶ مدنی ہے۔

(۲۴) سورۃ الزمر ۔ آیات ۔ ۵۲ ۔ ۵۳ ۔ ۵۴ ۔ مدنی ہیں۔

(۲۵) سورۃ المومن ۔ آیات ۔ ۵۶ ۔ ۵۷ ۔ مدنی ہیں۔

Marfat.com

(۲۶) سورۃ الشوریٰ۔ آیات۔۲۳۔۲۴۔۲۵۔۲۷۔ مدنی ہیں۔

(۲۷) سورۃ الزخرف۔ آیت۵۴ مدنی ہے۔

(۲۸) سورۃ الجاثیہ۔ آیت۱۴ مدنی ہے۔

(۲۹) سورۃ الاحقاف۔ آیات۔۱۵۔۳۵ مدنی ہیں۔

(۳۰) سورۃ الکہف۔ آیات۔۲۸۔اور۔۸۳۔تا۔۱۰۱۔ مدنی ہیں۔

(۳۱) سورۃ النحل۔ آخری تین آیات مدنی ہیں۔

(۳۲) سورۃ ابراھیم۔ آیات ۲۸۔۲۹۔ مدنی ہیں۔

(۳۳) سورۃ السجدۃ۔ آیات۔۱۶۔تا۔۲۰۔ مدنی ہیں۔

(۳۴) سورۃ الروم۔ آیت۔۱۷ مدنی ہے۔

(۳۵) سورۃ العنکبوت۔ آیت ایک تا گیارہ مدنی ہیں۔

درج بالا تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی آیات کی کافی بڑی تعداد ہے جو مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں لیکن انہیں مکی سورتوں میں شامل کر دیا گیا۔ جس طرح بہت سی آیات کو سورہ کی دیگر آیات کے درمیان داخل کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے مذکورہ مدنی آیات کے نزول سے قبل مکی سورہ کی آیات کا بیشتر حصہ نازل ہو چکا تھا۔ اس قسم کی پیوند کاری اور تدوین صرف صاحب تصنیف ہی کر سکتا اور کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی تدوین بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے غیر متلو وحی کے ذریعہ کروائی تھی۔

مدنی سورۃ کے نزول کی ترتیب

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سورتوں کی تعداد اٹھائیس ہے۔ نزول کی ترتیب کے مطابق ان سورتوں کی فہرست اس طرح مرتب ہوتی ہے۔

(۱) سورۃ البقرہ	(۲) سورۃ الانفال	(۳) آل عمران	(۴) الاحزاب
(۵) الممتحنہ	(۶) النساء	(۷) الزلزال	(۸) الحدید
(۹) محمد	(۱۰) الرعد	(۱۱) الرحمٰن	(۱۲) الدھر
(۱۳) الطلاق	(۱۴) البینۃ	(۱۵) الحشر	(۱۶) النور

Marfat.com

(۱۷) الحج (۱۸) المنافقون (۱۹) المجادلہ (۲۰) الحجرات
(۲۱) التحریم (۲۲) التغابن (۲۳) الصف (۲۴) الجمعہ
(۲۵) الفتح (۲۶) المائدہ (۲۷) التوبہ (۲۸) النصر

درج بالا اٹھائیس سورہ میں سے چھ سورتیں ایسی ہیں جو مدنی ہیں لیکن ان میں ایسی آیات بھی شامل ہیں جو مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں۔ ان آیات اوران کی جائے نزول کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۱ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی بعض نے اس کا نزول منیٰ میں بتایا ہے۔

(۲) مدنی سورۃ الانفال کی آیات ۳۰۔تا۔۳۶ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھیں۔

(۳) مدنی سورۃ محمد کی آیت ۱۳۔ مکہ سے مدینہ ہجرت کے دوران راستے میں نازل ہوئی تھی۔

(۴) سورۃ الحج کی آیات ۵۲۔تا۔۵۵ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان راہ میں نازل ہوئیں۔

(۵) مدنی سورہ المائدہ کی آیت تین حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔

(۶) مدنی سورۃ التوبۃ کی آخری دو آیات مدینہ منورہ سے باہر کسی مقام پر نازل ہوئی تھیں۔

ان کے علاوہ دو ایسی سورہ بھی ہیں جو مدنی کہلاتی ہیں لیکن ان کی تمام آیات مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوئیں۔ ملاحظہ ہو۔

۱) سورۃ الفتح۔ یہ سورہ صلح حدیبیہ کے بعد حدیبیہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے نازل ہوئی تھی۔

۲) سورۃ النصر۔ یہ سورۃ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی۔

درج بالا تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ مکی سورہ کی طرح مدنی سورہ میں بھی ایسی آیات شامل ہیں جو مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوئیں۔ علاوہ ازیں دو ایسی سورہ بھی ہیں جن کا پورا متن مدینہ سے باہر نازل ہوا تھا مگر وہ مدنی سورہ تسلیم کی جاتی ہیں۔

Marfat.com

روایات
جمع و تدوینِ قرآن

متن قرآن کب اور کس طرح جمع اور مدون کیا گیا اس سلسلہ میں مختلف روایات اور دلائل کی بنیاد پر درج ذیل تین آراء قائم ہوئی ہیں:

۱۔ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں متن قرآن کسی بھی چیز پر لکھا ہوا نہ تھا۔ آپ کی زندگی میں صرف چار اصحابِ رسول ﷺ کو پورا قرآن زبانی یاد تھا اور یہ چاروں اصحاب انصارِ مدینہ تھے۔

۲۔ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے کاتبان وحی مقرر فرمائے تھے اور یہ کاتب کھجور کے پتوں۔ اونٹ کے شانہ کی بڑی ہڈیوں۔ پارچوں اور باریک کھال پر لکھ کر متن وحی رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رکھوا دیتے تھے۔ یہ تحریر شدہ مواد کسی ترتیب کے ساتھ مدون نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' کے حکم پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' نے اس تحریر شدہ مواد کو یکجا کر کے ایک تاگے سے باندھ دیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' کے حکم پر چار صحابہ پر مشتمل جماعت نے متن قرآن کو کتاب کی شکل میں جمع و تحریر کر کے اس کتاب کی نقول تیار کروائیں۔

۳۔ یہ کہ متن قرآن کی تدوین و ترتیب اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی تھی آپ کاتبان وحی کو طلب فرما

Marfat.com

کروحی کا متن تحریر کروا دیتے تھے اور ہدایت فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ میں فلاں آیات کے بعد لکھ دو۔ قرآن کی تدوین کا یہ عمل غالباً وحی غیر متلو کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق عمل میں آتا تھا اس طرح بالآخر قرآن کی تدوین لوح محفوظ کے متن کے مطابق ہو گئی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی قرآن کے متعدد نسخے تیار کر لئے گئے۔

درج بالا تینوں آراء میں سے پہلی دو آراء کی بنیاد ایسی احادیث اور روایات پر قائم ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی احادیث کی معتبر کتب میں بھی درج ہیں۔ درج بالا تیسری رائے کی تائید بعض روایات کے علاوہ قرآن حکیم کی آیات سے بھی ہوتی ہے۔ معتبر کتب میں درج ان روایات کی وجہ سے درج بالا متضاد اور اختلافی آرا وجود میں آئی ہیں۔ مختلف علماء اور محققین نے اس مسئلہ پر کافی طویل بحث کی ہے۔ ظاہر ہے تدوین قرآن کا معاملہ نہایت اہم معاملہ ہے اس معاملہ میں اختلاف سے متن قرآن کے متعلق شکوک کی راہ کھل سکتی ہے ہماری کتاب کا اصل موضوع بھی یہی ہے اس لئے ہم اس پر مفصل بحث کریں گے۔

آئمہ حدیث کی روایات

بعض آئمہ حدیث کی طرح امام بخاری اور امام مسلم کی کتب حدیث میں بھی ''جمع القرآن۔'' کے باب قائم کئے گئے ہیں اور اُن میں جمع و تدوین قرآن کے متعلق روایات درج کی گئی ہیں۔ ان روایات میں سے چند بہت مشہور اور مقبول ہیں۔ لیکن ہم ان مشہور اور مقبول روایات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔ تمام کتب احادیث میں ''صحیح بخاری''۔ سب سے زیادہ معتبر تصور کی جاتی ہے اس لئے ہم جمع اور تدوین قرآن کے متعلق خاص طور پر الجامع صحیح بخاری کی روایات کو نقل کر کے ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔

(۱) الجامع صحیح بخاری، باب جمع القرآن

''ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے ابراہیم بن سعد سے کہا ہم

Marfat.com

سے ابن شہاب نے بیان کیا اُنہوں نے عبید بن سباق سے اور انہوں نے (سنا) زید بن ثابتؓ سے۔ ''اُنہوں نے (زید بن ثابت نے) کہا کہ۔ جب یمامہ کی جنگ میں مسلمان مارے گئے تو ابوبکر صدیق نے مجھے بلوایا۔ میں گیا تو دیکھا کہ حضرت عمر بھی وہاں بیٹھے ہیں ابوبکر نے کہا عمر میرے پاس آئے اور کہنے لگے یمامہ کی لڑائی میں قرآن کے قاری بہت مارے گئے میں ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو اسی طرح جنگوں میں قاری مارے جائیں اور بہت سا قرآن ہاتھ سے جاتا رہے تو میں سمجھتا ہوں آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیں۔ اُس وقت میں نے عمر سے کہا یہ بتاؤ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ تم کیسے کرو گے۔ عمر نے کہا اللہ کی قسم اس کام میں خیر ہے۔ پھر عمر مجھ سے اس کام کیلئے مسلسل اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرا سینہ بھی کھول دیا مجھے بھی یہ کام بہتر نظر آیا اور عمر کی جو رائے تھی وہی میری بھی ہو گئی ابوبکرؓ نے کہا تو (زید بن ثابت) ایک جوان اور عقلمند آدمی ہے ہمیں تیرا اعتبار بھی ہے اور تو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وحی بھی لکھا کرتا تھا۔ ایسا کر کہ قران کی تلاش کر اُسے اکٹھا کر۔ زید بن ثابت نے کہا اللہ کی قسم اگر یہ لوگ کہتے کہ تم پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو مجھ پر اتنا گراں نہ گزرتا جتنا قرآن کو جمع کرنے کا کام گراں گزرا۔ میں نے ان سے کہا تم لوگ وہ کام کیوں کر کرو گے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔ ابوبکر نے کہا اللہ کی قسم یہ کام اچھا ہے وہ مجھ سے یہی کہتے رہے حتیٰ کہ اللہ نے میرا بھی شرح الصدر کر دیا جس طرح اللہ نے ابوبکر اور عمر کا سینہ کھول دیا تھا۔ میں نے قرآن کی تلاش شروع کی۔ کہیں کھجور کی شاخوں پر کہیں پتھر کی پتلی سلوں پر لکھا پایا کچھ لوگوں کو (قرآن) زبانی یاد تھا۔ (اس طرح قرآن جمع کیا) سورۃ توبہ کی آخری آیت صرف ابی خزیمہ انصاری کے پاس ملی اور کسی کے پاس نہ تھی۔ یعنی یہ آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم سے لیکر آخر سورۃ تک۔

پھر یہ مصحف (جو زید بن ثابت نے تیار کیا تھا) ابو بکر کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد عمر کے پاس۔ پھر عمر نے اپنے انتقال کے وقت یہ مصحف اپنی بیٹی (ام المومنین) حفصہ کے سپرد کر دیا۔

۲۔ صحیح بخاری حدیث ۲۰۸۹ میں ابن شہاب زہری سے ہی مروی حضرت زیدؓ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی درج ہے۔ ''ابن شہاب نے کہا خارجہ ابن زید بن ثابت نے مجھ سے بیان کیا انہوں نے زیدؓ بن ثابت سے سنا وہ کہتے تھے جب ہم (حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں) مصحف لکھ رہے تھے اس وقت سورۃ الاحزاب کی ایک آیت کا پتہ نہ چلا وہ آیت حضرت حفصہ کے مصحف میں بھی نہ تھی جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بارہا وہ آیت پڑھتے سنا تھا آخر ہم نے اس کی تلاش کی پھر وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی وہ آیت یہ تھی۔

''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ''۔

ہم نے اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں لگا دیا۔

صحیح بخاری کے باب کاتب الوحی میں حدیث ۲۰۹۰ میں حضرت ابو بکر صدیق کے حکم پر حضرت زید بن ثابت کا یہ قول بھی منقول ہے۔

۳۔ ''ہم سے یحیی بن بکیر نے بیان کیا کہ ہم سے لیث بن سعد نے کہا انہوں نے یونس سے انہوں نے ابن شہاب سے کہ عبید بن سباق نے کہا کہ زید بن ثابت کہتے تھے۔ ابو بکر نے مجھے بلوایا اور کہا تم رسول اللہ ﷺ کے دور میں وحی لکھتے تھے اب بھی تم ہی قرآن کی تلاش کرو۔ میں نے تلاش کیا حتی کے سورہ توبہ کی آخری آیت۔

إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

مجھے ابو خزیمہ کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں ملی''۔

صحیح بخاری کی درج بالا روایات ترمذی اور نسائی کی کتب حدیث میں بھی کچھ تغیر کے ساتھ موجود ہیں۔

Marfat.com

صحیح بخاری میں درج ذیل دو حدیثیں حفاظ قرآن کے متعلق درج کی گئی ہیں۔
ہمارے نزدیک ان احادیث کا تعلق حفاظ قرآن سے نہیں بلکہ قرآن جمع کر کے ترتیب سے لکھنے والوں سے ہے۔ ان احادیث میں بنیادی لفظ جمع استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی اردو مترجم نے حفظ کرنے کے لیے ہیں۔ ہم یہاں مذکورہ احادیث کا مکمل ترجمہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اسناد کو چھوڑ کر عربی متن بھی درج کر رہے ہیں۔

۴۔ حدیث ۲۱۰۴:۔ سالت انس بن مالک من جمع القرآن علی عهد النبی ﷺ قال اربعه کلهم من الانصار ابی بن کعب ومعاذ بن جبل و زید بن ثابت وابوزید۔

ترجمہ: انس بن مالک سے پوچھا عہد نبوی ﷺ میں قرآن کن لوگوں کو یاد تھا (کن کے پاس جمع تھا) انہوں نے کہا چار کو اور چاروں انصاری تھے۔ ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابوزیدؓ۔

۵۔ حدیث ۲۱۰۵:۔ عن انس قال مات النبی ﷺ ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابوالدرداء معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابوزید قال ونحن ورثناه۔

ترجمہ: انس نے کہا نبی ﷺ کی وفات ہوگئی (اس وقت تک) چار کے علاوہ کسی کو قرآن یاد نہ تھا (کسی اور نے قرآن جمع نہ کیا تھا) ابوالدردا، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید۔ اور ہم ابوزید کے وارث ہوئے۔ (ابوزید حضرت انس بن مالک کے چچا تھے)۔

صحیح بخاری کے باب جمع القرآن کی شرح فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی نے ابویحییٰ عبدالکریم بن زیاد بن عمران القطان الدہر عاقولی محدث کی کتاب 'فوائد الدہر عاقولی' کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے:

۶۔ ابن شہاب زہری نے عبید بن سباق سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور قرآن کسی چیز پر لکھا ہوا نہ تھا۔

Marfat.com

جرح وتجزیہ

درج بالا احادیث پر علماء اور محققین نے جرح اور کلام کیا ہے۔ ہم علماء کرام کی جرح کے ساتھ ساتھ خود بھی کچھ تجزیاتی کاوش کریں گے۔

صحیح بخاری کی درج بالا احادیث جنہیں ہم نے اپنی طرف سے ایک سے چھ تک نمبر لگا کر درج کیا ہے ان میں روایت نمبر (۴) اور (۵) کے سوا باقی تمام روایات ابن شہاب زہری نے بیان کی ہیں اور ابن شہاب زہری نے ان روایات کو حضرت عبید بن سباق سے سن کر بیان کیا ہے۔ حضرت عبید بن سباق یہ روایات صرف حضرت زیدؓ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت کرتے ہیں۔ اس سلسلہ اسناد کو اس لئے غیر معتبر اور نا قابل قبول قرار دیا گیا ہے کہ عبید بن سباق کا حضرت زید بن ثابت سے روایت کا سننا بعید از امکان ہے۔ امام بخاری نے اپنی مشہور تالیف ''تاریخ کبیر'' میں حضرت عبید بن سباق کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ۱۱۸ ہجری میں بعمر اڑسٹھ (۶۸) سال وفات پائی۔ اگر ۱۱۸ میں سے ۶۸ سال منہا کر دئے جائیں تو حضرت عبید بن سباق کا سنِ ولادت ۵۰ ہجری قرار پائے گا۔ علم الرجال کی کتب اور کتب سیر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ کا سن وفات ۴۵ اور ۴۸ ہجری بتایا گیا ہے جبکہ حضرت عبید بن سباق ۵۰ ہجری میں تولد ہوئے اس لئے ان کا حضرت زید بن ثابت سے مذکورہ روایات کا سننا غیر ممکن امر ہے۔ اس حقیقت کی بناء پر مذکورہ روایات کی جڑ کٹ کر رہ جاتی ہے اور ان مشہور ومقبول روایات کو قبول کرنا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

درایت کی بنیاد پر بھی ان روایات میں باہم تضاد اور واضح سقم پایا جاتا ہے۔ درج بالا روایت (۱) میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی ایک آیت جو سورۃ توبہ کے آخر میں درج کی گئی وہ حضرت زید بن ثابت کو کہیں نہیں ملی بالآخر یہ آیت ابی خزیمہ انصاریؓ کے پاس مل گئی۔ روایت (۲) میں حضرت عثمان غنیؓ کے حکم پر مصحف تیار کرنے کے بیان میں سورۃ احزاب کی ایک اور آیت نہ ملنے کا ذکر ہے حتیٰ کہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم پر حضرت زید بن ثابتؓ نے جو مصحف تیار کیا تھا جسے اس روایت میں حضرت حفصہ کا مصحف کہا گیا ہے اس

میں بھی سورۂ احزاب کی یہ آیت درج نہ تھی دیگر روایات میں بتایا گیا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم کی تعمیل میں حتی المقدور احتیاط سے کام لیا صرف اپنے ہی حافظہ اور تحریر شدہ مواد پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف صحابہ کرام کے حافظہ اور ان کی کاوشوں کو بھی مصحف قرآن کی تدوین میں پوری طرح استعمال کیا۔ لیکن درج بالا روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت زید بن ثابت اور ان کے معاونین نے پوری احتیاط سے کام نہیں لیا قرآن کی پوری ایک آیت کا پہلے مصحف میں شامل نہ ہونا بہت بڑا سقم ہے۔ اس غلطی کی بنا پر شکوک کی راہ کھلتی ہے ممکن ہے ان روایات کو اسی لئے گھڑا گیا ہو کہ تدوین قرآن کے باب میں شک کے لئے گنجائش پیدا کر دی جائے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد میں کذاب راویوں اور مفسد گروہ نے قرآن میں تحریف کا دعویٰ کیا اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ اصل قرآن میں سترہ ہزار آیات تھیں اور وہ سب موجودہ قرآنی آیات سے مختلف تھیں ہمیں اس قبیل کے راویوں کی کاوشوں کا واضح عکس ابن ابوداؤد اور ابن اشتر کی کتاب المصاحف کی روایات میں ملتا ہے۔ ہم ان روایات کی بنا پر آئمہ حدیث کی نیت پر قطعاً شک نہیں کرتے ہوسکتا ہے انہوں نے ان روایات کا پوری طرح تجزیہ نہ کیا ہو اور یہ بھی ممکن بلکہ بہت ممکن ہے کہ ان کے مسودہ میں مفسدین کے گروہ نے یہ مواد بعد میں داخل کر دیا ہو۔ کتب میں تحریف اور جعل سازی کی باقاعدہ مہم چلتی رہی ہے ہم ایسی مہم کے متعلق تفصیل اس کتاب کے باب تدوین تاریخ میں پیش کریں گے۔

ان احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک متنِ قرآن بکھرا ہوا تھا اس کا کوئی نسخہ مرتب نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ کہنا کہ تو قرآن کی تلاش کر اور پھر اس حکم کی تعمیل میں حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ بیان کہ میں نے قرآن کی تلاش کی کہیں کھجور کی شاخوں کہیں پتھر کی تپلی سلوں پر لکھا پایا۔ ان جملوں سے یہی تاثر ملتا ہے کہ قرآن مدون صورت میں موجود نہ تھا پھر ان روایات میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم نے سورۃ احزاب میں اس تلاش کردہ آیت کو شامل کر دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن کی تدوین کا بھی کچھ کام کیا تھا اگر ایسا ہے تو پھر خود رسول اللہ ﷺ قرآن کو کس ترتیب اور تدوین کے ساتھ پڑھتے اور ختم فرماتے تھے اور صحابہ کرام کس ترتیب کے ساتھ

Marfat.com

قرآن حفظ کرتے تھے یا جن چار انصاری اصحاب کے متعلق الجامع صحیح بخاری میں بتایا گیا ہے کہ صرف یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن یاد کر سکے تھے تو ان حضرات نے کس ترتیب کے ساتھ قرآن حفظ کیا تھا۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب درج بالا روایات کی روشنی میں نہیں دیا جاسکتا۔

درج بالا روایات نمبر (۴) اور (۵) میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی بیان میں دونوں جگہ بنیادی لفظ جمع استعمال ہوا ہے۔ ایک حدیث میں 'جمع القرآن' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور دوسری میں 'یجمع القرآن' کے۔ اردو ترجمہ میں جمع القرآن کو حفظ قرآن اور حفاظ قرآن مراد لی گئی ہے جو غلط ہے۔ جمع القرآن سے مراد قرآن کے تمام اجزا جمع کر کے لکھ لینا ہے۔ گرچہ یہ روایت بھی غیر معتبر اور ناقابل قبول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک صرف چار انصاری اصحاب رسول نے قرآن لکھ رکھا تھا۔ یہاں ہم صرف مذکورہ احادیث کے مفہوم پر بحث کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان احادیث میں جمع القرآن سے مراد حفظ قرآن نہیں ہے۔ اس کا ثبوت بھی ان ہی حدیث میں موجود ہے۔
حدیث ۲۱۰۵ جسے ہم نے پانچ نمبر دے کر نقل کیا ہے اس حدیث کا آخری جملہ قابل غور اور فیصلہ کن ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کا یہ فرمانا کہ حضرت ابوزیدؓ کے ہم وارث ہوئے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز تھی جو ورثہ میں مل سکتی تھی۔ کسی کا قرآن حفظ کرنا کسی کو ورثہ میں نہیں مل سکتا۔ میرے والد اگر حافظ قرآن ہوں تو ان کا حافظ قرآن ہونا مجھے ورثے میں نہیں مل سکتا۔ اگر میرے والد نے خود قرآن لکھا ہو یا قرآن کا نسخہ خریدا ہو تو وہ مجھے ورثے میں مل سکتا ہے۔ اس لیے ان دونوں احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ اصحاب رسول ﷺ نے قرآن کے اجزا جمع کر کے انہیں لکھ لیا تھا۔

اب رہ گئی یہ بات کہ لکھا ہوا قرآن صرف ان چار حضرات کے پاس تھا اس کی تردید میں ہم آگے کچھ ثبوت پیش کریں گے۔ ہم یہاں ایک اور حقیقت کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں اور آئمہ حدیث کے دور میں بھی حفاظ قرآن کے لیے حافظ کا لفظ نہیں قاری کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے میں درج ذیل تفصیل:

Marfat.com

حافظ اور قاری

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک نام۔ حافظ بھی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تحفظ کی ذمہ داری بھی قبول کی ہے اس لئے حافظ اور حافظ قرآن کے الفاظ کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہونا چاہئے۔ صحابہ کرام اس نکتہ سے واقف تھے اس لئے وہ کسی بشر کیلئے حافظ کا لفظ استعمال نہ کرتے تھے جن اصحاب کو پورا قرآن یاد ہوتا تھا انہیں قاری القرآن کہا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ کسی بھی صحابی اور تابعی کے نام کے ساتھ کبھی بھی لفظ حافظ استعمال نہیں کیا گیا۔ کسی صحابی اور تابعی کے نام کے ساتھ لفظ حافظ شامل نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام یا تابعین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جسے پورا قرآن زبانی یاد ہو بلاشبہ صحابہ کبار کی اکثریت کو پورا قرآن یاد تھا اور وہ پابندی کے ساتھ ہر روز قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ جن احادیث میں صحابہ کیلئے قاری القرآن کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس سے مراد حافظ قرآن ہے۔ آئمہ حدیث کے دور میں بھی حفاظ قرآن کو قاری القرآن ہی کہا جاتا تھا۔

لوگوں کے ناموں کے ساتھ لفظ حافظ لگانے کی بدعت احادیث حفظ کرنے کے دور میں شروع ہوئی اور سب سے پہلے ان حضرات کے نام کے ساتھ لفظ حافظ استعمال کیا گیا جنہیں قریباً ایک لاکھ اسناد کے ساتھ احادیث یاد ہوتی تھیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی کو اس بنا پر حافظ کہا گیا کہ انہیں مذکورہ تعداد میں احادیث یاد تھیں جب تک احادیث حفظ کرنے کا ذوق اور دور قائم رہا ایسے محدثین کے نام کے ساتھ لفظ حافظ استعمال کیا جاتا رہا جنہیں مقررہ تعداد میں احادیث یاد ہوتی تھیں۔ جب احادیث حفظ کرنے کا دور ختم ہوگیا تو عجمیوں نے غالباً ساتویں یا آٹھویں صدی ہجری میں ان لوگوں کیلئے لفظ حافظ استعمال کرنا شروع کر دیا جنہیں پورا قرآن زبانی یاد ہوتا تھا۔ اب یہ لفظ صرف قرآن حفظ کر لینے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور قاری اسے کہا جاتا ہے جو قرآن درست اخراج اور اوقاف کیساتھ پڑھتا ہو۔

درج بالا وضاحت سے یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ روایت (۵) میں جن چار

Marfat.com

اصحاب کے نام درج کئے گئے ہیں وہ کاتب القرآن تھے۔ اس بناء پر ان کیلئے قاری القرآن کی بجائے تجمع القرآن کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں امام بخاری کے زمانہ میں بھی حفاظ قرآن کیلئے قاری کا لفظ استعمال ہوتا تھا اگر صرف یہ چار اصحاب رسول قرآن کے حافظ ہوتے تو انہیں قاری لکھا جاتا۔ فی الحقیقت یہ چار حضرات جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کتابت وحی پر بھی مامور تھے انہوں نے پورا قرآن آپ کی وفات سے قبل ہی لکھ لیا تھا۔ بہ ہر نوع یہ کسی بھی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت صرف چار اصحاب رسول کو پورا قرآن زبانی یاد تھا اور یہ کہ آپ کی وفات تک قرآن کسی بھی چیز پر لکھا نہ گیا تھا۔ اس دعوے کی تردید خود الجامع صحیح بخاری کی درج بالا حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عمر کی طرف سے حفاظ کی شہادت کی بناء پر جمع القرآن کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ گرچہ یہ روایت بھی اصل صورت حال کے خلاف ہے۔

مزید روایات

گرچہ الجامع صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایات کی اصلیت اور ان کا ضعف واضح ہو چکا ہے لیکن زیر بحث مسئلہ سے متعلق دیگر روایات کا بھی احاطہ کر لینا مضمون کی جامعیت کیلئے مناسب ہوگا چنانچہ ہم یہاں مزید مشہور روایات بھی نقل کر رہے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''۔اتقان۔'' میں لکھا ہے کہ حارث مجلسی نے اپنی کتاب الموسوم ''۔فہم السنن۔'' میں تحریر کیا ہے کہ:

> ''قرآن کی کتابت بدعت نہیں کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے قرآن لکھنے کا حکم دیا تھا۔ البتہ وہ متفرق پارچوں کاغذوں اور کھجور کے پتوں وغیرہ پر تحریر تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اسے جمع کر کے یکجا کیا اور وہ ان منتشر اوراق کی جگہ ہو گیا جو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پائے گئے تھے۔ پھر جمع کرنے والوں نے ترتیب کے ساتھ ایک تاگے سے اُسے باندھ دیا تا کہ اس سے کوئی جزو ضائع نہ ہو۔ زید بن ثابت جو خود حافظ قرآن اور کاتب وحی تھے انہوں نے صرف اپنے حافظے اور کتابت پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ حفاظ کے سینوں سے اور

Marfat.com

کاتبانِ وحی کے اوراق سے اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں جو لکھا پایا ان سب سے مدد لی اور اسے جمع کرنے کے بعد انصار اور مہاجرین کی جماعت کے سامنے پڑھا۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے اس اقدام سے اللہ جل شانہ کے اس ارشاد کی تکمیل ہوگئی کہ ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

جمع القرآن کے متعلق ابن ابی داؤد نے بھی ہشام بن عروہ سے یہ روایت کی ہے:

''ہشام کے والد عروہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھ جائیں اور جب کوئی شخص کتاب اللہ کی کسی آیت پر دو گواہ لے آئے تب اُسے نقل کریں''۔

درج بالا روایات کا ماخذ غالباً وہی احادیث ہیں جو الجامع صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج کی گئی ہیں۔ اِن روایات میں خود محدث کی رائے بھی شامل نظر آتی ہے مثلاً یہ کہنا کہ قرآن کی کتابت بدعت نہیں اور یہ کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے صرف اپنے حافظہ اور اپنی کتابت پر بھروسہ نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ ابن ابی داؤد کی روایت میں جمع القرآن کی ایک نئی صورت بیان کی گئی ہے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھ جائیں اور جب کوئی کتاب اللہ کی کسی آیت پر دو گواہ لے آئے اُسے نقل کریں۔ اس سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں متن قرآن مکمل طور پر تحریر نہیں کیا گیا تھا یہ کام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں کیا گیا۔ اس طرح قرآن کا پہلا مکمل نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم پر وجود میں آیا۔ یہ مفروضہ قطعاً غلط اور حقائق و قرائن کے خلاف ہے۔ قرآن کا ایک ایک حرف رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں تحریر کرلیا گیا تھا۔ جوں ہی وحی نازل ہوتی اُس کی کتابت اور تدوین کردی جاتی تھی متعدد صحابہء کرام رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق اپنے لئے بھی آیات قرآنی تحریر کرتے رہتے تھے اور ایسے صحابہ کی تعداد سینکڑوں میں تھی جنہوں نے اپنے حافظہ میں آیات قرآنی کو محفوظ کرلیا تھا۔ حفظ اور تحریر کا

Marfat.com

یہ سلسلہ نزول وحی کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ ان حقائق کی تصدیق خود قرآنی آیات اور بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے اور قیاس بھی انہی حقائق کی تصدیق کرتا ہے۔

تدوین قرآن کے متعلق آیات قرآنی

یہ حقیقت ہے کہ پورا قرآن بیک وقت نازل نہیں ہوا۔ قریباً بارہ سال پانچ ماہ کے عرصے میں چھیاسی (۸۶) مکی سورتیں اور نو سال نو ماہ کے عرصے میں اٹھائیس (۲۸) مدنی سورتیں نازل ہوئیں۔ قرآن کی کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں میں سے بہت سی سورتیں مکمل طور پر بیک وقت نازل نہیں ہوئیں۔ بعض سورتیں مثلاً سبع الطوال یعنی سورۃ البقرہ سے الانفال تک کی سات طویل سورتوں کی تکمیل کئی برس میں ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ جن سورتوں کا متن مختلف آیات کی شکل میں تھوڑا تھوڑا کر کے کئی برس تک نازل ہوتا رہا ان سورتوں کی مختلف اوقات میں نازل ہونے والی آیات کو کس نے باہم مربوط اور مرتب کیا۔ ظاہر ہے یہ کام صحابہ کرام نہیں کر سکتے تھے۔ اصولاً اور لازماً ہر مصنف اپنی تصنیف کی تدوین کرتا ہے۔ کلام اللہ کی ترتیب اور تدوین کا مجاز و مختار صرف اللہ جل شانہ ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ باور کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کی تدوین و ترتیب اپنے منشاء کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے کروائی تھی۔ قرآن میں آیات اور سورہ کا اندراج نزول وحی کی ترتیب کے مطابق نہیں کیا گیا۔ سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کی پہلی سورہ البقرہ دوسری آل عمران۔ تیسری النساء اور چوتھی المائدہ ہیں یہ تمام سورتین مدنی ہیں جو مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی ابتدائی آیات کے نزول کے قریباً پندرہ سال بعد نازل ہوئی تھیں۔ پہلی وحی۔ اقرا باسم ربک الذی خلق تھی جسے قرآن میں پچانوے سورتوں کے بعد سورۃ علق میں درج کیا گیا جو قرآن کی چھیانوی (۹۶) سورۃ ہے یہ غیر معمولی ترتیب کوئی صحابی رسول نہیں کر سکتا تھا اس قسم کی غیر معمولی ترتیب کا اختیار صاحب کلام اللہ جل شانہ کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی مرضی سے ایسی ترتیب قائم نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کوئی صحابی اس قسم کی تبدیلی کرتا تو ایک ہنگامہ مچ جاتا۔ آج بھی اگر کوئی ناشر قرآن کی آیات کو آگے پیچھے کر کے چھاپ دے تو مسلمان اس کی بوٹیاں نوچ

Marfat.com

ڈالیں گے۔

سورۃ الحجر آیت ۸۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ترجمہ: ''اے (نبی) ہم نے آپ کو سات آیات دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا کیا''۔

یہ سات آیات سورۃ فاتحہ کی آیات ہیں جو نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں۔

درج بالا آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الحمد کی سات آیات الگ دی ہیں اور بقیہ قرآن کا متن الگ عطا فرمایا۔ اس ارشاد ربانی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے سورہ فاتحہ کو الگ صفحہ پر لکھوایا اُسے قرآن کی دوسری سورتوں اور آیات سے الگ رکھا۔ تدوین کے اس طریقہ کو آج تک قائم رکھا گیا ہے۔ ہر دور کے قرآنی نسخے میں سورہ فاتحہ پہلے صفحہ پر الگ لکھی جاتی رہی ہے۔ تدوین کا یہ طریق ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ قرآن کا پورا متن اللہ تبارک وتعالیٰ کے منشاء کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مدون کروایا تھا۔ اور قرآن کی اسی تدوین کو ہمشہ قائم رکھا گیا۔

سورۃ الکھف آیت ۲۷ میں ارشاد باری ہے۔

ترجمہ۔ اور پڑھ دے جو تیری طرف وحی کی گئی تیرے رب کی کتاب سے۔

اس کے کلمات کوئی نہیں بدل سکتا کلمات کا بدلنا کلام کا بدلنا ہے۔ کلام صرف الفاظ کے بدلنے سے ہی تبدیل نہیں ہوتا بلکہ کلمات کی ترتیب بدلنے سے بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے کلام کی ترتیب بھی کوئی نہیں بدل سکتا یہ اختیار انبیاء کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اس حقیقت کو واضح طور پر سورۃ یونس آیت ۱۵ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ترجمہ: جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیات جو بالکل واضح ہیں تو یہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آ۔ یا اس میں کچھ تبدیلی کر دے۔ کہہ دے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اسے بدل ڈالوں۔ میں پیروی نہیں کرتا بجز اس کے جو میری طرف وحی کی گئی ہے بیشک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے

Marfat.com

(بھی) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے''۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ کفار مکہ نے قرآن بدلنے کا مطالبہ کیا تھا۔ کفار بھی قرآن کو صحیفہ کی حیثیت سے جانتے تھے اُن کے اس مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ رسول کا کام وحی الٰہی میں موجود اللہ کے احکام کی تعمیل کرنا ہے کسی رسول کو کلام اللہ میں ردوبدل کا قطعاً اختیار نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی قرآن بصورت کتاب تحریر اور مدون ہو گیا تھا اس دعوے کی تائید درج ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے۔

سورۃ عبس آیات۔۱۱۔تا۔۱۶۔

ترجمہ ''دیکھو یہ ذکر (قرآن) نصیحت ہے جو کوئی چاہے اس کو پڑھے۔ قابلِ عزت و احترام اوراق میں لکھا ہے جو بلند مقام پر رکھے ہوئے اور پاک ہیں۔ نہایت نیک اور مکرم ہاتھوں سے لکھا ہوا''۔

ان آیات سے تین امور کا تعین ہوتا ہے اول یہ کہ قرآن نصیحت اور پڑھنے کی چیز ہے جو بھی چاہے اسے پڑھ سکتا ہے۔ دوم یہ کہ قرآن ایسے اوراق میں لکھا گیا ہے جو قابل احترام اور پاک ہیں اور بلند مقام پر رکھے ہوتے ہیں یعنی ان پاک اوراق کا احترام کیا جاتا اور انہیں بلند مقام پر رکھا جاتا ہے سوم یہ کہ قرآن لکھنے والے نہایت پاک باز اور قابل تکریم لوگ تھے۔ ان واضح آیات کی روشنی میں کس طرح یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قرآن کسی بھی چیز پر لکھا ہوا نہ تھا۔

سورۃ الواقعۃ آیات ۷۷۔تا۔۷۹ کا متن یہ ہے۔

ترجمہ:۔ یہ بڑی تکریم والا قرآن ہے۔ کتاب محفوظ میں لکھا ہوا۔ اسے صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔

Marfat.com

سورۃ الطور۔آیات۔۲۔۳۔

ترجمہ: ''یہ کتاب (قرآن) کشادہ اوراق میں لکھی ہوئی ہے''۔

سورہ البروج آیت ۲۱۔۲۲

یعنی یہ قرآن مجید بڑی شان والا ہے۔لوح محفوظ میں لکھا ہوا۔

رق عربی میں ہرن وغیرہ کی پتلی کھال کو کہتے ہیں جس پر لوگ لکھا کرتے تھے۔ بعد میں ہر اس چیز کو جو کاغذ کی طرح پتلی ہو اور وہ لکھنے کے کام آتی ہو رق کہا جانے لگا۔اس آیت سے قرآن کا کشادہ اوراق میں لکھا جانا ثابت ہوتا ہے۔

عربی میں لوح شانہ کی بڑی چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں۔قدیم دور میں عرب عموماً اونٹ کے شانہ کی چوڑی ہڈی پر لکھا کرتے تھے۔مجازاً لوح پتھر کی مسطح سل اور لکڑی کی تختی کو کہتے ہیں درج بالا آیت میں لوح محفوظ کا ذکر ہوا ہے مفسرین لوح محفوظ سے مراد ایسی لوح لیتے ہیں جو عالم بالا میں رکھی ہوئی ہے۔قرآن میں کئی جگہ لوح محفوظ کا ذکر آیا ہے لیکن اُس کی تشریح قرآن میں نہیں کی گئی کہ وہ کیا اور کہاں ہے۔

سورۃ البینہ۔ آیات ۲۔۳۔

ترجمہ: اللہ کے رسول پاک نوشتے (قرآن) کی تلاوت کرتے ہیں اس میں حکمت والی عبارات (کتابیں) لکھی ہوئی ہیں''۔

اِن آیات میں رسول اللہ ﷺ کا تحریر شدہ قرآن کی تلاوت کرنے کا واضح طور پر ذکر ہوا ہے۔قرآن کی املا کرانے پر کفار مکہ کا ایک غلط بیان بھی قرآن میں منقول ہے۔ ملاحظہ ہو سورۃ الفرقان آیت ۵۔

ترجمہ: یہ (کافر) کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں جنہیں اس (رسول اللہ

Marfat.com

ﷺ) نے لکھ رکھا ہے، سو وہی صبح شام اس کے پاس لکھوائے جاتے ہیں۔

درج بالا آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آیات وحی لکھواتے تھے اور آپ کے اس عمل کا علم کفار مکہ کو بھی تھا چنانچہ انہوں نے یہ بات گھڑ دی کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ نے پرانے قصے لکھ رکھے ہیں اور اس لکھے ہوئے مواد کو آپ صبح شام لوگوں کو لکھواتے رہتے ہیں غالباً پرانے قصوں سے ان کی مراد یہود و نصاریٰ کی کتب میں درج روایات وغیرہ تھیں۔

گرچہ قرآن کی درج بالا آیات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں قرآن لکھا اور پڑھا جاتا تھا اور اس کے قلمی نسخے موجود تھے۔ لیکن مزید وضاحت اور تقویت کے لئے ہم اس موضوع پر چند احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔

احادیث سے تائید

صحیح بخاری میں یہ حدیث درج ہے۔ ''**بعرض القرآن علی البنی ﷺ کل عام مرة فعرض علیه مرتین فی العام الذی قبض۔**''

ترجمہ: ہر سال رسول اللہ ﷺ کو ایک بار قرآن سنایا جاتا تھا لیکن جس سال آپ نے وفات پائی اس سال دو بار سنایا گیا''۔

اس حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ ماہ رمضان میں حضرت جبرائیل حضور ﷺ کے ساتھ قرآن پڑھتے اور ختم کرتے تھے جس سال آپ کا انتقال ہوا حضرت جبرائیل نے دو بار قرآن پڑھا۔ ظاہر ہے قرآن کی ایک مستقل ترتیب تھی جس کے مطابق قرآن حفظ اور تلاوت کیا جاتا تھا اور یہ ترتیب یقیناً رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی قائم ہو گئی تھی۔

صحیح بخاری میں۔ ''**کرھیة السفر بالمصحف الی الارض العدو۔**'' باب قائم کر کے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن ساتھ لیکر دشمن ملک کا سفر کرنے سے منع فرمایا تھا۔

مسند امام احمد میں یہ روایت درج ہے۔ ''**نھی ان مسافر بالمصحف**''۔

Marfat.com

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سفر میں قرآن کا نسخہ لے جانے سے منع کیا ہے۔ صحیح مسلم میں بھی یہ روایت اس وضاحت کے ساتھ درج ہوئی ہے۔ ''مخافة ان يناله العدو''۔ مقصد یہ ہے کہ دشمن کے علاقہ میں قرآن لیکر جانے سے اس امر کا خطرہ تھا کہ وہ قرآن چھین لیں اوراس کی بے حرمتی کریں۔

کنز الاعمال میں یہ حدیث نبوی مرقوم ہے۔ **قراء تک نظرا تضاعف علىٰ قراء تک حفظ كفضل المكتوبة على انافلة۔**

یعنی دیکھ کر تلاوت کرنے کو یادداشت کی بنا پر تلاوت کرنے پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی فرض کو نفل پر۔

حضرت ابوامامہؓ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول مروی ہے۔

لاتغرنكم هذا المصاحف المعلقة ان الله لايعذب قلبا وعى القرآن.

ترجمہ: قرآن کے یہ نسخے جو تمہارے گھروں میں لٹکے ہوئے ہیں کہیں تمہیں قرآن حفظ کرنے سے غفلت میں نہ ڈال دیں۔ یادرکھو جس کے دل میں قرآن محفوظ ہے اللہ تعالیٰ اُسے عذاب میں نہ ڈالے گا۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کے نسخے بیشتر گھروں میں موجود تھے۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح میں ایک باب قائم کیا ہے اُس کا عنوان ہے۔ ''لم يترك النبی علیہ وسلم **الاما بين الد فتين**''۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ اور محمد ابن الحنفیۃ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''**ما ترك النبی** علیہ وسلم **الامابين الدفتين**'' یعنی رسول ﷺ نے قرآن دو چوبی دفتیوں کے درمیان چھوڑا تھا۔ فتح الباری میں اس کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام قرآن مجید چمڑے پر لکھتے تھےاور اُسے دو چوبی تختیوں کے درمیان رکھ دیتے تھے۔ اس حقیقت کو صحیح مسلم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قالت ام يعقوب لقد قرائت مابين لوحي المصحف۔

ترجمہ: ام یعقوب نے کہا کہ میں نے قرآن پڑھا جو دو تختیوں کے درمیان تھا۔

درج بالا احادیث کے علاوہ صحیح اور حسن درجہ کی متعدد اور بھی احادیث موجود

Marfat.com

ہیں جن سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے اور قرآن پڑھنا صحابہؓ کبار کا معمول تھا وہ نازل شدہ تمام آیات حفظ کر لیتے تھے اس طرح نزول وحی کا سلسلہ جب ختم ہوا تو یہ حضرات پورے قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔ قرآن کا حفظ اور تحریر میں رہنا اس امر کو بھی ثابت کرتا ہے کہ حفظ وتحریر کا یہ عمل نزول وحی کے دور میں بھی یقیناً کسی ترتیب کے مطابق ہوتا تھا۔ بصورت دیگر اُن کا حفظ اور تلاوت کرنا غیر ممکن نہیں تو بے حد مشکل اور نہایت پیچیدہ امر ہو جاتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ نزول وحی کے ہر دور میں ہر سورۃ کی آیات کے لئے ترتیب قائم رکھی گئی اس ترتیب کے مطابق آیات کو حفظ اور تحریر کیا جاتا تھا بعد میں قرآن کی تمام سورتوں کی بھی ترتیب قائم کر دی گئی۔ یہ کام رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور آپ کی ہدایات کے مطابق انجام دیا گیا۔

قرآن کی مختلف ترپن (۵۳) سورتوں میں دو سو چھبیس (۲۲۶) مقامات پر لفظ ''۔الکتاب''۔ اور ''۔کتاب''۔ استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے بیشتر مقامات پر یہ لفظ قرآن کے لئے استعمال ہوا ہے راقم کے لئے یہ ناقابل قبول بات ہے کہ اللہ جل شانہٗ تو بار بار قرآن کے لئے لفظ الکتاب اور کتاب استعمال فرمائے اور ہم چند روایات پر اعتماد کر کے یہ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں قرآن کسی بھی چیز پر نہیں لکھا گیا یا یہ کہ حضور کی زندگی میں قرآن بصورت کتاب مدون نہیں ہوا تھا۔

تدوین کے متعلق شکوک پیدا کرنے کی مہم

اس کتاب میں ''۔ادیان حقہ کے خلاف یہودی تحریک''۔ کے زیر عنوان ہم نے ثابت کیا ہے کہ یہودی تمام الہامی کتب اور مذاہب کی بیخ کنی کی مہم پچھلے ڈھائی ہزار سال سے چلا رہے ہیں۔ یہود نے مخصوص ہتھکنڈے استعمال کر کے پہلے اپنے انبیاء پر نازل شدہ الہامی کتب کو تبدیل و متغیر کیا پھر حضرت عیسیٰ علیہ سلام پر نازل ہونے والی الہامی کتاب کو غائب اور مبدل کر ڈالا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی آخری الہامی کتاب میں تحریف و تغیر کی کوشش کی لیکن اس آخری الہامی کتاب کے تحفظ کی ذمہ داری خود رب العالمین نے لے لی تھی اس لئے یہود اور اُن کے منافق مسلمان

Marfat.com

کارندے قرآن میں کسی بھی قسم کی تحریف نہ کر سکے۔ آیات قرآنی کے حفظ ونقل کا سلسلہ پہلی وحی نازل ہونے کے بعد سے شروع ہوکر مستقلاً جاری رہا۔ اس لئے کوشش کے باوجود یہودی تنظیم قرآن کی کسی بھی آیت کو نہ بدل سکی البتہ اُنہوں نے لاکھوں احادیث گھڑ کر مشہور کر ڈالیں ان کے اس وار کو بھی آئمہ حدیث نے بڑی حد تک غیر مؤثر کر دیا۔ پھر بھی امت مسلمہ یہود کے اس سازشی عمل سے پوری طرح محفوظ نہ رہ سکی۔ اس تنظیم کے افراد بھیس بدل کر علماء اور مشائخ کی صورت میں بھی سازشی عمل کرتے رہے۔ ان کی دست برد سے قرآن حکیم تو محفوظ رہا لیکن حدیث۔ فقہ اور تاریخ کی کتب میں یہ لوگ تحریف والحاق کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اُن لوگوں نے ایسی روایات گھڑیں جن سے تدوین قرآن کے متعلق لوگوں کے اذہان میں شکوک پیدا ہوں۔ ایک خاص طبقہ کی قدیم بنیادی کتب میں دعویٰ کیا گیا کہ اصل الہامی نسخہ میں سترہ ہزار آیات تھیں اور یہ آیات ایسی تھیں جو مروجہ قرآن میں تحریر نہیں ہیں۔ ساٹھ سے زائد قرآنی آیات کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ ان میں تحریف ہوئی ہے۔ فلاں آیت کا متن یہ نہیں بلکہ یہ تھا جسے تبدیل کر دیا گیا۔ اس قسم کی خرافات کو معتبر بنانے کے لئے ضروری تھا کہ آئمہ حدیث کی کتب میں بھی ایسی روایات گھسیڑی جائیں جن سے تدوینِ قرآن کے متعلق شکوک پیدا ہوسکیں۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمانؓ نے قرآن کی نشر واشاعت کے لئے جو خصوصی کاوش کی ان کے اس عمل کو شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا مذکورہ زیر بحث احادیث سے بھی قرآن کی تدوین کے متعلق شبہات کی راہ کھلتی ہے اسی قسم کی دو روایات صحیح بخاری کتاب التفسیر میں سورۃ فلق اور سورۃ الناس کے سلسلہ میں نقل کی گئی ہیں۔ ان روایات کا ترجمہ یہ ہے:۔

۱) ''ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا۔ کہا ہم سے سفیان بن عینیہ نے اُنہوں نے عاصم اور عبدہ بن ابی لبابہ سے۔ دونوں نے زر بن حبیش سے انہوں نے کہا میں نے ابی بن کعب سے معوذتین (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) کیلئے پوچھا (کیا یہ سورتیں قرآن میں شامل ہیں) اُنہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا جبرائیل کی زبانی مجھے حکم ہوا۔ یوں کہہ۔

Marfat.com

(قل اعوذ برب الفلق۔قل اعوذ برب الناس۔آخر تک) ہم وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کہا''۔

۲) ''ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا۔کہا ہم سے سفیان عینیہ نے کہا ہم سے عبداللہ بن ابی لبابہ نے انہوں نے زر بن حبیش سے سفیان نے کہا میں نے ابی بن کعبؓ سے پوچھا۔ابومنذر (ابی بن کعب کی کنیت) تمہارے (دینی) بھائی عبداللہ بن مسعودؓ ایسا ایسا کہتے ہیں (کہ معوذتین قرآن میں داخل نہیں ہیں) انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ نے فرمایا مجھ سے یوں کہا گیا کہ ایسا کہہ میں نے کہا۔تو ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے کہا۔''

ایک ہی مفہوم کی ان دو حدیثوں سے اس شک کی راہ ہموار ہوتی ہے کہ آیا مذکورہ دو سورتیں قرآن میں داخل تھیں یا نہیں۔ان سورتوں کے قرآن میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صاف اور حتمی جواب کی بجائے مبہم بات کہلوائی گئی ہے۔ان روایات کو کتاب میں لکھنے کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا کسی بھی حدیث میں عبداللہ بن مسعود کا یہ قول منقول نہیں کہ معوذتین قرآن میں داخل نہیں۔کوئی ایسی حدیث بھی نہیں ملتی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ صحابہء کرام یا تابعین کو قرآن میں معوذتین کی شمولیت پر شک تھا۔معوذتین کے متعلق شک صرف مذکورہ دو حدیثوں سے ہی پیدا ہوتا ہے۔اس قسم کی شکوک پیدا کرنے والی احادیث کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ ادیان حقہ کے خلاف یہودی تحریک کے کارندوں نے ایسی روایات گھڑ کر مشہور کیں اور ان میں سے کچھ روایات آئمہ حدیث کے نسخوں میں بھی گھسیڑ دیں۔یہ اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ پر خاص کرم ہے کہ یہود کی ہمہ جہتی سازشوں کے باوجود متن قرآن اپنی اصل پر قائم اور ہر شک وشبہ سے بالا رہا اور قرآن میں تحریف کے متعلق اُمت مسلمہ کبھی بھی شک وشبہ کا شکار نہ ہوئی۔

Marfat.com

جمع القرآن اور سیدنا ابو بکر صدیق

صحیح بخاری کے باب جمع القرآن میں منقول احادیث پر ہم پچھلے صفحات میں تبصرہ و تنقید کر چکے ہیں۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ ابن شہاب سے مروی مذکورہ احادیث غیر معتبر اور خلاف حقیقت ہیں۔ قرآن کے متعدد نسخے رسالت مآب ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی مرتب ہو گئے تھے اور اصحاب کرام ان نسخوں کی تلاوت کرتے تھے۔ متن قرآن کو حیطہ تحریر میں لانے یا اُسے کتاب کی صورت میں جمع کرنے کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیق کے دور خلافت سے شروع نہیں ہوا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ابتدائی دور سے ہی شروع ہو گیا تھا اور جب آپ نے انتقال فرمایا اس وقت صحابہء کبار کے پاس قرآن کے نسخے موجود تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق بھی کاتبان وحی میں شامل تھے یقیناً آپ نے بھی اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے قرآن کا نسخہ تحریر کر لیا ہو گا۔

حضرت ابو بکر صدیق نہ جامع القرآن تھے اور نہ ہی آپ کے حکم سے قرآن جمع و تدوین کیا گیا۔ بحثیت امیر المومنین قرآن کی اشاعت کا انتظام و تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں اسی طرح داخل تھا جس طرح بعد کے ہر دور میں مسلمانوں کے ہر امیر کے فرائض منصبی میں داخل رہا ہے تاریخِ عرب سے پتہ چلتا ہے کہ سرزمین حجاز کے باشندے لکھنے پڑھنے سے بہت کم دلچسپی رکھتے تھے۔ اُن کا علم اُن کے حافظوں میں محفوظ رہتا تھا۔ اس علاقہ کے باشندے بہت بڑے نساب اور علم الرجال کے ماہر تھے۔ اس کے باوجود بہت بھاری اکثریت لکھنے پڑھنے کے فن سے محروم تھی لکھنا پڑھنا نہ جاننے والے کو عربی میں۔ اُمّی۔ کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں بھی مذکورہ علاقہ کے باشندوں کو اُمّی کہا گیا ہے۔ نزول قرآن کے بعد اس خطہ کے لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف مبذول ہوئی اس سے قبل یہ خطہ الہامی کتاب کے نزول سے محروم رہا تھا۔ قرآن پہلی اور آخری الہامی کتاب تھی جو اس خطہ میں نازل ہوئی۔ ہجرت نبوی کے بعد رفتہ رفتہ مسلمانوں کو عروج حاصل ہونے لگا بالآخر رسالت مآب ﷺ کی زندگی میں ہی دین اسلام پورے خطہ عرب پر غالب اور جاری ہو گیا اور اس علاقہ کی کم و بیش نوے فیصد آبادی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ قرآن کی تلاوت

Marfat.com

امت پر فرض کی گئی تھی ہر روز پانچ وقت کی نماز میں قرآن پڑھنا ہر مسلمان کا معمول تھا۔ ماہ رمضان میں خصوصیت کے ساتھ مسلمان تلاوت کرتے تھے قرآن اور شعائر اسلام کی تعلیم و تربیت کے لئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیقؓ کو بڑے پیمانہ پر انتظام کرنا پڑا۔ اس تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں قرآن کی سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲ میں اللہ تعالیٰ نے بھی تدریس و تربیت کے لئے یہ ہدایت فرمائی تھی۔

ترجمہ: اور کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اُن کی بستی کے ہر حصہ سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کا علم حاصل کرتے اور واپس جا کر اپنی بستی کے لوگوں کو بتاتے تا کہ وہ پرہیز گار بنتے۔

مختصر یہ کہ قرآن کے نزول نے عرب کے خطے کے باشندوں کے نہ صرف عقائد بلکہ زندگی کے بیشتر عمل اور طرز عمل کو بدل کر رکھ دیا۔ محض قرآن کی وجہ سے اس خطے کے ناخواندہ لوگوں میں خواندگی کی تحریک چلی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس خطہ میں خواندگی کا تناسب اپنی ہمعصر اقوام کی خواندگی کے تناسب سے غیر معمولی حد تک بڑھ گیا۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ دور قدیم میں اس علاقہ کے باشندے دباغت کی ہوئی پتلی کھالوں۔ اونٹ اور گائے وغیرہ کے شانہ کی چوڑی ہڈیوں۔ پتھر اور لکڑی کی مسطح تختیوں۔ چھالوں وغیرہ پر لکھتے تھے۔ لاکھوں افراد کے مسلمان ہو جانے اور ہر گھر میں قرآن کی تلاوت کئے جانے کے باعث قرآن کے نسخوں کی طلب میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ اس طلب کو چمڑے ہڈیوں اور تختیوں پر لکھ کر پورا نہ کیا جا سکتا تھا۔ مصر میں کئی صدی قبل کاغذ ایجاد ہو چکا تھا اس لئے خطہ عرب میں کاغذ کی فراہمی کا بندوبست مصر اور دیگر ممالک سے کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے صرف یہ امتیازی کام کیا تھا کہ قرآن کی کتابت مصری کاغذ پر شروع کرا دی تھی۔ اس کتابت کے لئے آپ نے حضرت زید بن ثابت اور دیگر مشاق کاتبان وحی کو مقرر فرمایا ہوگا اور یقیناً یہ ہدایت بھی دی ہوگی کہ کتابت میں کوئی کمی یا غلطی نہ ہونے پائے۔ آپ کے اس عمل کو ایک داستان کی شکل دیدی گئی اور مذکورہ روایات کتب حدیث میں داخل ہو گئیں۔

کیا جامع القرآن عثمانؓ بن عفان تھے

یہ مقفیٰ جملہ جامع القران عثمانؓ بن عفان اہل سنت کے خطبہء جمعہ میں پڑھا جاتا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حضرت عثمانؓ جامع القرآن نہیں تھے۔ اُن کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ اُنہوں نے قرآن جمع کروا کر اسے کتاب کی شکل دی اور اس کے کئی نسخے کتابت کروا کر بلاد اسلامی میں بھجوا دیے۔ صحیح بخاری کے باب جمع القرآن میں ابن شہاب کے حوالہ سے یہ حدیث درج ہے۔

ترجمہ: ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا۔ کہا ہم سے ابراہیم بن سعد العونی نے۔ کہا ہم سے ابن شہاب نے اُن سے انس بن مالک نے بیان کیا کہ۔ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے پاس آئے وہ شام اور عراق کے مسلمانوں کی معاونت میں آرمینیہ اور آذربائیجان فتح کرنے کے لئے جنگ کر رہے تھے۔ حذیفہ اس بات سے گھبرائے ہوئے تھے کہ اُن لوگوں نے قرآن کی قرأت میں اختلاف کیا۔ وہ حضرت عثمانؓ سے کہنے لگے امیر المومنین اس سے قبل کہ مسلمان یہود اور نصاریٰ کی طرح قرآن میں اختلاف کرنے لگیں امت کی خبر لیجئے یہ سن کر حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کہلا بھیجا کہ اپنا مصحف ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم اس کی نقل اتار کر واپس کر دیں گے ام المومنین نے مصحف بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ کو حکم دیا۔ انہوں نے اس کی نقول تیار کیں۔ حضرت عثمانؓ نے قریش کے تینوں اصحاب سے یہ بھی کہا کہ اگر تم میں اور زید بن ثابتؓ (انصاری) کے درمیان قرأت پر اختلاف ہو جائے تو تم قریش کی قرأت کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن قریش کے لحن و آہنگ میں اترا ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب مصحفوں کو تیار کر چکے تو حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو ان کا مصحف واپس بھجوا دیا اور تیار شدہ مصحف میں سے ایک ایک مصحف ہر (مسلم) ملک میں بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اس

Marfat.com

مصحف کے علاوہ لوگوں کے پاس جو الگ الگ ورقوں اور پرچوں پر قرآن لکھا ہوا ہے اس کو تلف کر دیا جائے۔

صحیح بخاری میں درج بالا روایت کے ضمن میں ابن شہاب کے حوالہ سے ہی یہ روایت بھی درج ہے۔

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا مجھ سے خارجہ بن زید بن ثابت نے بیان کیا۔ انہوں نے زید بن ثابتؓ سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ۔ جس زمانہ میں ہم مصحف لکھ رہے تھے اس وقت سورۃ احزاب کی ایک آیت کا پتہ نہ چلا وہ (حضرت حفصہؓ کے) مصحف میں بھی نہ تھی اور میں نے (بارہا) رسول اللہ ﷺ کو وہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا۔ ہم نے اس کی تلاش کی آخر وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس لکھی ہوئی ملی وہ یہ آیت تھی۔

''من المومنین رجال صدقو اماعاھدوا اللہ علیہ۔''

ہم نے اس آیت کو سورۃ الاحزاب میں شامل کر دیا۔

درج بالا روایات صحیح ہوں یا غلط ان سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمان غنی نے متنِ قرآن جمع اور تدوین کیا یا کروایا تھا۔ پہلی روایت میں حذیفہ بن یمانؓ کا مفتوحہ ممالک سے آنا اور ان علاقوں میں اختلاف قرأت پیدا ہو جانے کی خبر حضرت عثمانؓ کو دینا اور امیر المومنین کو اس کا سد باب کرنے پر آمادہ کرنے کی تفصیل درج ہے۔ اس اطلاع کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے قرآن کے نسخے کتابت کروا کر بلاد اسلامی میں بھجوا دئے اور حکم دیدیا کہ اس نسخہ کے علاوہ جس کے پاس بھی قرآن کے جو نسخے یا اجزائے قرآن موجود ہوں انہیں تلف کر دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ کے اس عمل کو قرآن جمع کرنے کا عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسری روایت میں پھر شک کا ایک دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حکم پر جب حضرت زید بن ثابت نے بقول راوی قرآن تلاش اور جمع کرنا شروع کیا تھا اس وقت بھی سورہ توبہ کی آخری آیت حضرت زید بن ثابت کو نہیں مل رہی تھی

بہت تلاش کے بعد بالآخر وہ آیت ابوخزیمہؓ کے پاس مل گئی۔اس روایت میں بھی ایک اور آیت کے نہ ملنے کا ذکر موجود ہے اور بالآخر یہ آیت بھی خزیمہ بن ثابت کے پاس ہی ملی۔ ان روایات میں کسی نہ کسی آیت کے کھونے اور پھر مل جانے کا ذکر کیوں اور کس غرض و مقصد سے کیا گیا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ دور نبوی میں جمع اور تدوین کردہ قرآنی نسخوں کے متعلق شکوک پیدا کرنے کی بالواسطہ کوشش کی گئی ہے تاکہ لوگ گمان کرنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں قرآن کا جو متن تحریر کیا گیا تھا وہ مکمل نہ تھا یا اس کے بعض نسخوں سے کچھ آیات غائب تھیں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود میں اس وقت کی دو عظیم مملکتوں۔ ایران عظمیٰ اور رومتہ الکبریٰ کا کافی بڑا علاقہ شامل ہو چکا تھا۔ لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں مختلف نسل اور زبان کی اقوام آباد تھیں ان اقوام کے افراد مسلسل حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے اور نو مسلموں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی تھی۔ دین اسلام کی اساس قرآن پر قائم ہے۔ ہر مسلمان قرآن کی تلاوت کا پابند ہے یہ پابندی نو مسلموں پر بھی عائد ہوئی اور انہوں نے بھی اپنے اپنے لحن اور زبان کی خصوصیات کے ساتھ قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔قرآن کے اتنے نسخے تیار نہ کئے جا سکے تھے جو لاکھوں نو مسلموں کو مل سکتے۔اس صورت میں غالباً مختلف علاقوں کے نو مسلموں نے اپنے طور پر قرآن کے اجزاء جمع کر کے ان کی نقول تیار کرنی شروع کر دیں۔اس آزادانہ جمع اور تحریر کے نتیجہ میں دور افتادہ بلاد اسلامی کے مسلمانوں کے پاس قرآن کے ایسے نسخے یا اجزاء مرتب ہو سکتے تھے جن کی صحت کی کوئی ضمانت نہ ہوتی ۔ یہ صورت مستقبل میں اختلاف اور فساد پیدا کر سکتی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بحیثیت امیر المومنین ان خطرات کو محسوس کیا اور ان کا سدباب کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے تصدیق شدہ قرآن کے نسخے مرتب کروائے اور ایک ایک نسخہ ہر شہر میں اس حکم کے ساتھ بھجوا دیا کہ اس تصدیق شدہ نسخہ کو شہر کی جامعہ مسجد میں رکھ دیا جائے جو بھی شخص قرآن کا نسخہ مرتب کرنا چاہے وہ صرف اس مصدقہ نسخہ سے نقل کرے باقی قرآن کے جو نسخے یا اجزاء لوگوں نے لکھ رکھے ہیں انہیں حکومت اپنے قبضہ میں لے کر تلف کر دے۔ یہ ۲۵ ہجری کا واقعہ ہے حضرت عثمانؓ

Marfat.com

کے اس عمل سے قرآن کی نقل وکتابت میں غلطی کی ممکنہ راہ مسدود ہوگئی۔ اس وقت سے آج تک ہر مسلمان حکمراں اس امر کا ذمہ دار رہا ہے کہ اس کی قلمرو میں قرآن کی کتابت پوری صحت کے ساتھ عمل میں آئے۔ اگر کسی نسخہ میں کتابت کی غلطی پائی جائے تو اس نسخہ کو تلف کر دیا جائے چنانچہ آج پاکستان میں بھی اس مقصد کے لئے قانون موجود ہے۔

Marfat.com

متن قرآن کا تحفظ

نوع بشر کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خالق کائنات نے انبیاء ومرسلین مبعوث کئے اور الہامی کتب نازل فرمائیں صحف ابراہیم سے لے کر تورات سے انجیل تک جتنی بھی الہامی کتب نازل ہوئیں۔ نوع بشر ان کا تحفظ نہ کر سکی اور وہ کتب ضائع اور مبدل ہوگئیں۔ شاید نوع بشر میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ شیطانی دسیسہ کاریوں سے بچ کر الہامی کتب محفوظ رکھ سکتی بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب نازل فرمانے کا فیصلہ کیا اور اس کتاب کے تحفظ کی ذمہ داری خود لے لی تاکہ بنی نوع انسان تا قیامت اللہ کے احکام و ہدایات سے محروم نہ ہو۔

قرآن میں متن قرآن کی حفاظت کا ذمہ لینے کا اعلان اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

(سورۃ الحجر آیت ۹)

ترجمہ: ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور ہم (ہی) اس کے محافظ ہیں۔

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام اللہ کے تحفظ کا ذمہ دار ہے اس لئے سابق الہامی کتب کی طرح قرآن میں کوئی تغیر والحاق نہیں ہوسکتا۔ سورۃ الکھف کی ستائیسویں آیت میں اللہ جل شانہٗ نے یہ بھی فرمادیا کہ قرآن کے کلمات کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

ترجمہ: پڑھ دے جو تیری طرف وحی کی گئی تیرے رب کی کتاب سے۔اس کے کلمات کوئی نہیں بدل سکتا۔

سورۃ الکھف کی درج بالا آیات سے اس امر کا بھی تعین ہو جاتا ہے کہ قرآن میں درج کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کلمات کی تبدیلی میں ترتیب کی تبدیلی بھی شامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ترتیب آیات میں تبدیلی نہ ہونے کی بھی ذمہ داری لے لی تھی چنانچہ نزول قرآن کے دور سے آج تک چودہ سو سال کا عرصہ گزر گیا لیکن اس کتاب کا ایک حرف بھی متغیر نہ ہوسکا اس کے اصل متن میں نہ کوئی کمی واقع ہوئی اور نہ ہی اضافہ ہوا یہ صرف اور صرف اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے تحفظ کی ذمہ داری لے لی تھی۔

رب العالمین خالق کائنات نے فرمایا ہے کہ وہ جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے صرف حکم دے دیتا ہے اور وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔کن فیکون :۔ کا مطلب یہی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی امر کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ خود کچھ نہیں کرتا صرف حکم دیتا ہے اور اس کی مخلوق خود بخود اس حکم کی تعمیل کر دیتی ہے۔ یہ تعمیل فرشتے بھی کرتے ہیں۔اجرام فلکی بھی کرتے ہیں۔زمین کے مادی اجزا بھی کرتے ہیں اور ذی روح مخلوق بھی کرتی ہے۔رب العالمین نے اپنی کتاب کے تحفظ کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کی تکمیل اللہ نے اپنے بندوں کے ذریعہ کرادی۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کے تحفظ کے لئے ایسے بے خطا عمل پر اپنے بندوں کو لگا دیا جس سے متن قرآن ابدی طور پر کاملاً محفوظ ہو گیا۔تحفظ قرآن کے اس عمل کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہم ایک شک کو رفع کر دینا چاہتے ہیں۔وہ یہ کہ:

متن قرآن کے متعلق یہ امر مسلم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحی کے جو الفاظ صحابہ کرام کو لکھوائے اور حفظ کروائے تھے وہ الفاظ مِن وَعَن وہی تھے جو آج قرآن میں درج ہیں۔سوال یہ ہے کہ اس امر کا ثبوت اور ضمانت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ لکھوایا تھا وہ مِن وَعَن وہی تھا جو ان پر بذریعہ وحی نازل ہوا تھا۔ممکن ہے آپ کو کوئی جملہ یا لفظ یاد نہ رہا ہو یا کسی لفظ کے متعلق وہم یا مغالطہ ہو گیا ہو آپ نے وحی کے الفاظ سے مختلف کوئی بات لکھوادی ہو۔اس صورت میں ہم قرآن کے متن کو رسول اللہ ﷺ کے الفاظ

Marfat.com

کے مطابق تو کہہ سکتے ہیں لیکن وحی کے الفاظ کے مطابق نہیں کہہ سکتے۔

اس ممکنہ شبہ کو رفع کرنے کے لئے بھی ہم قرآن سے ہی سند اور ثبوت پیش کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ قیامہ آیات ۱۶۔تا۔۱۹ میں فرمایا ہے۔

ترجمہ: آپ اختتام وحی سے قبل اپنی زبان نہ ہلایا کریں تاکہ آپ اس (وحی) کو جلد حاصل کرلیں۔اس کا (آپ کے قلب میں) جمع کر دینا ہمارے ذمے ہے۔جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کا اتباع کریں۔پھر اس کا بیان کروا دینا بھی ہمارے ذمے ہے۔

ان آیات سے اس امر کی تصدیق ہو جاتی ہے کی اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کے متن کی حفاظت کی ذمہ داری لی بلکہ اس امر کی بھی ذمہ داری لی تھی کہ وحی الٰہی کا ہر لفظ رسول اللہ ﷺ کے قلب میں محفوظ فرما دے گا اور آپ کی زبان مبارک سے وحی کے الفاظ بھی ادا کروا دے گا۔اللہ جل شانہ کے اس وعدہ کی موجودگی میں کوئی بھی صاحب ایمان مسلمان یہ شک وگمان نہیں کرسکتا کہ وحی کے الفاظ کی ادائیگی میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی غلطی سرزد ہو سکتی تھی۔چنانچہ یہ دعویٰ بھی شک وشبہ سے بالا قرار دیا جائے گا کہ متن قرآن وحی کے الفاظ کے عین مطابق ہے۔اب رہے غیر مسلم تو وہ رسالت مآب ﷺ کو رسول ہی تسلیم نہیں کرتے اس لئے وہ قرآن کو الہامی کتاب بھی تسلیم نہیں کرتے۔

حفظِ قرآن کا تسلسل

اللہ تعالیٰ نے متن قرآن کے تحفظ کی جو ذمہ داری لی تھی اس ذمہ داری کی تکمیل کے لئے رب العالمین نے امت مسلمہ کے قلوب میں قرآن سے غیر معمولی شغف اور غیر معمولی احترام پیدا فرما دیا مسلمان خواہ کسی بھی ملک نسل اور زبان سے تعلق رکھتا ہو قرآن سے اس کی قلبی وابستگی غیر متزلزل ہوتی ہے۔اس قلبی تعلق نے مسلمانوں کو تاریخ کے ہر دور میں قرآن پڑھنے پڑھانے اور حفظ کرنے سے غافل اور بے تعلق نہ ہونے دیا۔ناخواندہ مسلمان بھی قرآن کی چند سورتیں ضرور حفظ کر لیتے ہیں اور خواندہ لوگوں کا معمول ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن ضرور پڑھاتے ہیں۔

Marfat.com

پچھلے صفحات میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کاتبان وحی مقرر فرمائے تھے۔ جب بھی کوئی وحی نازل ہوتی تھی رسول اللہ ﷺ کاتبان وحی کو طلب فرما کر انہیں وحی کا متن لکھوا دیتے تھے اس کے ساتھ آپ یہ بھی بتا دیتے تھے کہ ان آیات کو کس سورۃ میں کہاں لکھنا ہے۔ کاتبان وحی۔ نازل شدہ آیات کی کتابت کر کے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رکھوا دیتے تھے۔ اور ایک نقل خود اپنے لئے بھی تیار کر لیتے تھے۔ کتابت کے ساتھ ساتھ کاتبان وحی اور دیگر صحابہ کرام متن وحی زبانی بھی یاد کر لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے قلب میں وحی کے الفاظ جمع اور محفوظ کر دینے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اس لئے آپ کو متن وحی زبانی یاد کرنے کی زحمت نہ کرنی پڑتی تھی۔ ہر وحی کی آیات آپ کو خود بخود یاد ہو جاتی تھیں۔ اس طرح قرآن کے سب سے پہلے حافظ رسول اللہ ﷺ قرار پائیں گے اور آپ ہی سے قرآن کے حفظ کی ابتداء تسلیم کی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کثرت سے قرآن کے تلاوت فرماتے تھے۔ دوران سفر۔ خالی اوقات اور تہجد کے وقت قرآن کی تلاوت فرمانا آپ کا معمول تھا۔ صحابہء کرام مثالی حد تک رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔ جو بھی کام آپ کرتے اور جس طرح کرتے تھے صحابہء کرام بھی وہ کام اُسی طرح کرنے لگتے تھے۔ پھر اللہ نے قرآن کی تلاوت کا حکم دیا تھا اس لیے تمام صحابہء کرام کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر روز قرآن کی ایک منزل تلاوت کر لیتے تھے۔ جسے وہ حزب کہتے تھے۔ اس طرح وہ سات یوم میں پورا قرآن پڑھ لیتے۔ قرآن کی مستقل تلاوت کے نتیجہ میں بیشتر صحابہء کرام کو پورا قرآن زبانی یاد ہو گیا تھا اور شاید ہی کوئی ایسا صحابی ہو جسے قرآن کا بیشتر حصہ یاد نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہء کرام نے اپنی پوری توجہ جہاد اور تلاوت قرآن پر قائم رکھی جنگ ہو یا امن وہ مستقلاً قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ انہیں اس امر کا احساس تھا کہ اُن کا دور قرآن کی اشاعت و تعلیم کا خصوصی دور ہے۔ اس لیے وہ کچھ نہ پڑھتے تھے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھتے تھے سوائے قرآن کے۔ ان کے دور میں احادیث جمع اور تحریر کرنے پر توجہ نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ وہ اپنی توجہ قرآن کی تحریر و اشاعت پر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ یہی معمول تابعین نے بھی اختیار کیے

Marfat.com

رکھا۔

یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ تلاوت اور حفظ قرآن کا جو سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ بلا تعطل اُمت مسلمہ میں ہمیشہ جاری اور قائم رہا ہے آج بھی تلاوت اور حفظ قرآن کا سلسلہ جاری ہے اور کوئی مسلم ملک ایسا نہیں جہاں ہزاروں کی تعداد میں حفاظ قرآن موجود نہ ہوں مختصر یہ کہ پچھلے چودہ سو سال کے دوران ایسا کوئی دن نمودار نہیں ہوا جس میں اُمت مسلمہ حفاظ قرآن سے محروم رہی ہو۔

متن قرآن حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہو کر ایک نسل سے دوسری نسل کے سینوں میں منتقل ہوتا رہا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے رمضان میں باجماعت تراویح پڑھانے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ سلسلہ چودہ سو سال سے امت مسلمہ میں مستقلاً قائم ہے۔ تراویح میں تلاوت قرآن کے لئے بڑی تعداد میں حفاظ کی ضرورت نے امت کے لئے حفاظ قرآن کے وجود کو ناگزیر بنا دیا۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لئے ہر دور میں حفظ قرآن کا عمل حکومت اور دینی اداروں کی سرپرستی میں قائم و جاری رہا۔

یہ اللہ جل شانہ' کی حکمت اور قدرت کا نتیجہ اور قرآن کا معجزہ ہے کہ متن قرآن بسہولت حفظ ہو جاتا ہے۔ عربوں کے لئے تو قرآن حفظ کرنا مشکل نہیں تھا کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے اور عربی اُن کی مادری زبان تھی۔ ایران۔ افغانستان اور پاکستان میں بھی حفظ قرآن کے لئے ایک سہولت ہے وہ یہ کہ ان ممالک میں رائج رسم الخط عربی رسم الخط سے کافی ملتا ہے اور لحن و آہنگ میں بھی کافی مطابقت ہے لیکن بنگال۔ ملائیشیا۔ انڈونیشیاء وغیرہ میں مروج رسم الخط عربی رسم الخط سے قطعاً مختلف ہے اور ان ممالک کی زبانوں کا آہنگ بھی عربی سے مطابقت نہیں رکھتا۔ لیکن ان ممالک کے مسلمان باشندے بھی قرآن کو بسہولت حفظ کر لیتے ہیں جبکہ اتنی ضخیم کتاب کو حفظ کرنا بہت مشکل کام ہے خواہ وہ کتاب اپنی مادری زبان میں ہی کیوں نہ ہو۔ یہ صرف تائید الٰہی ہے کہ مسلمان خواہ کسی بھی ملک اور زبان سے تعلق رکھتا ہو وہ قرآن بسہولت حفظ کر لیتا ہے حفظ کے اس تسلسل نے قرآن کو ایسی محفوظ کتاب بنا دیا ہے کہ اگر کسی سماوی حادثہ کے نتیجہ میں دنیا کی تمام کتب اور تحریر شدہ مواد سوخت اور نابود ہو جائے تو دنیاء میں صرف ایک ہی ضخیم کتاب

Marfat.com

باقی رہ جائے گی اور وہ کتاب ہوگی۔ قرآن۔

اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی اُمت مسلمہ کو عطا فرمایا ہے کہ دنیا کے معروف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں صرف مسلمان ہی اپنی مذہبی الہامی کتاب کثرت سے تلاوت کرتے ہیں۔ کم وبیش ہر دو ہزار مسلمانوں میں ایک حافظ قرآن ہوتا ہے۔ مذہبی کتاب کے حفاظ کی اتنی بڑی تعداد مسلمانوں کے علاوہ دنیاء کی کسی بھی ملت یا مذہبی فرقہ میں نہیں پائی جاتی۔ دنیاء میں تعداد کے اعتبار سے سب سے بڑی امتِ مسیح ہے۔ یورپ اور امریکہ وغیرہ کے عیسائی عملاً نام کے عیسائی رہ گئے ہیں۔ یہود نے مغربی عیسائی قوم کو اپنے مذہب سے بیزار اور بے تعلق کر دیا ہے۔ عیسائی مذہب سے کسی قدر عملی تعلق رکھنے والے صرف برصغیر پاک و ہند۔ اور مشرق بعید کے عیسائی باشندے ہیں۔ لیکن ان علاقوں کے عیسائیوں میں بھی بہت کم ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں ایک بار اپنی کتب مقدسہ کو پڑھا ہو۔ رہے کتاب مقدسہ کے حافظ سو وہ آپ کو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔ صرف چند دعائیں اور مناجاتیں لوگوں نے حفظ کر رکھی ہیں جو مسیحی حضرات مختلف تقاریب میں پڑھ لیتے ہیں۔

یہودی عملاً بے حد مذہبی اور نسلی عصبیت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن آج کا یہود اپنی الہامی کتب سے قطعاً بے بہرہ ہے کیونکہ اس کی اصل الہامی کتب صدیوں قبل نابود ہو گئی تھیں۔ الہامی کتب کے نام پر آج جو کتب یہود میں رائج ہیں جنہیں عہد نامہء عتیق کہا جاتا ہے یہودی عوام اس سے بھی بے تعلق رہتے ہیں۔ وہ صرف تالمود پڑھتے ہیں لیکن سب نہیں صرف وہ یہودی جو مذہبی عالم کہلاتے ہیں یا وہ قریب المرگ لوگ جنہیں دنیاء میں اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ عہد نامہ عتیق یا تالمود کے حافظ یہود میں مفقود ہیں۔ عہد نامہء عتیق کا حافظ تو صدیوں قبل بھی کوئی نہ تھا حتیٰ کہ یہودی احبار بھی اس کے حافظ نہ تھے۔

ہندو مذہب جو اپنی بنیادی الہامی کتاب وید کو قرار دیتا ہے اُس نے اپنی کم وبیش نوے فیصد آبادی کے لئے اُن کا پڑھنا تو کیا اس کا کوئی اشلوک سننا بھی گناہ اور جرم قرار دیدیا تھا۔ صرف برہمن اور اس کی اولاد۔ وید۔ پڑھ اور سن سکتی تھی۔ برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ وہ وید پڑھتے اور اپنے شاگردوں کو پڑھاتے ہیں۔ برہمنوں میں دو طبقے ہیں ایک وہ

جو صرف نسلاً برہمن ہیں جیسے پنڈت جواہر لال نہرو وغیرہ جنہوں نے شاید وید کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی دوسرا طبقہ مذہبی علماء کا ہے جنہیں پنڈت کہا جاتا ہے۔ نسبتاً ان کی تعداد بہت کم ہے اور ان لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ وید پڑھتے اور اپنے شاگردوں کو پڑھاتے ہیں۔ چونکہ یہ پڑھنا اور پڑھانا عام لوگوں کے سامنے نہیں ہوتا صرف برہمنوں کو اس طرح پڑھایا جاتا ہے کہ کوئی دوسرا دیکھ اور سن نہ سکے اس لئے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں کہ فی الحقیقت وہ کیا پڑھتے پڑھاتے ہیں اور برہمنوں میں وید کے عالموں کا تناسب کیا ہے۔ جہاں تک عام ہندوؤں کا تعلق ہے وہ گیتا اور رامائن کے کچھ اشلوک پڑھ لیتے ہیں ان کی پوجا پاٹ میں ہندی زبان کی ملاوٹ شامل ہوتی ہے جو مختلف ادوار میں ہندی زبان کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی ہے۔ بدھ مت میں خدا کا وجود ہی نہیں ہے اس لئے ان کے ہاں الہامی کتاب سرے سے ہے ہی نہیں۔ بدھ مت میں مہاتما بدھ کے اس علم کو جو انہیں شجر دانش کے سائے میں حاصل ہوا تھا الہامی کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ مذکورہ ہر مذہب کی طرح بدھ مذہب میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ اختصار کا راستہ اختیار کیا گیا ہے اس مذہب کے عام لوگ بھی مختصر مناجات پر اکتفا کرتے ہیں۔

دنیا میں صرف دین اسلام وہ دین اور ملت مسلمہ وہ ملت ہے جو غیر مشکوک الہامی کتاب کی حامل ہے اس ملت کے افراد کی اکثریت اپنی الہامی کتاب کو لازمی طور پر پڑھتی ہے کم و بیش ہر دو ہزار افراد میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے جسے پوری الہامی کتاب زبانی یاد ہوتی ہے اور وہ پابندی کے ساتھ اس کا دور کرتا رہتا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اللہ نے اس وعدے کی تکمیل امت مسلمہ میں قرآن سے غیر معمولی دلچسپی پیدا کر کے اور حفاظ قرآن کے سلسلے کو مستقلاً قائم رکھ کر کرادی۔ متن قرآن کی حفاظت کا یہ غیر معمولی اور نہایت معتبر ذریعہ رسول ﷺ کے دور سے لے کر آج تک مسلسل قائم رہا ہے۔

کتابت قرآن کا تسلسل

جیسا کہ قرآن اور احادیث کے حوالوں سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ متن قرآن کی

Marfat.com

کتابت کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں شروع ہو گیا تھا اور نزول وحی کے ساتھ ہی اس کی کتابت رسول اللہ ﷺ کی براہ راست نگرانی میں کر دی جاتی تھی نازل شدہ وحی کا متن لکھنے کے بعد صحابہ کرام اسے یاد بھی کر لیتے تھے اس طرح وحی کی کتابت اور حفظ کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ قرآن اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ رسول ﷺ کے دور میں نازل شدہ آیات کو صحیفہ کی شکل میں مدون کیا جاتا تھا اور ایسے صحیفے کے کئی نسخے موجود تھے۔ روایات کے مطابق کتابت شدہ آیات کی ایک نقل رسول اللہ ﷺ کے خانہ مبارک میں محفوظ کر دی جاتی تھی۔ مکہ مکرمہ میں نازل تمام آیات کی کتابت کی جا چکی تھی اور انہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک لکڑی کے صندوق میں محفوظ کر دیا تھا۔ ہجرت کے وقت یہ صندوق بحفاظت مدینہ منورہ منتقل کر دیا گیا۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اس صندوق کی رعایت سے مسجد کے اس ستون کا نام جس کے پاس یہ صندوق رکھا گیا تھا۔ اسطوانۃ المصحف۔ پڑ گیا تھا۔ لوگ اس صندوق میں رکھی ہوئی کتابت شدہ آیات کو نکال کر پڑھتے اور اس کی نقل تیار کرتے تھے۔

مکہ مکرمہ کے مقابلہ میں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے حق میں حالات بہت سازگار تھے اس لیے کتابت قرآن کا کام مدینہ منورہ میں نسبتاً بہت زیادہ ہوا۔ وہ آیات جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھیں ان کی نقول تیار کرنے کے ساتھ ساتھ مدینہ میں نازل ہونے والی، آیات کی نقول بھی تیار کی جاتی رہیں۔ فتح مکہ کے بعد خطہ عرب کے نوے فیصد باشندے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے ان نو مسلموں کو قرآن کی تعلیم اور دین کی تربیت دینے کے لئے رسول اللہ نے خصوصی انتظامات فرمائے اصحاب کرام کی ایک جماعت درس و تربیت دینے کے لئے مسجد نبوی کے باہر ایک سائبان کے نیچے شب و روز موجود رہتی تھی ان حضرات کو اصحاب صفہ۔ یعنی چبوترے والے اصحاب کہا جاتا تھا۔ یہ حضرات مدینہ منورہ میں باہر سے آنے والے نو مسلموں کو قرآن کا درس اور ارکان دین کی تربیت دیتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد یکا یک مسلمان ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ دو لاکھ ہو گئی۔ یہ لوگ خطہ عرب کی مختلف بستیوں میں رہتے تھے۔ قرآن میں مذکور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہر بستی سے چند ذہین اور سمجھدار لوگ مدینہ منورہ آتے تھے اور مدینہ میں

Marfat.com

قرآن اور ارکان دین کی تعلیم و تربیت حاصل کر کے اپنی اپنی بستیوں میں واپس پہنچ کر قرآن کی تعلیم اور ارکان دین کی تربیت دینا ان حضرات کے ذمے تھا۔ مسلمانوں کی تعداد میں یکایک غیر معمولی اضافہ ہو جانے کے باعث قرآن کے نسخوں کی طلب میں اضافہ ہونا قدرتی امر تھا۔ اس طلب کو پورا کرنے کے لئے قرآن کے نسخے بکثرت تیار کیے گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرآن کی کتابت کے لئے مصری کاغذ کو رائج کیا۔ کاغذ کی فراہمی کے باعث قرآن کے نسخے مرتب کرنے میں بہت سہولت پیدا ہو گئی اور اس طرح قرآن کے متعدد نسخے وجود میں آ گئے۔ یہ سلسلہ حضرت عمر بن الخطاب کے دور خلافت میں بھی جاری رہا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے دور خلافت میں قرآن کی کتابت پر پہلی بار سرکاری طور پر پابندی لگائی گئی۔ اس سے قبل لوگ بلا روک ٹوک قرآن کے نسخے مرتب کرتے تھے۔ اس طرح قرآن کی کتابت میں غلطی اور اختلاف پیدا ہونے کا امکان تھا حضرت عثمان غنی نے اس غلطی کے امکان کا سد باب کیا۔ آپ نے قرآن کے ماہر کاتب اور حفاظ کی ایک جماعت مقرر کی اور ان سے قرآن کے نسخے مرتب کروائے۔ ان نسخوں کو مسجد نبوی میں حفاظ اور دیگر مسلمانوں کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا اور ان کی صحت کی تصدیق سرکاری طور پر کی گئی۔ ان مصدقہ نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ تمام بلاد اسلامی میں بھجوا دیا گیا۔ حکم دیا گیا کہ یہ نسخہ شہر کی جامع مسجد میں رکھ دیا جائے شہر کے لوگ صرف اس نسخہ سے نقل کریں۔ جو نسخے یا قرآن کے اجزا لوگوں کے پاس موجود ہیں صوبائی حکومت ان نسخوں اور اجزاء کو اپنی تحویل میں لے کر تلف کر دے۔ خلیفۂ وقت کے اس حکم نے امت مسلمہ کو ایک ممکنہ فتنہ سے محفوظ کر دیا۔ جن لوگوں نے اپنے طور پر قرآن کے نسخے اور اجزاء تیار کئے تھے ان میں سے کسی میں کتابت یا ترتیب کی کوئی غلطی ہوتی تو سو دو سو سال بعد ایسا نسخہ برآمد ہونے پر لوگ اس کی قدامت کے پیش نظر شک میں مبتلا ہو جاتے اور صحیح اور غلط متن کی بحث شروع ہو جاتی۔ سیدنا حضرت عثمانؓ بن عفان کے اس اقدام نے مذکورہ فتنہ کے امکانات ختم کر دیئے۔ حکومت نے تمام غیر مصدقہ نسخے اور اجزاء قرآن اپنی تحویل میں لیکر انہیں تلف کر دیا۔ تاریخ میں حضرت انس بن مالکؓ کا حضرت عثمانؓ کے اس اقدام پر جو

Marfat.com

اعتراض مرقوم ہے وہ ثبوت ہے اس امر کا کہ خلیفہ وقت کے مذکورہ حکم پر بلاتفریق واستثنیٰ عمل کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ۲۵ھ ہجری سے قبل تحریر کردہ قرآن کا کوئی نسخہ یا اس کا کوئی جزو کہیں بھی نہیں ملتا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان نے ۲۵ھ ہجری میں سرکاری نسخے مرتب کروائے تھے ان نسخوں میں سے کم از کم دو نسخے آج بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نسخہ حضرت عثمان کے زیر تلاوت رہتا تھا اس رعایت سے اُس نسخے کا نام ''مصحف امام'' پڑ گیا۔ شہادت کے وقت حضرت عثمان اسی نسخے کو پڑھ رہے تھے۔ آپ کا خون اس نسخہ میں درج جس آیت پر گرا وہ آیت یہ تھی۔

فَإِنْ ءَامَنُوا۟ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَوا۟ ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّمَا هُمْ فِى شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ ٱللَّهُ ۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ

مصحف امام

آج قرآن کے جو دو قدیم ترین قلمی نسخے موجود ہیں اُنہیں ۲۵ھ ہجری میں تحریر کیا گیا تھا ان میں سے ایک نسخہ حضرت عثمانؓ بن عفان کے زیر تلاوت رہا اس لیے اُسے مصحف امام قرار دیا جا سکتا ہے لیکن آج دو ایسے نسخے موجود ہیں جن کے لئے مصحف امام ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک نسخہ تاشقند میں محفوظ ہے اور دوسرا ترکی کے قدیم شہر استنبول کے توپ کاپی عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔ ان دو نسخوں میں سے کوئی ایک نسخہ مصحف امام ہے اس کا فیصلہ ان دونوں نسخوں کی پشت پر موجود تاریخی شہادتوں کی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ یہ دونوں نسخے قدیم اور ۲۵ھ ہجری کے دوران کتابت کئے گئے نسخوں میں سے ہیں۔ کسی قلمی نسخے یا دستاویز وغیرہ کی قدامت اور اصلیت معلوم کرنے کے لئے چند اصول قائم کئے گئے ہیں۔ دور حاضر میں کاغذ۔ چمڑے بارچے وغیرہ جس پر کتابت کی گئی ہو اور وہ سیاہی جس سے عبارت لکھی گئی ہو اُن کا کیمیاوی تجزیہ کر کے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس دور اور کس سن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح تحریر کی قدامت کا بڑی حد تک درست اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کیمیاوی تجزیہ کی بنا پر اب یہ ممکن نہیں رہا

Marfat.com

کہ نو سو سال قبل کی تحریر کو ایک ہزار سال قبل کی تحریر ثابت کیا جا سکے۔

قدامت کی تحقیق کا دوسرا حصہ رسم الخط سے تعلق رکھتا ہے۔ بشمول عربی مختلف زبانوں کے رسم الخط میں جو ارتقائی تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کی تفصیل مرتب کر لی گئی ہے اور ماہرین تحریر شدہ مواد کو دیکھ کر یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کس دور اور کس صدی کی تحریر ہے۔ اہم تاریخی دستاویزات اور کتب کی قدامت اور اصلیت کو پرکھنے کا تیسرا ضابطہ یہ ہے کہ اس دستاویز یا کتاب کے متعلق معلوم کیا جائے کہ اس کے حق میں کس حد تک تاریخی کوائف اور شہادتیں موجود ہیں۔ جس دستاویز کی تاریخ جس حد تک مکمل ہو گی اسی حد تک وہ دستاویز معتبر قرار دی جائے گی۔

تحقیق کے ان اصولوں کے مطابق تاشقند کا قلمی نسخہ ''مصحف امام'' ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس نسخہ کی تاریخ غیر مکمل اور غیر مستند ہے۔ اس نسخہ کے متعلق بالتحقیق صرف یہ معلوم ہے کہ یہ مصحف سمرقند میں خواجہ عبید اللہ احرار کی مسجد میں رکھا تھا ۱۸۸۹ء میں زار روس نے سمرقند فتح کیا اور اس نسخہ کو سینٹ پیٹرز برگ کے شاہی کتب خانے میں منتقل کر دیا۔ زار کی حکومت ختم ہونے کے بعد سوشلسٹ حکومت نے اس نسخہ کو ۱۹۱۸ء میں سینٹ پیٹرز برگ کے کتب خانہ سے نکال کر سمرقند کی بجائے تاشقند منتقل کر دیا جہاں وہ آج تک موجود ہے۔

سمرقند میں یہ نسخہ کون اور کب لایا۔ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک مشہور روایت تو یہ ہے کہ تیمور لنگ بغداد سے اس نسخہ کو لایا تھا اور اس نے سمرقند میں خواجہ عبید اللہ احرار کی مسجد میں اسے رکھوا دیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ تیمور لنگ کا ایک سردار ابوبکر قفال الشاشی اس نسخہ کو سمرقند لایا۔ پہلے ہم تیمور کے متعلق روایت پر تحقیقی نظر ڈالتے ہیں۔ بلاشبہ سمرقند تیمور کا پایہء تخت تھا اور اس نے مفتوحہ علاقوں کی دولت اور نوادرات اس شہر میں جمع کر دی تھیں تیمور نے اپنی سرگزشت بھی تحریر کی تھی جسے ''تزک تیموری'' کہا جاتا ہے اور وہ ترکی اور فارسی زبان میں آج بھی موجود ہے۔ مذکورہ خودنوشت میں تیمور نے اپنی فتوحات کے علاوہ مختلف شہروں اور معروف لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے اور وہاں کے باشندوں کی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ بعض نوادرات اور عجائبات کا بھی ذکر تزک تیموری میں درج ہے۔ بغداد کے متعلق بھی کافی تفصیل اس سرگزشت میں ملتی ہے۔ مصحف

Marfat.com

امام ایک تاریخی نسخہ تھا جسے صدیوں سے مسلمان احترام اور تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے تیمور لنگ اہل سنت کے عقیدہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اگر تیمور مصحف امام بغداد سے اپنے دار الخلافہ سمرقند منتقل کرتا تو یہ اس کی زندگی کے اہم اور تاریخی واقعات میں سے ایک ہوتا اور وہ یقیناً بڑے فخر اور عقیدت کے ساتھ اس واقعہ کو اپنی سرگزشت میں درج کرتا۔ لیکن تزک تیموری میں کہیں اس واقعہ کا ذکر موجود نہیں۔ حتیٰ کہ تیمور نے یہ بھی نہیں لکھا کہ اس نے بغداد میں اس مصحف کی زیارت کی تھی کئی قدیم مورخ اور سیاحوں نے اپنی کتب میں اس مصحف کے بغداد میں محفوظ ہونے اور اس کی زیارت کرنے کا ذکر کیا ہے لیکن تیمور نے ایسا کوئی ذکر اپنی سرگزشت میں نہیں کیا۔

تیمور لنگ جس ملک اور شہر کو فتح کرتا تھا اس ملک میں موجود خزانوں اور نوادرات کے ساتھ ساتھ بہترین کاریگروں۔ عالموں اور ماہرین فن کو بھی اپنے ساتھ سمرقند لے جاتا تھا۔ اس معمول کے مطابق دمشق فتح کرنے کے بعد دمشق کے مشہور عالم اور مورخ ابن عمر بشاہ کو تیمور اپنے ساتھ سمرقند لے گیا۔ ابن عمر بشاہ نے بحالت مجبوری سمرقند میں قیام کیا اور تیمور کی موت کے بعد دمشق واپس آ کر اس نے اپنی مشہور کتاب ''عجائب الدھر فی وقائع تیمور'' تحریر کی۔ اس کتاب میں تیمور کی فتوحات اور مختلف واقعات کی تفصیل درج ہے۔ لیکن اس میں بھی مصحف امام بغداد سے سمرقند منتقل کرنے کا ذکر موجود نہیں۔ ابن عمر بشاہ نے سمرقند میں مصحف امام کی موجودگی کا بھی کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ نسخہ تیمور لنگ سمرقند نہیں لایا تھا اور نہ ہی اس کے دور میں یہ نسخہ سمرقند یا بغداد میں تھا۔ امیر تیمور کے سردار ابوبکر قفال الشاشی کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ بغداد سے مصحف امام کو سمرقند لانے والا ابوبکر قفال الشاشی تھا۔ سمرقند کا قدیم نام ''شاش'' تھا۔ ابوبکر قفال کے نام کے ساتھ شاشی کا لاحقہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ شاش کا باشندہ تھا کہا جاتا ہے کہ اس نے مصحف امام کی اپنے آبائی شہر میں منتقلی کو اپنے لیے افتخار اور اپنے آبائی شہر کے لئے باعث برکت سمجھا اور وہ بغداد سے یہ نسخہ سمرقند لے آیا۔ ابوبکر قفال تیمور کا ہی ایک سردار اور فوجی کمانڈر تھا۔ اس کے اس اہم اقدام کے متعلق اگر امیر تیمور نہیں تو کم از کم مورخ ابن عمر بشاہ تو اپنی کتاب میں اس کا ذکر کرتا۔ لیکن ابن عمر بشاہ نے سمرقند میں مصحف امام کی موجودگی تک کا ذکر نہیں کیا۔

تاشقند میں موجود نسخہ کے متعلق یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ وہ مدینہ منورہ سے کب نکلا۔ مدینہ سے وہ کہاں گیا اور وہاں سے کن کن مقامات کا سفر طے کر کے وہ کب اور کیسے بغداد پہنچا۔ اس نسخہ کا مذکورہ تاریخی پس منظر بھی موجود نہیں۔ ان حقائق کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاشقند میں موجود نسخہ ''مصحف امام'' نہیں ہے۔ یہ ان نسخوں میں سے ایک ہے جنہیں حضرت عثمانؓ کے حکم پر ۲۵ھ میں مرتب کیا گیا تھا۔ کسی نے اس نسخہ کو تاریخی اہمیت کا نسخہ بنانے کے لئے سورۃ البقرہ کی اس آیت پر خون لگا دیا جس آیت پر حضرت عثمانؓ کا خون گرا تھا اور اسے مصحف امام بنا ڈالا یہ جعلسازی کب اور کس نے کی اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

استنبول کے توپ کاپی عجائب گھر میں محفوظ نسخہ کی تاریخ بہت مکمل ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد یہ نسخہ مدینہ منورہ میں آپ کے گھر میں ہی رہا۔ حضرت معاویہؓ نے خلیفہ بننے کے بعد اس نسخہ کو مدینہ منورہ سے دمشق منگوا کر اپنے پاس رکھا۔ تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہ نے کچھ اور تبرکات بھی مدینہ منورہ سے منگوا کر دارالخلافہ دمشق میں محفوظ کرا دیئے تھے۔ اموی خلافت کے دور تک مذکورہ تبرکات اور یہ نسخہ دمشق میں رہا۔ عباسی خلافت شروع ہوئی تو دارالخلافہ دمشق سے بغداد منتقل ہو گیا اور یہ نسخہ اور دیگر تبرکات بھی دمشق سے بغداد پہنچا دیئے گئے جہاں عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے دور تک یہ نسخہ حکومت کی تحویل وحفاظت میں رہا۔ بغداد پر ہلاکو خان کے حملے۔ قتل عام اور عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل تک یہ نسخہ بغداد ہی میں تھا۔ ہلاکو خان کی قتل و غارت گری اور شہر سوزی کے دوران عباسی خاندان کا ایک شخص احمد بن الظاہر بمشکل اس نسخہ اور تبرکات کو بغداد سے نکال کر مصر لے گیا۔ مصر میں اس وقت مملوک خاندان کی حکومت تھی الظاہر بیبرس نے احمد بن الظاہر کے نسب نامہ کی تحقیق کی اور اس کا نسب نامہ درست پا کر۔ احمد بن الظاہر کو مصر کا خلیفہ بنا دیا اس کا لقب المستنصر باللہ الثانی رکھا گیا اس طرح عباسی خلافت کا جو سلسلہ بغداد میں ختم ہو گیا تھا وہ مصر میں دوبارہ قائم ہو گیا۔ مصر میں مذکورہ برائے نام عباسی خلافت تین سو سال تک قائم رہی۔ ۱۵۱۷ء میں عثمانی ترکوں نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے بھی کچھ عرصہ تک مصر میں مذکورہ عباسی خلافت قائم رکھی بعد میں عباسی خلافت کو ختم کر کے ترک عثمانی خلافت کی بنیاد رکھی۔ اس عثمانی خلافت کی سلطنت میں مصر۔ شام۔

عرب اور ماوراء النہر کا علاقہ شامل تھا مشہور ترک عثمانی خلیفہ فاتح سلیمان نے مصحف امام اور دیگر تبرکات کو مصر سے اپنے دارالخلافہ قسطنطنیہ (استنبول) میں منتقل کر دیا۔ فاتح سلیمان نے مذکورہ تبرکات اور مصحف امام کو اپنے محل کے اندرونی حصہ میں محفوظ کیا تھا اور ان کی حفاظت کے لئے چالیس مسلح سپاہیوں پر مشتمل ایک دستہ متعین کیا اس حفاظتی دستہ کے سپاہیوں کی فہرست میں فاتح سلیمان نے خود اپنا نام بھی درج کروایا تھا۔ جب سے اب تک یہ تمام تبرکات اور مصحف اس محل میں محفوظ ہیں جسے بعد میں عجائب گھر بنا دیا گیا۔

درج بالا تاریخی حقائق وثبوت استنبول کے توپ کاپی عجائب گھر میں موجود نسخہ کو مصحف امام تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں بہر نوع سمرقند اور استنبول میں موجود مذکورہ دونوں نسخے ۲۵ ہجری میں تحریر و مرتب کئے گئے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ امت مسلمہ کے پاس قرآن کا ایسا مصدقہ اور تاریخی نسخہ موجود ہے جو آخری وحی کے نزول سے صرف پندرہ سال بعد تحریر کیا گیا تھا اور اس نسخہ کی صحت کی تصدیق حکومت نے باضابطہ طور پر کی تھی حضرت عثمانؓ کے تیار کرائے ہوئے مذکورہ نسخوں کے بعد ۴۹ ہجری میں مرتب شدہ ایک نسخہ بھی توپ کاپی عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ عقبہ بن نافع فاتح افریقہ کے کاتب خدیج بن معاویہ نے کتابت کیا تھا اس پر سن کتابت ۴۹ ہجری درج ہے۔ خدیج بن معاویہ کے کتابت کردہ اس نسخہ کے علاوہ عقبہ بن عامر کا مرتب کردہ ایک اور نسخہ جس پر سن کتابت ۵۳ ہجری درج ہے توپ کاپی عجائب گھر میں محفوظ ہے ان نسخوں کی تاریخ بھی مرتب کی گئی ہے۔ مشہور ترک محقق علامہ احمد پاشا نے طویل تحقیق کے بعد توپ کاپی میں موجود مذکورہ قرآنی نسخوں اور تبرکات کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ''الآثار النبویہ'' ہے۔ موصوف نے ان مصاحف اور تبرکات کا اصلی اور قدیم ہونا ثابت کیا ہے۔

پہلی صدی ہجری کے مذکورہ قرآنی نسخوں کی موجودگی سے قرآن کی کتابت کا ایسا تسلسل قائم اور ثابت ہو جاتا ہے جو پچھلے چودہ سو سال کے دوران کبھی منقطع نہیں ہوا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تحریر شدہ نسخوں کی تعداد پہلی صدی کے نسخوں سے زیادہ ہے یہ نسخے مختلف مسلم اور غیر مسلم ممالک کے کتب خانوں اور عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ تیسری صدی کے بعد قرآن کے قلمی نسخوں کی تعداد بڑھتی گئی اور قلمی نسخوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ مختصر یہ کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں سے ایسی کوئی صدی نہیں گزری

جس میں تحریر کردہ قرآن کا نسخہ آج موجود نہ ہو۔ قرآن کی کتابت کے تسلسل کے لئے یہ ثبوت بہت کافی اور نا قابل تردید ہے۔

قرآن سے امت مسلمہ انتہائی عقیدت رکھتی ہے۔ قرآن کی کتابت کا عمل مسلمانوں کے امیر اور سلاطین کے لئے بھی باعث شرف اور موجب سعادت رہا ہے۔ متعدد سلاطین امراء اور حکمرانوں نے قرآن کی کتابت کی ہے یہ ثبوت ہے مسلم معاشرہ میں قرآن کے کاتبوں کے احترام کا۔ قرآن کی کتابت کرنے والے نہایت ادب اور پورے اہتمام کے ساتھ کتابت کرتے ہیں۔ کتابت کا عمل باوضو ہو کر اور پاک صاف جگہ پر بیٹھ کر کیا جاتا ہے۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ کتابت اور قرات کی غلطی قرآن میں تحریف کا سبب بن سکتی ہے اور یہ ایسا گناہ ہے جس کی بنا پر اعمال خیر سوخت ہو سکتے ہیں اس عقیدہ کے سبب کاتب قرآن کی کتابت کے بعد اسے ماہر کاتب کو دکھاتے ہیں۔ ان احتیاطی تدابیر کے باعث ہر دور میں قرآن کی کتابت غلطیوں سے پاک رہی ہے۔ پہلی صدی ہجری کے نسخوں سے لیکر چودھویں صدی تک کے کتابت شدہ قرآن کے متعدد نسخوں کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور کسی بھی صدی کے نسخہ میں ایک حرف کا بھی اختلاف نہیں پایا گیا دور اول کے نسخوں کے ساتھ مطابقت کا اس قدر خیال رکھا گیا کہ جو حرف جس طرح پہلے نسخے میں کتابت کیا گیا تھا وہ حرف اسی طرح بعد کے نسخوں میں بھی کتابت کیا گیا البتہ قرآن کی کتابت کے لئے رسم الخط میں خصوصی اصلاحات کے بعد حروف پر نقطے۔ نشانات نبرہ اور علامات اوقاف کا اضافہ کر دیا گیا۔ خط کوفی میں مدور حروف یعنی۔ ی۔ ن۔ اور ع وغیرہ دائرہ کی بجائے مسطح صورت میں تحریر کئے جاتے تھے اور ان پر نقطے نہیں ہوتے تھے بعد میں ان حروف کو دائرے میں لکھا اور حروف پر نقطے لگائے جانے لگے۔

مکہ اور مدینہ کے قدیم قبائل کو عربی زبان پر اتنا عبور حاصل تھا کہ وہ نقطوں اور نشانات نبرہ کے بغیر عبارت کو اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح اسے پڑھنا درست ہوتا تھا۔ ان قبائل کے قاریوں کو الفاظ کے صحیح تلفظ کے لئے نقطوں اور علامتوں کی ضرورت لاحق نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب وسیع وعریض اسلامی سلطنت قائم ہو گئی اور غیر عرب اقوام مسلمان ہونے لگیں تو قرآن کی قرات میں اختلاف پیدا ہونے لگا۔ غیر عرب مسلمانوں کے لئے قرآن کی صحیح قرات ایک مسئلہ بن گئی۔ اپنے استاد کی قرات کے سوا اور کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا

جس سے وہ صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کر سکتے۔ یہ ایسی صورت تھی جس میں احتیاط کے باوجود قرآن کی قرات میں اختلاف پیدا ہونے لگا۔ اسی قسم کی مشکل میں یہودی بھی چھٹی صدی عیسوی تک مبتلا رہے تھے قدیم عبرانی رسم الخط میں بھی نقطے اور علامات نبرہ نہ ہوتے تھے۔ اس سے توراۃ اور دیگر کتب مقدسہ کی تلاوت میں ایسا شدید اختلاف پیدا ہوتا کہ بعض عبارات کا مفہوم بالکل مختلف اور نہایت قابل اعتراض ہو جاتا تھا۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے یہودی علماء نے چھٹی صدی عیسوی میں علامات حرکات اور نشانات نبرہ اختراع کیں اور انہیں عہد نامہ قدیم کی کتابت میں استعمال کرنے لگے ان یہودی ماہرین کتابت کو ''ماثورین'' (MASSORITES) اور ان کے اختراع کردہ طریقہ تحریر کو ''ماثوری تحریر'' (MASSORITIC TEXT) کہا جاتا ہے۔

یہودیوں کی اس اختراع کو مسلمانوں نے نہ صرف استعمال کیا بلکہ اس طریقہ کتابت کو اس قدر ترقی دی کہ قرآن کے ہر حرف کی صحیح قرات کتابت کی گرفت میں آگئی۔ سب سے پہلے اعراب اختراع کی گئیں۔ ابوالاسود متوفیٰ ۶۹ھ وہ پہلا شخص تھا جس نے حروف پر زیر۔ زبر اور پیش لگائے اس طرح ایک ہی حرف کی تین مختلف آوازوں کے اخراج کا تعین ہو گیا۔ ابوالاسود کے شاگرد نصر بن عاصم بصری متوفیٰ ۸۹ ہجری نے اپنے استاد ابوالاسود کے اختراع کردہ اعراب میں مزید اصلاح کی اور حروف پر نقطے لگائے۔ اس طرح پہلی صدی ہجری میں ہی اعراب اور نقطوں کا استعمال شروع ہو گیا خراسان کے قاضی یحییٰ بن یعمر عدونی متوفیٰ ۱۲۹ ہجری نے بعض حروف کے اتصال وغیرہ کے لئے علامتیں مقرر کیں۔ خلیل بن احمد متوفی ۱۷۰ ہجری نے رموز اوقاف مقرر کئے ان کاوشوں کے نتیجہ میں قرآن کی کتابت کا ایسا ضابطہ مقرر ہو گیا جس کی گرفت میں قرآن کے ہر لفظ کی درست اور معین قرات آگئی اس طرح دوسری صدی ہجری میں قرآن ایسی کتاب بن گیا جس کے ہر لفظ کے ساتھ اس کا تلفظ بھی کتابت ہونے لگا۔ آوازوں کے درست اخراج کو گرفت میں لیے ہوئے کتابت کے اس طریقہ نے غیر عرب اقوام کے لیے یہ ممکن کر دیا کہ وہ استاد کے بغیر قرآنی آیات کی درست قرات کر سکیں۔ اس کامیابی نے اختلاف قرات کے سبب پیدا ہونے والی ممکنہ معنوی تحریف کا بھی مکمل طور پر سدباب کر دیا۔

Marfat.com

قرآن میں تحریف کا دعویٰ

متن قرآن کو تحریف سے محفوظ رکھنے کے لئے ملت مسلمہ نے جو مؤثر طریقے استعمال کئے اور جس طرح مسلسل جدوجہد کی اس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی ۔ ان تدابیر اور اس مسلسل کاوش نے متن قرآن میں تحریف کی ہر راہ مسدود کر دی ۔ اس حقیقت کو غیر مسلم محققین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ قرآن وہ واحد قدیم کتاب ہے جس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ۔ ان حقائق کی موجودگی میں یہ تو ممکن نہ تھا کہ متن قرآن میں کسی تحریف کو ثابت کیا جاتا البتہ تحریف کی تہمت ضرور لگائی جا سکتی تھی کیونکہ تہمت لگانے کے لئے کسی دلیل اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ قرآن پر تحریف کی تہمت امامیہ فرقہ کے علمائے متقدمین نے لگائی ہے ۔ امامیہ فرقہ کی چار امہات الکتب میں حسب ذیل دعوے کئے گئے ہیں :۔

(۱) اصل قرآن جو موجودہ قرآن سے بہت بڑا تھا اور جس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو موجودہ قرآن میں ہے وہ قرآن حضرت علیؑ کے پاس تھا۔

(۲) رسول ﷺ کو حضرت جبرائیل نے جو قرآن دیا تھا اس میں سترہ ہزار آیات تھیں ۔ (واضح ہو کہ موجودہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو باسٹھ ۶۶۶۲ آیات ہیں درج بالا دعوے کے مطابق موجودہ قرآن میں دس ہزار تین سو اڑتیس ۱۰۳۳۸ آیات موجود نہیں ہیں)

(۳) تیسری تہمت موجودہ قرآن کی قریباً ساٹھ آیات میں تغیر و تبدل کی لگائی گئی ۔

درج بالا تہمتوں کی تفصیل ہم ”تدوین تاریخ“ کے باب میں پیش کریں گے۔ یہاں مذکورہ بالا تہمتوں کا مختصر اً رد پیش کرنا چاہتے ہیں تا کہ تدوین قرآن کا باب مکمل ہو

Marfat.com

جائے۔

امامیہ فرقہ کی چار امہات الکتب میں سب سے زیادہ مؤقر واہم اور مشہور کتاب ''الکافی'' ہے۔ اس کتاب کا مصنف ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی متوفی ۳۲۹ ہجری تھا درج بالا تینوں تہمتیں الکافی میں درج ہیں الکلینی کا دعوی ہے کہ اس نے یہ کتاب لکھ کر مخصوص ذریعہ سے امام غائب کے پاس بھجوائی۔ امام غائب نے کتاب کا مسودہ منظور کرلیا اور بطور توثیق وتصدیق یہ الفاظ مسودہ پر لکھ دیئے ''کاف شیعتنا'' یعنی ہمارے شیعوں کے لئے یہ کافی ہے اس تصدیق کی بنا پر الکلینی نے اس کتاب کا نام الکافی رکھ دیا۔ یہ روایات شیعوں کی دیگر موقر کتب میں بھی درج کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ منتہی المقال صفحہ ۲۹۸۔ مستدرک الوسائل ۵۳۲۔ نہایت الدرایہ ۲۱۹ اور روضۃ الجناۃ ۳۵۳۔

تحریف کے دعوے کا رد

ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی متوفی ۳۲۹ھ کی کتاب ''الکافی'' پر امامیہ فرقہ کے عقائد واعمال کی بنیاد ہے۔ لیکن ثقاہت اور اعتبار کے لحاظ سے یہ کتاب کیا مرتبہ و مقام رکھتی ہے ہم اس کا جائزہ عقلی بنیاد پر لیتے ہیں۔ اس کتاب کی وجہ تسمیہ کہ جو اس کتاب کی امتیازی خصوصیت بھی ہے یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کتاب کا مسودہ لکھ کر الکلینی نے بارھویں امام جو امام غائب کے نام سے مشہور ہیں ان کے پاس خاص ذریعہ سے بھجوایا اور امام غائب نے اس کتاب کے مسودہ کو امامیہ فرقہ کے عقائد اور امور شریعہ کے لئے قبول کر کے مہر تصدیق وتوثیق ثبت کر دی اس لئے کتاب کا نام ''الکافی'' رکھ دیا گیا۔ اس روایت کی حقیقت کا اندازہ اس وقت بخوبی ہو سکے گا جب ہم خود امام غائب کی حقیقت کا تعین کر لیں گے۔ شیعوں کی قدیم بنیادی کتب میں امام غائب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی پیدائش کو پوشیدہ رکھا گیا اس راز سے اس زمانے میں صرف چند خاص لوگ ہی واقف تھے امام غائب کی جسمانی نشوونما اور طاقت کا یہ عالم تھا کہ عہد طفولیت میں انکا جسم اس سرعت کے ساتھ بڑھا کہ چند دن کے وقفہ کے بعد جو شخص بھی انہیں دیکھتا تھا وہ پہچان نہ پاتا تھا۔ موصوف بچپن میں ہی آبادی سے دور کسی نامعلوم

پہاڑی غار میں جا کر روپوش ہو گئے اور تن تنہا اس مصحف فاطمہ کو بھی اٹھا کر لے گئے جو اونٹ کی ران کے برابر تھا (گویا چار من کے قریب وزن ہوگا) امامیہ فرقہ کا عقیدہ ہے امام غائب جب سے آج تک زندہ ہیں۔ دنیا کے کونے کونے میں اپنے شیعوں کی مدد اور دستگیری کے لئے پہنچ جاتے ہیں بڑے محیر العقل کارنامے موصوف سے منسوب کئے گئے ہیں اور ان کارناموں کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ امام غائب قیامت سے کچھ قبل ظاہر ہونگے اس رعایت سے موصوف کو'' قائم القیامہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہونے کے بعد وہ اپنے شیعوں کو جمع کریں گے دشمنوں یعنی سنیوں سے جنگ کریں گے لاکھوں سنیوں کو قتل باقی کو قید کرلیں گے مکہ اور مدینہ فتح کر کے مردوں کو زندہ کریں گے بشمول رسول ﷺ تمام انبیاء اور مرسلین ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے وغیرہ وغیرہ۔

ایک طرف امام غائب کی محیر العقل طاقت اور ان کی عالمگیر کرامات کے یہ دعوے کئے گئے ہیں دوسری طرف موصوف کے نامعلوم غار میں روپوش ہو جانے کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ انہیں دشمنوں یعنی سنیوں سے جان کا خطرہ لاحق تھا اس لئے موصوف نے فرار کا راستہ اختیار کیا اور پچھلے گیارہ سو سال سے وہ سنیوں کے ڈر کے مارے غار میں چھپے بیٹھے ہیں۔ موصوف نے جب راہ فرار اختیار کی تھی اس وقت تو سنی انہیں جانتے بھی نہ تھے اور یہ کہ ان کے شیعہ بلاخوف وخطر اسی بستی میں رہتے رہے۔ جس بستی سے امام غائب ڈر کر فرار ہو گئے تھے۔

یہ نہایت متضاد کردار ہے۔ جن حضرات نے یونان۔ مصر۔ ایران اور ہند کے دیو مالائی مذاہب کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں ظہور اسلام سے صدیوں قبل دیوی اور دیوتاؤں کے ایسے متضاد کردار اور ان کے متعلق ایسی بے تکی روایات گھڑی جا چکی تھیں اور ان ممالک میں اس قسم کی فرضی شخصیات کو دیوی اور دیوتاؤں کا درجہ دیکر ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ ایسی فرضی شخصیات اور اساطیری کردار پر اس وقت تک ایمان لانا ممکن نہیں جب تک آدمی فرط عقیدت سے عقل کا اندھا نہ ہو جائے۔

قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی تصنیف ایسی فرضی اور ناقابل یقین شخصیت سے منظور کروانے کا دعوی کیا ہو وہ شخص کتنا بڑا کاذب اور فریب کار ہوگا۔

Marfat.com

ایسے شخص کی تحریر و بیان پر اس کتاب کو معتبر سمجھنا ممکن نہیں۔ اب ہم اس غیر معتبر کتاب میں منقول متن قرآن میں تحریف کی تینوں تہمتوں کا الگ الگ رد و جواب پیش کرتے ہیں۔

(۱) ''اصل قرآن جو موجودہ قرآن سے بالکل مختلف اور بہت بڑا تھا حضرت علیؓ کے پاس تھا'' الکلینی نے اپنی تصنیف الکافی میں صرف یہ دعوی کیا ہے اس دعوے کے حق میں کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ صرف یہ کہہ دینا کہ فلاں امام یا فلاں شخص نے یہ کہا ہے اسے کوئی بھی ذی شعور شخص تسلیم نہیں کر سکتا۔ اتنے بڑے اتنے اہم اور اس قدر تہلکہ خیز دعوے کے لئے تو دستاویزی ثبوت اور معتبر شہادتوں کا ہونا نہایت ضروری ہو جاتا ہے لیکن الکلینی نے اپنے دعوے کے حق میں نہ کوئی دستاویزی ثبوت پیش کیا ہے اور نہ ہی اسناد روایت۔ اگر الکلینی یا اس کے ہم مذہب علماء کے پاس اس دعوے کے حق میں کوئی ثبوت ہوتا تو وہ اسے ضرور پیش کرتے ان کا ایسا نہ کرنا اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس قسم کے بلا ثبوت دعوے محض لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے کرتے تھے۔ غالباً امامیہ فرقہ کے ذہنوں میں ایسے ہی بلا ثبوت دعوں اور عقائد کو استوار کرنے کے لئے ہی الکلینی نے امام غائب سے اس کتاب کی تصدیق کرا لینے کا ڈھونگ رچایا تھا تاکہ امامیہ فرقہ کے لوگ ایسے تمام بے بنیاد دعووں کو بلا چون و چرا یہ سوچ کر تسلیم کر لیں کہ ان کی تصدیق امام غائب کر چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ضخیم اور موجودہ قرآن سے قطعاً مختلف مصحف حضرت علیؓ کے پاس تھا تو انہوں نے اسے ظاہر کیوں نہیں کیا؟ کیا یہودیوں کی خودساختہ ستر مخفی کتب کی طرح قرآن کا مذکورہ نسخہ بھی مخفی کتاب کی حیثیت رکھتا تھا جسے حضرت علیؓ اور شیعوں کے گیارہ اماموں نے چھپائے رکھا اور بارہویں امام اسے اٹھا کر غار میں لے گئے۔ کیا یہ حضرت علیؓ پر بالواسطہ تہمت نہیں ہے کہ آپ نے پوری امت مسلمہ اور نوع بشر کو اصل کلام ربانی سے محروم کر دیا۔

(۲) قرآن میں سترہ ہزار سے زائد آیات ہونے کا دعوی بھی بلا ثبوت کیا گیا ہے۔ جس دعوے کی پشت پر ثبوت نہ ہو اس دعوے کے رد میں بھی کوئی دلیل نہیں دی

Marfat.com

جا سکتی ۔ دنیا کی کوئی بھی عدالت بلا ثبوت دعوے کی سماعت نہیں کرتی ۔ حقیقت یہ ہے اس قسم کے بلا ثبوت دعوے کرنے کا عمل افواہ سازی کی مہم کا حصہ ہے ۔ ہم افواہ سازی کی اس تاریخی مہم کی تفصیل انشاءاللہ ''تدوین تاریخ'' کے باب میں پیش کریں گے ۔

یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا قرآن جس میں دس ہزار اضافی آیات تھیں وہ منظر عام پر کیوں نہیں آیا ۔ ان دس ہزار اضافی آیات میں سے دو چار سو آیات بھی قرآن کے کسی نسخہ میں نہیں ملتیں ۔ کم از کم شیعوں کے کتابت کردہ نسخوں میں تو ان اضافی آیات میں سے سو دو سو آیات شامل ہوتیں ۔ کیا وجہ ہے کہ شیعوں کے قرآنی نسخوں میں ایسی کوئی اضافی آیت موجود نہیں ۔

امامیہ مذہب کی ایک نہایت مشہور اور موقر کتاب ''نہج البلاغہ'' بھی ہے اس کتاب میں حضرت علیؓ کے خطوط اور خطبات جمع کرنے کا دعوی کیا گیا ہے ۔ ان غلط یا صحیح خطوط اور خطبات میں بھی کہیں مذکورہ قرآنی نسخوں یا قرآن کی اضافی آیات کا کوئی ذکر نہیں ملتا ۔ اس کے برعکس مذکورہ کتاب میں ایسا مواد موجود ہے جس سے پوری امت کے پاس ایک ہی قرآن ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔ علاوہ ازیں البرہان فی علوم القرآن کی جلد ا ص ۲۴۰ میں زرکشی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ''عثمانؓ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو ۔ بخدا انہوں نے مصحف کے بارے میں جو کچھ کیا ہمارے مشورے سے کیا اور ہماری موجودگی میں کیا'' ۔

(۳) تیسری تہمت درج بالا دو تہمتوں سے مختلف نوعیت کی ہے اس تہمت میں قرآن کی قریباً ساٹھ آیات کے متن میں تغیر کا دعویٰ کیا گیا ہے ۔ یہ دعوی بھی بلا سند روایات پر مبنی ہے ۔ الکلینی نے امام باقر اور ان کے فرزند امام جعفر الصادق سے ان آیات کے متن میں تبدیلی کی روایت کی ہے شیخ صدوق اور الکلینی نے ایسی تمام آیات کے متعلق روایت کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے :۔

''کہا امام جعفر الصادقؒ نے کہ دراصل اس آیت کے الفاظ یہ تھے ۔''

روایت کا یہ طریقہ غلط اور ناقابل قبول ہے۔ الکلینی چوتھی صدی ہجری تک زندہ رہا تھا۔ امام باقر اور امام جعفر سے لیکر الکلینی کے دور تک ڈیڑھ سوسال سے زائد عرصے کا فاصلہ پیدا ہو چکا تھا۔ اس ڈیڑھ سوسال کے عرصہ میں جتنے بھی راویوں میں منتقل ہو کر یہ روایت الکلینی تک پہنچی تھی ان سب راویوں کے نام سلسلہ وار لکھنے چاہئے تھے اس طرح مذکورہ ساٹھ آیات میں سے ہر آیت کے متعلق رواۃ کے مکمل سلسلہ کو پیش کیا جانا چاہئے تھا تب جا کر ہر روایت کے رواۃ کی جانچ پڑتال ممکن ہوتی اور ان رواۃ کے معتبر یا غیر معتبر ہونے پر متعلقہ روایت کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا لیکن الکلینی اور شیخ صدوق نے کسی بھی روایت کا سلسلہ اسناد پیش نہیں کیا۔ اس لئے ان تمام روایات کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں۔

یہاں ہم پھر وہی سوال کریں گے کہ خود امامیہ فرقہ کے پاس بھی ایسا کوئی نسخہ کیوں موجود نہیں جس میں مذکورہ روایات کے مطابق متعلقہ ساٹھ آیات کا وہ متن درج ہوتا جو امام باقر اور امام جعفر نے بتایا ہے۔ اگر امام باقر اور امام جعفر کے بقول مذکورہ آیات کے متن میں تغیر کر دیا گیا تھا اور انہوں نے ہر آیت کا اصل متن بتا بھی دیا تھا تو امامیہ فرقہ کے علماء کو متعلقہ آیات کے متن کی اصلاح کر لینی چاہئے تھی اور موجودہ متن کی بجائے وہ متن اپنے نسخوں میں درج کر دینا چاہئے تھا جو متن امام باقر اور امام جعفر نے بتایا تھا۔ امامیہ فرقہ کے علماء اور کاتبوں نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ کیا اس کی کوئی وجہ پیش کی جا سکتی ہے۔

شیعہ علماء کے دعوے کے مطابق۔ نجف۔ کربلا۔ اور قُم کی زیارت گاہوں اور کتب خانوں میں قرآن کے ایسے نسخے محفوظ ہیں جن میں سے دو قلمی نسخے حضرت علیؓ سے اور ایک ایک قلمی نسخہ حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ اور حضرت جعفر الصادقؒ سے منسوب ہے یعنی ان نسخوں کی کتابت خود ان حضرات نے کی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ یہ تمام نسخے موجودہ قرآنی نسخوں کے مطابق ہیں۔ ان میں نہ تو کوئی اضافی آیت درج ہے اور نہ ہی مذکورہ روایات میں بیان کردہ ساٹھ آیات کا وہ متن درج کیا گیا ہے جو متن امام باقر اور امام جعفر نے بتایا تھا۔

فی الحقیقت الکلینی نے امام باقر اور امام جعفر پر تہمت لگائی ہے۔ اس جھوٹ اور فریب کاری سے الکلینی کا مقصد اور مدعا صرف یہ تھا کہ کسی طرح قرآن کے بارے میں

Marfat.com

شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں ۔اس مقصد کے لئے اس نے الگ الگ تین جھوٹ بولے پہلے کہا کہ حضرت علیؓ کے پاس ایسا قرآن تھا جس کی کوئی بات موجودہ قرآن کے مطابق نہ تھی اور وہ موجودہ قرآن سے بہت زیادہ ضخیم تھا پھر دعوی کیا کہ جبرائیلؑ نے سترہ ہزار سے زائد آیات دی تھیں اس طرح اصل قرآن میں مزید دس ہزار آیات تھیں جو غائب کردی گئیں پھر ساٹھ آیات کے متن میں تحریف کا دعوی کیا ان مختلف بیانات کا مقصد یہ تھا کہ قاری کا ذہن ان تین جالوں میں سے کسی جال میں پھنس جائے۔

امید ہے قارئیں نے متن قرآن میں تحریف کے درج بالا جھوٹے دعوں کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔اب ہم یہ بتادیں کہ امامیہ فرقہ کے لوگ قرآن کے متعلق کیا عقیدہ یارائے رکھتے ہیں۔

امامیہ فرقہ کے علماء اور عوام اہلسنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ سنیوں نے ہم پر یہ تہمت لگائی ہے کہ ہم قرآن کوتحریف شدہ سمجھتے ہیں جبکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن میں قطعاً کوئی تحریف نہیں ہوئی۔اگر ہم قرآن کومحرف سمجھتے تو ہم اپنے گھروں میں قرآن کا وہی نسخہ نہ رکھتے جو نسخے سنیوں کے گھروں میں بھی ہوتے ہیں۔

امامیہ فرقہ کے لوگوں کا سنیوں پر یہ الزام سراسر غلط اور حقائق کے خلاف ہے۔ متن قرآن میں تحریف کے دعوے امامیہ فرقہ کی ان کتب میں درج ہیں جن کتب پر امامیہ فرقہ کے عقائد اور مذہب کی بنیاد ہے۔اہلسنت نے تو شیعوں کی ان کتب کو پڑھ کر اس راز کا سراغ لگایا ہے۔اپنی طرف سے سنیوں نے کوئی الزام نہیں لگایا صرف اس پوشیدہ راز کو فاش کیا ہے۔

امامیہ فرقے کے علماء مجتہدین اور خطیب بظاہر یہ دعوی کرتے ہیں کہ قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہوئی ہمارا قرآن وہی ہے جو سنیوں کا لیکن شیعہ مذہب کی مذکورہ بنیادی کتب میں قرآن کے متن میں تحریف کے جو دعوے کئے گئے ہیں ان کی صدائے بازگشت شیعوں کی نجی محفلوں اور مخصوص مجلسوں میں سنائی دیتی ہے۔ان مجلسوں میں شیعہ علماء اور خطیب کبھی اشاروں اور کنایوں میں اور کبھی کھلم کھلا قرآن میں تحریف وتغیر کی بات کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ متن قرآن کے متعلق امامیہ فرقہ کے افراد کا ذہن شک وشبہ سے خالی نہیں ہوتا اور کبھی کبھی ان کا یہ شک وشبہ زبان پر بھی آجاتا ہے۔

❁

Marfat.com

Marfat.com

باب سوم
قرآن اور دین اسلام

Marfat.com

قرآن اور شریعت

الہامی مذاہب اور انسانوں کے ساختہ مذاہب میں کئی امتیازی فرق ہیں۔ انسانوں کے تخلیق کردہ مذاہب کا بنیادی مقصد ان مفروضہ مافوق البشر قوتوں کے قہر سے محفوظ رہنا اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے مطلب براری کرنا ہے جن مافوق البشر قوتوں کو انسان کے وہم و تخیل نے تخلیق کیا اور انہیں مختلف دیوی دیوتاؤں کی صورت دے دی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے آدم زاد مذاہب میں بیشتر زور ایسی خودساختہ عبادات اور مناجات پر دیا جاتا ہے جو دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کا باعث بنیں۔ انسانی زندگی کے متعلق ایسے مذاہب میں بہت کم ضابطے ملتے ہیں اور جو ضابطے ملتے ہیں وہ بیشتر قدیم سماجی روایات اور توہمات پر مبنی ہوتے ہیں۔

الہامی مذاہب کا مقصد نہ صرف خالق کائنات کے متعلق ایک واضح اور مدلل تصور توحید پیش کرنا اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی تک پھیلانا ہوتا ہے بلکہ الہامی مذاہب نوع بشر کو ذہنی اور جسمانی طور پر پاکیزہ اور ہر طرح کامیاب زندگی گزارنے کا مکمل نظام دے کر انسان کو تمام مخلوقات میں افضل اور معظم بنادینے کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں۔ الہامی مذاہب انسانی زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھتے اور زندگی کے ہر معاملہ میں حکم و ہدایت دیتے ہیں۔ اس لیے الہامی مذہب صرف چند عبادات اور رسومات تک محدود نہیں ہوتا، اس کا دائرہ حکم و ہدایت پوری انسانی زندگی پر محیط ہوتا ہے۔ قرآن کی طرح دیگر الہامی کتب میں بھی نوع بشر کو خلیفۃ اللہ فی الارض قرار دے کر آدم اور اولاد آدم کو چاند سورج کواکب اور ملائک واجنا سے افضل واشرف ٹھہرایا گیا تھا اور خلافت الٰہیہ کے عظیم

Marfat.com

مرتبہ تک پہنچنے اور نوع بشر کو اس کی زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملہ میں کامیابی حاصل کرنے اور اپنی اخروی زندگی کو سدھارنے کے لیے مفصل ہدایات دے دی گئی تھیں لیکن سابق امتیں اپنی الہامی کتب کا تحفظ نہ کر سکیں۔ ان کے بعض ابلیس صفت لوگوں نے اپنی الہامی کتب میں تحریف و الحاق کر کے ان کتب کو متغیر کر دیا۔ الہامی کتب کے متغیر ہونے کا نتیجہ یہ ہی نکل سکتا تھا کہ ان کے مذہب اپنی الہامی بنیاد اور خصائص پر قائم نہ رہ سکے اور وہ مکمل اور واضح طور پر مشرکانہ مذہب میں تبدیل ہو گئے۔

کلام اللہ کو شیطان کی دست برد سے محفوظ رکھنا شاید اولاد آدم کے بس کی بات نہ تھی اس لیے کتب ربانی نازل اور متغیر و نابود ہوتی رہیں۔ بالآخر تا قیامت نوع بشر کی ہدایت کے لیے اللہ نے اپنی آخری کتاب نازل فرمائی اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود لے لی۔ اس لیے قرآن ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا اور محفوظ رہے گا۔ آج دنیا میں صرف قرآن وہ واحد الہامی کتاب ہے جو تحریف و اضافہ سے محفوظ ہے۔ اس کتاب میں تحریر عقائد، احکام اور ہدایات کے مجموعہ کا نام دین اسلام ہے اور یہ ہی دین اسلام انبیاء سابق کا بھی دین تھا۔

عربی لغت میں دین کے کئی معنی بتائے گئے ہیں۔ ان معنی میں حساب، قدرت، حکم، تدبیر، سیرت اور مذہب و ملت بھی شامل ہیں۔ حساب کے معنی کی رعایت سے قرآنی اصطلاح 'یوم الدین' قائم ہوئی۔ یعنی حساب کا دن جو بعد قیامت پوری اولاد آدم کے اچھے برے اعمال کے حساب اور فیصلہ کا دن ہوگا۔ یوم الدین کی تفصیل کو سامنے رکھا جائے تو ان اعمال و عقائد کا بھی تعین ہو جاتا ہے جو اعمال اور عقائد ہر مسلمان کے دین سے تعلق رکھتے ہیں یا انہیں دینی اعمال و عقائد قرار دیا جا سکتا ہے۔ یقیناً آپ سے اللہ کی وحدانیت اور ربوبیت پر قولاً اور فعلاً ایمان رکھنے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ کے ملائک، اس کی کتب، اس کے رسول اور آخرت کے متعلق آپ سے پوچھا جائے گا اور پھر ان عقائد کے تناظر میں آپ کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ لیکن آپ سے یہ قطعاً نہیں پوچھا جائے گا کہ خلافت کا حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا یا حضرت علی کرم اللہ وجہ کا یا جنگ صفین میں شیعان عثمان حق پر تھے یا شیعان علی۔ ان معاملات کا آپ کی

زندگی سے یا آپ کے دین سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اگر یہ سوال کیے بھی گئے تو صرف ان حضرات سے کیے جائیں گے جو مذکورہ دور میں شریک معاملہ تھے۔

لغوی اعتبار سے دین اور شریعت ہم معنی الفاظ نہیں۔ ان کے درمیان کچھ فرق ہے۔ دین کا لفظ جب دین اسلام کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس میں احکام دین، عقائد دین اور خصائص دین سب شامل ہوتے ہیں لیکن لفظ شریعت میں گرچہ عقائد اور احکام دین شامل ہوتے ہیں لیکن شریعت کے معنی اور تصور میں ایک تخصیص ہے اور وہ تخصیص ہے قانون اور قانونی تصریحات کی۔ عربی میں لفظ 'شرع' کے معنی راستہ ظاہر کرنے یا دکھانے کے ہیں۔ عربی میں قانون سازی کو 'اشترع' کہا جاتا ہے اور لفظ الشرع کے معنی ہیں 'اللہ کے مقررہ احکام'۔ اصطلاحاً شرع ان دائمی اور ناقابل تغیر وتبدل قوانین کو کہا جاتا ہے جو قرآن وسنت پر مبنی ہوں۔ عام قوانین اور شریعت کے قوانین میں ایک امتیازی اور لازمی فرق یہ ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو حسب حالات اور ضرورت تبدیل اور کالعدم کیا جاسکتا ہے لیکن کسی بھی حال میں اور کسی بھی ضرورت کے لیے شریعت کا کوئی بھی قانون نہ تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کالعدم۔ جس طرح اللہ جل شانہ کی حکمرانی اور اقتدار دائمی اور اٹل ہے اسی طرح اللہ کے احکام اور اس کا قانون بھی دائمی، اٹل اور ناقابل تغیر ہے۔ کسی بھی رسول اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ حق واختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اللہ کے نازل کردہ کسی حکم کو منسوخ یا متغیر کردیں۔ اس حقیقت کی پوری طرح وضاحت قرآن کی درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

سورۃ یونس، آیت: ۱۵

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو وہ لوگ جنہیں ہم سے ملنے کا یقین نہیں یوں کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لے آ۔ یا اس میں ہی کچھ ترمیم کردے۔ (اے نبی) کہہ دو مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں۔ میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعے پہنچتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

Marfat.com

قرآن کی اس آیت سے یہ تو ثابت ہو ہی جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو احکام و نصوص قرآن میں ترمیم وتغیر کا قطعاً اختیار حاصل نہ تھا اس کے علاوہ مذکورہ بالا آیت سے مزید دو حقائق کا بھی اظہار وتعین ہوتا ہے۔ اول یہ کہ رسول اللہ ﷺ بھی قرآن کے تابع تھے اور آپ احکام قرآن کی تعمیل واطاعت کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ کو بھی اللہ کی نافرمانی کے نتیجہ میں یوم حساب اللہ کے عتاب اور عذاب کا ڈر تھا۔ اطاعت اللہ کے معاملہ میں آپ پورے پورے عبداللہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت الانبیاء میں ہمیں ہر نبی خشیت الٰہی سے لرزتا اور خوف زدہ نظر آتا ہے۔ انبیاء کرام سے زیادہ باری تعالیٰ کی عظمت و جلالت سے کوئی اور بشر واقف نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی عظمت اور ہیبت سے آگاہی انبیاء کرام کو ہر وقت لرزاں اور خائف رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ممکن اطاعت کے باوجود وہ مسلسل توبہ و استغفار کرتے رہتے تھے۔ انبیاء کرام کے اس نمایاں کردار وعمل کو لوگوں نے نظر انداز کر کے ان کی ذات سے صفات الوہیت وابستہ کر دیں۔ اس طرح ان لوگوں نے انبیاء پر تہمت لگائی اور خود کو شرک میں مبتلا کر لیا۔

ہر الہامی دین کی امتیازی صفت یہ ہے کہ وہ نوع بشر کو نہ صرف خالق کائنات کا قابل فہم تصور دیتا اور خود اولاد آدم کو اس کے مقام اصلی سے آگاہ کرتا ہے بلکہ وہ ایسا دائمی راہ عمل اور ضابطہ حیات بھی بتاتا ہے جس پر عمل کر کے اولاد آدم خلیفۃ اللہ فی الارض کے مقام جلیلہ تک پہنچ سکتی ہے۔ سابق الہامی مذاہب کی طرح اسلام بھی ان عقائد کی تکمیل کے لیے مکمل ضابطہ کار پیش کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ، کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے لیے قرآن میں بنیادی نوعیت کی ہدایات موجود نہ ہوں۔

اس حقیقت کا اظہار اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کی درج ذیل آیت میں کیا ہے:

سورۃ النحل، آیت: ۸۹ — وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی کہ (جو) تمام باتوں کو بیان کرنے والی اور مسلمانوں کو بڑی ہدایت، بڑی نصیحت اور خوشخبری دینے والی ہے۔

سورۃ النحل کی آیت ۸۹ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ہمہ گیری کا اعلان فرما کر

Marfat.com

یقین دلایا ہے کہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور تمام معاملات میں قرآن مسلمانوں کو ہدایات، اللہ کی رحمت اور دنیا اور آخرت کے لیے خوشخبری دینے والی کتاب ہے۔ قرآن کی اس وسعت اور ہمہ گیری کا اعلان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ پورے کے پورے دین اسلام میں داخل ہو جائیں۔

سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۰۸

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً

ترجمہ: اے ایمان والو تم کیستا دین اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ کے اس حکم کے مطابق ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس طرح کاملاً دین اسلام میں داخل ہو جائے کہ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ، کوئی پہلو دائرہ اسلام سے باہر نہ رہنے پائے۔ وہ یہ بھی یقین کر لے کہ قرآن کا دائرہ ہدایت اس قدر وسیع ہے کہ وہ انسانی زندگی کی تمام ترفکری اور عملی ضروریات کی کفالت بخوبی کر دے گا اور اہل ایمان کو زندگی کے کسی بھی معاملہ میں کسی اور نظام یا مذہب سے رجوع نہ کرنا پڑے گا۔ یہ خیال باطل اور غلط ہے کہ اسلام میں کوئی مستقل سیاسی یا اقتصادی نظام موجود نہیں۔ دین اسلام کا نہ صرف مستقل سیاسی نظام بلکہ منفرد اقتصادی نظام بھی موجود ہے اور اسلام نے تمام ممکنہ ذرائع معاش اور تجارت کو حرام اور حلال دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حرام وحلال کی اس تقسیم کی بنیاد پر جو بھی نظام وجود میں آئے گا وہ اسلامی نظام اقتصادیات ہوگا۔ اس تقسیم کی بنیاد پر کوئی دوسرا نظام معیشت وتجارت وجود میں آ ہی نہیں سکتا۔ ایسی ہی صورت اسلامی نظام سیاست وحکومت کی ہے۔ اسلامی نظام حکومت کی بنیاد مکمل غلامی اور اطاعت پر رکھی گئی ہے۔ اس نظام میں انسان کا کوئی بھی انفرادی اور اجتماعی فعل آزاد نہیں ہوتا۔ ہر فعل پر پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ نظام ہی اہل ایمان کو مکمل سپردگی کا حکم دیتا ہے۔ اس نظام میں نہ کسی فرد کی نہ افراد کے گروہ اور اکثریت کی حکومت قائم کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی حکمران خودمختار اور آزاد ہوتا ہے۔ اس نظام حکومت کی امتیازی اور بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام میں اللہ کی زمین اور اس کی مخلوق پر صرف اللہ کی حکمرانی قائم کی جاتی اور صرف اللہ کے احکام کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ اللہ کے احکام کا حکمران بھی اتنا ہی پابند اور مطیع

Marfat.com

ہوتا ہے جتنے عام مسلمان ہوتے ہیں ۔جس مسلم مملکت میں عملاً اللہ کے تمام احکامات کا نفاذ نہیں ہوتا اس مسلم مملکت کو اسلامی ریاست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مسلم ریاست اور اسلامی ریاست میں واضح فرق یہ ہی ہے۔ اس بنیاد پر جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف بھی مرتب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ قتال جو اللہ کے بندوں پر اللہ کا نظام اور اللہ کے احکام عملاً نافذ کرانے کی غرض سے کیا جائے وہ جہاد ہے خواہ یہ قتال غیر مسلموں کے خلاف ہو یا ان مسلمانوں کے خلاف جو اللہ کی حکمرانی قائم کرانے میں مزاحم ہوں۔ البتہ مسلمانوں کی جان و مال کو غیر مسلموں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لیے قتال کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے خواہ وہ مسلمان اللہ کے احکام پر پوری طرح عمل کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ ملک گیری اور کشور کشائی کی غرض سے جنگ کرنا قطعاً جہاد نہیں صریح گناہ اور قتل ناحق ہے خواہ ایسی جنگ کسی مسلم ملک سے کی جائے یا غیر مسلم ملک سے۔ انسان کی جان صرف اللہ کے لیے اللہ کے حکم کی بنا پر لی جاسکتی ہے کسی اور بنیاد پر نہیں۔ چنانچہ ماضی میں جن مسلم سلاطین نے صرف ملک گیری کے لیے مسلم یا غیر مسلم ممالک پر حملہ و قبضہ کیا تھا۔ وہ قتل ناحق کے مجرم ہیں۔ کسی انسان کو یہ حق و اختیار حاصل نہیں کہ وہ خلق خدا پر اپنی حکمرانی قائم کرے۔ حکمرانی کا حق و اختیار صرف اللہ جل شانہ کو حاصل ہے اس لیے اسلامی نظام سیاست میں حکمرانی صرف اللہ کی قائم کی جاتی ہے باقی سب اللہ کے غلام اور مطیع ہوتے ہیں۔ اسلامی نظام سیاست و سیادت وہ واحد نظام حکومت ہے جو انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلاتا اور کلیتاً آزاد رکھتا ہے۔ وہ جمہوری نظام جو آزادی کے نعروں کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے وہ نظام بھی اقلیت پر اکثریت کی اور کمزور طبقہ پر طاقت ور کی حکمرانی قائم کرتا ہے۔ آزادی کے یہ نعرے محض فریب ہیں۔ جمہوری نظام میں لوگ مذہبی قیود سے آزاد ہو کر اپنے نفس کے غلام بن جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی کوئی بھی مخلوق آزاد نہیں۔ یہ چاند، سورج، ستارے اور جوہری ذرات سب غلام ہیں خالق کائنات کے مقررہ نظام کے۔ پوری کائنات کی بقا کا انحصار ہی غلامی پر ہے۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اسلامی نظام کی بنیاد بھی کائنات گیر غلامی پر قائم ہے۔ جمہوری اور اشتراکی نظام عوام اور خواص کو زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد پیش نہیں کرتا۔ یہ نظام انسانی زندگی کے صرف حیوانی

مطالبات کی تکمیل تک محدود ہوتا ہے۔ ان نظاموں میں انسانی زندگی کا مقصد اور مصرف صرف کمانے کھانے اور خواہشات نفس پوری کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور یہ مقصد حیات جانوروں کی زندگی کا ہوتا ہے۔ جو لوگ اسلامی نظام میں جمہوری یا اشتراکی نظام کا پیوند لگانا چاہتے ہیں وہ دراصل خود کو اپنے افکار و نظریات کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی بجائے اسلام کو اپنے نظریات اور اپنی خواہشات کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام کا آپ کے نظریات اور آپ کی خواہشات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ ضروری اور فرض یہ ہے کہ آپ کی خواہشات آپ کے تصورات اور آپ کا عمل اسلام کے منشا اور ضابطوں کے تابع ہو۔ کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی معاملہ اور مسئلہ میں خود کوئی فیصلہ کرے۔ انسانی زندگی کے ہر معاملے میں فیصلے کا حق و اختیار صرف رب الناس اللہ جل شانہ کو حاصل ہے۔ جو شخص اللہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ مسلمان نہیں کافر ہے، ظالم ہے، فاسق ہے۔ یہ فتویٰ میرا یا کسی مفتی و مجتہد کا نہیں خود اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل واضح آیات:

سورۃ المائدہ، آیت: ۴۴ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَـٰفِرُونَ

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (کتاب اللہ) کے مطابق حکم (فیصلہ و عمل) نہ کریں وہ لوگ کافر ہیں۔

سورۃ المائدہ، آیت: ۴۵ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (کتاب اللہ) کے مطابق حکم (فیصلہ و عمل) نہ کریں سو ایسے لوگ ظالم ہیں۔

سورۃ المائدہ، آیت ۴۷ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَـٰسِقُونَ

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ (کتاب اللہ) کے مطابق حکم (فیصلہ و عمل) نہ

Marfat.com

کریں وہ لوگ فاسق ہیں۔

سورۃ المائدہ کی درج بالا متصل تین آیات میں ایک ہی بات کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے کہ جس معاملہ اور مسئلہ میں اللہ کا حکم و ہدایت کتاب اللہ میں موجود ہو زندگی کے اس مسئلہ میں اللہ کے حکم و ہدایت کے مطابق فیصلہ و عمل نہ کرنے والے کافر اور فاسق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع بھی اہل ایمان پر فرض کی ہے۔ اس لیے وہ احکام و ہدایات بھی اسی حکم میں داخل و شامل ہیں جو سنت ثابتہ میں موجود ہیں۔ قرآن و سنت میں انسانی زندگی کے تمام تر بنیادی مسائل کے لیے فیصلے اور احکام موجود ہیں اور بیشتر معاملات میں مفصل ہدایات بھی قرآن و سنت میں درج ہیں۔ ان ہی احکام و ہدایات سے شریعت اسلامی مرتب ہوئی ہے اور یہ ہی شریعت کے ماخذ اصلی ہیں۔

ماخذ شریعت

علماء نے شریعت کے تین ماخذ بتائے ہیں۔ اول قرآن، دوم سنت اور سوم اجماع امت۔ ہم ان تینوں ماخذ پر گفتگو کریں گے۔ لیکن اس سے قبل یہ دعویٰ اور اس کے حق میں دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں کہ منطقی اور بنیادی طور پر شریعت کا ماخذ صرف ایک ہے اور وہ ہے قرآن۔ شریعت کا دوسرا نام دین اسلام ہے اور یہ دین اللہ تعالیٰ نے بنایا اور اسے اللہ نے دین اللہ کہا ہے۔ سورۃ النصر کی دوسری آیت میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

سورۃ النصر، آیت:۲

وَرَأَيْتَ ٱلنَّاسَ يَدْخُلُونَ فِى دِينِ ٱللَّهِ أَفْوَاجًا

یعنی تو جب اللہ کے دین میں لوگوں کو فوج در فوج داخل ہوتا دیکھ لے۔ یہ سورۃ فتح مکہ کی بشارت کے متعلق ہے۔ قرآن کی کئی اور آیات میں دین اسلام کو اللہ نے اپنا تخلیق کردہ دین قرار دیا ہے۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے بھی اقرار کروایا ہے کہ سب سے پہلے میں دین اسلام اختیار کرتا اور پہلا مسلمان بنتا ہوں۔ اس

سے واضح ہے کہ دین اسلام اللہ کا تخلیق کردہ ہے اور یہ تخلیق قرآن کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع بھی قرآن کے ذریعہ فرض اور لازم کی۔ اس وجہ سے احکام سنت کو شریعت کا مرتبہ ملا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی سنت قرآن کے تابع تھی۔ اس بنا پر قبول حدیث کا یہ اصول مقرر ہوا کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہو وہ حدیث نبوی نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نہ قرآن کے خلاف کچھ کہتے تھے اور نہ کچھ کرتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ شریعت کی تکمیل سنت کے بغیر ممکن نہیں۔ شریعت کے کئی احکام قرآن میں مجمل بیان ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل سنت میں ملتی اور ان کی عملی صورت سنت کے ذریعہ تشکیل پاتی ہے۔ مثلاً صلوٰۃ قرآن کے حکم سے فرض ہوئی ہے لیکن قرآن میں قیام، رکوع اور سجود ان تین ارکان صلوٰۃ کا ذکر مجملاً ہوا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ قیام کس طرح کیا جائے اور دوران قیام کیا پڑھا جائے۔ اسی طرح رکوع اور سجدے کا طریقہ بھی نہیں بتایا گیا۔ ان ارکان صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ سنت کے ذریعہ قائم ہوا ہے۔ اسی طرح کئی دوسرے احکامات کی تفصیل و تشریح سنت کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اس لیے شریعت کا کافی بڑا حصہ سنت کے ذریعہ مکمل ہوا ہے۔ چونکہ امت مسلمہ پر اتباع سنت قرآن کے حکم سے فرض ہوئی ہے۔ اس بنا پر شریعت کا سرچشمہ اور منبع قرآن کو ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع فرض نہ کرتا تو یقیناً سنت نبوی کو شریعت کا درجہ نہ ملتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی متلو کے علاوہ وحی غیر متلو بھی نازل ہوتی تھی۔ اللہ جل شانہ شریعت اسلامی کی تکمیل کے لیے جو کچھ چاہتا تھا وحی غیر متلو کے ذریعہ اس سے آپ کو آگاہ فرما دیتا تھا۔ چنانچہ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بھی شریعت کے احکام دیے ہیں وہ اللہ کی مرضی اور اس کی منظوری سے دیے ہیں کیونکہ اسلام اللہ کا تخلیق کردہ دین ہے۔ اللہ کے دین میں اللہ کی مرضی اور منشا کے خلاف کوئی حکم اور کوئی طریقہ عمل داخل نہیں ہو سکتا۔ سنت پر مبنی احکام شریعہ بھی یقیناً اللہ کی مرضی اور منظوری سے دین اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین اسلام یا شریعت اسلامی کی تشکیل و تخلیق رسول اللہ ﷺ نے کی ہے یا جو حضرات نظام مصطفےٰ

Marfat.com

اور شریعت محمدی کی اصطلاحات دین اسلام کے لیے استعمال کرتے ہیں وہ لوگ دین اسلام کی بنیاد اور اس کی ماہیت کو ہی بدل ڈالنا چاہتے ہیں۔ دین اسلام الہامی دین ہے جس کی تخلیق اللہ نے کی اور قرآن میں اسے دین اللہ کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے خود اس دین میں داخل ہونے اور پہلا مسلمان بننے کا اقرار فرمایا ہے۔ یہ لوگ نعوذ باللہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا کر دین اسلام کو رسول اللہ ﷺ کی تخلیق قرار دیتے ہیں۔ یہ دعویٰ تو کافروں کا تھا اور آج بھی غیر مسلم مستشرقین یہ ہی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو محمڈن اسلام کو محمڈن ازم کہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ محمد (ﷺ) دنیا کے بہت بڑے قانون ساز تھے یعنی وہ قرآن کو رسول اللہ ﷺ کی تصنیف قرار دے کر اس کے الہامی کلام ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ شریعت محمدی اور نظام مصطفیٰ کا بھی یہ ہی مطلب ہے کہ شریعت اور دین اسلام اللہ کی نہیں نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ کی تخلیق ہے۔

قرآن سے مطابقت کی شرط کے ساتھ سنت نبوی کو شریعت کا دوسرا ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی مطابقت کی شرط فی الحقیقت سنت ثابتہ پر نہیں احادیث پر لگائی گئی ہے کیونکہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ قرآن کے خلاف رسول اللہ ﷺ نہ کچھ کہتے تھے اور نہ کرتے تھے اس لیے صرف اس حدیث کو حدیث نبوی تسلیم کیا جائے گا جو قرآن کے عام منشا اور کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔ منکرین حدیث احکام شریعت کے تعین کے لیے حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے یعنی وہ حدیث کی بنیاد پر کسی حکم و عمل کو شریعت کا درجہ دینے پر آمادہ نہیں۔ دور قدیم میں یہود اور مجوس کی اسلام کے خلاف سازشی تحریک کے کارندوں نے دین اسلام میں فساد بپا کرنے کے لیے منکرین حدیث کا طبقہ پیدا کیا تھا۔ موجودہ دور میں منکرین حدیث کا طبقہ یہود کے ساختہ جمہوری نظام کے کارندوں پر مشتمل ہے اور منکرین حدیث کا یہ طبقہ سنت کو حجت قرار نہ دے کر چاہتا ہے کہ شریعت سازی کا حق و اختیار اسے مل جائے اور وہ سنت پر مبنی تمام احکام شریعہ کو منسوخ کر کے ان امور کے لیے خود شریعت سازی کریں۔ پاکستان میں مسٹر غلام محمد پرویز اور ان کا پرویزی گروہ منکرین حدیث کی شہرت رکھتے ہیں۔ منکرین حدیث کے دلائل اور ان کا رد کے عنوان سے اس موضوع پر میں نے مفصل بحث کتاب تدوین حدیث میں درج کر دی ہے۔ اس بحث کا اعادہ یہاں مناسب

نہیں۔ یہاں میں منکرین حدیث اور مغربی افکار سے مرعوب ان حضرات کی قرآن و حدیث کے خلاف ذہنی کاوشوں کا مختصراً ذکر کرنا چاہتا ہوں جو دین اسلام کو اپنی الہامی اساس سے ہٹا کر مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اس گمراہ کن عمل کو تجدید اسلام کا عمل کہتے ہیں۔

حدیث نبوی کو شریعت سازی کے لیے حجت اور بنیاد قرار نہ دینے کے بعد یہ لوگ قرآن کو بھی اپنے خیالات اور افکار کے مطابق ڈھالنے کی سعی کر رہے ہیں۔ الہامی کتب کے معنی و مطالب کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کا کام سب سے پہلے یہود کے فرقے فریسی نے کیا تھا جس کے نتیجہ میں یہود کا الہامی مذہب کلیتاً آدم زاد مذہب بن گیا اور پھر یہود احباء نے عہد نامہ قدیم کی کتب توراۃ، زبور وغیرہ کو منسوخ کر کے یہود کا مذہب خود ساختہ کتاب تالمود پر قائم کر دیا۔ ایسی ہی کاوش اب دین اسلام کے لیے کی جارہی ہے۔ اس عمل کی صرف ایک ہی وجہ ہے۔ وہ یہ کہ خود کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا پابند بنانا اور قدم قدم پر اللہ کے احکام کی پابندی اختیار کرنا بہت مشکل اور نفس کو مارنے کا کام ہے۔ جو لوگ خود کو اور اپنی پوری زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا نہیں چاہتے وہ یا تو دین سے عملاً بے تعلق ہو جاتے ہیں یا پھر ایسے لوگ قرآن کو اپنی خواہشات اور افکار کے سانچوں میں ڈھالنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ منکر حدیث بنتے اور ایسے ہی لوگ اسلام میں کسی مستقل سیاسی اور اقتصادی نظام نہ ہونے کا دعویٰ کر کے جمہوری یا اشتراکی نظام سیاست و اقتصاد کے پیوند اسلام میں لگانے لگتے ہیں۔

مغربی ممالک کی مادی ترقی اور مشرقی ممالک پر ان کی سیادت و برتری کے اسباب یہ ہیں کہ ان ممالک نے اپنے ملک میں نظم و ضبط قائم کیا۔ ان کے باشندوں نے ملکی نظم و ضبط کی پابندی اور سخت مشقت کی اشیا کی تحقیق پر لوگوں نے اپنی زندگی اور اس کی تمام تر توانائیاں صرف کر ڈالیں۔ اس کے نتیجہ میں ایجادات اور سائنسی توجیہات کا سیلاب امنڈ آیا اور مغربی ممالک کے لوگ مادی طور پر ترقی کرتے چلے گئے۔ اس دوران مشرقی ممالک بالخصوص مشرق کے اسلامی ممالک روحانی ترقی کے فریب میں مبتلا ہو کر دین اسلام کے رکن اعظم جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ بیٹھے۔ اہل تصوف نے مجاہدین کے

Marfat.com

ہاتھوں سے تلوار لے کر ان کے ہاتھوں میں تسبیح تھمادی اور میدان جہاد سے نکال کر انہیں خانقاہوں میں دھکیل دیا۔قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ کائنات کی ساخت اوراس کی تخلیق کو دیکھواور غور کرو۔ہم نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے نوع بشر کے لیے مسخر کر دیا ہے پھر دوران امن بھی جہاد جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی اور فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کو تیار رکھو۔اپنی طاقت بڑھاؤ اور کفار دشمنوں پر اپنی ہیبت قائم رکھو۔ہم نے اللہ کے ان احکام پر عمل کرنے، اشیا پر تحقیق اور کائنات کو مسخر اور خود کو دشمنوں سے مقابلہ کے لیے طاقت ور بنانے کی بجائے اللہ ھو، اللہ ھو کی ضربیں لگانے اور روحانیت کے سراب میں گم ہو جانے کے سوا کچھ نہ کیا۔ہم نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس کے نتیجہ میں ہم زوال پذیر ہوتے چلے گئے۔ ہمارے برعکس مغربی ممالک کے لوگوں نے محنت کی، تسخیر کائنات کی مہم پر لگے رہے اور وہ ہم پر غالب ہوتے چلے گئے۔ جوں جوں مسلمانوں پر روحانیت اور تصوف کا غلبہ بڑھتا گیا مسلمان کفار کے غلام اور مغلوب ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل تک دنیا میں ایک بھی ایسا مسلم ملک نہ رہا جو کلیتاً آزاد ہو، کفار کا غلام نہ ہو۔ یہ سب قرآن پر عمل نہ کرنے کے نتیجہ میں ہوا تھا اور آج تجدد پسند نام نہاد مسلم دانشور مسلمانوں کے اس زوال اور ابتری کا علاج بھی ترک قرآن وسنت تجویز کر رہے ہیں۔گویا یہ لوگ تن ناتواں اور نیم مردہ کو زہر دے کر قوی کرنا چاہتے ہیں جبکہ مسلمانوں کی موجودہ ابتری کا علاج بھی قرآن وسنت میں موجود ہے۔ہمیں چاہئے کہ مغربی ممالک کی مادی ترقی سے مغلوب ہو کر ان کے افکار باطلہ کو قبول کرنے کی بجائے ہم خود میں نظم وضبط قائم کریں، دینی خصوصاً قرآنی تعلیمات پر توجہ دینے کے ساتھ سائنسی اور تکنیکی علوم اور مہارت بھی حاصل کریں۔ ہم میں یہ صلاحیت ہے کہ ہم اپنی قابلیت اور صلاحیت سے میزائل اور ایٹم بم بنا سکتے ہیں جیسا کہ ہم بنا چکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نمود ونمائش کی زندگی ترک کر کے اپنے وسائل اور اپنی دولت تکنیکی اور حربی صلاحیت بڑھانے پر صرف کریں۔ زیادہ سے زیادہ طاقت بڑھانے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور ہمارا اس حکم کی تعمیل کرنا جہاد فی سبیل للہ میں حصہ لینا ہے۔ جو لوگ ہم سے صرف طاقت کی زبان میں بات کرتے ہیں ان کو صرف طاقت کی زبان میں ہی جواب دیا جاسکتا ہے۔ان

سے دوستی اور وفاداری قائم کرنا خود کو دھوکا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ کفار جب تک تمہیں اپنے دین سے ہٹا نہ دیں گے تمہارے دوست نہ بنیں گے۔

مغربی اقوام کی مادی ترقی کا راز ان کی مادر پدر آزادی اور ان کے خود ساختہ افکار میں نہیں ان کے نظم و ضبط اور صدیوں کی محنت میں ہے۔ مغربی اقوام کے غیر اسلامی افکار اور مادر پدر آزادی کو قبول کر کے ہم ان کے طغیان اور ان کے عیوب کا شکار بنیں گے ان کی مادی ترقی کے حامل نہ ہو سکیں گے۔ ان اقوام کے افکار و نظریات سے متاثر اور مغلوب ہو کر جو لوگ دین اسلام اور قرآن کے معنی اور مطالب کو مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ کم نظری اور ذہنی غلامی کا شکار ہیں۔ اس قسم کی مرعوبیت اور ذہنی غلامی کا مظاہرہ برصغیر ہند میں سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر قرآن میں کیا تھا۔ ان کا اتباع کچھ اور لوگوں نے بھی کیا۔ ان میں زیادہ مشہور مسٹر غلام محمد پرویز اور ان کے پرویزی گروہ کے لوگ ہوئے۔ مسٹر نیاز فتح پوری نے کوئی تفسیر تو نہیں لکھی لیکن موصوف نے وحی اور رسالت کی جڑ کاٹنے اور ان کی ماہیت بدلنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ سائنس کسی ایسے عمل کو تسلیم نہیں کرتی جس عمل کے مادی اور عقلی اسباب و وجوہ موجود نہ ہوں۔ معجزات کی کوئی عقلی توجیہ و تشریح نہیں کی جا سکتی اس لیے سائنس معجزات کو تسلیم نہیں کرتی۔ سائنس معجزات کی نفی کرتی ہے تو سر سید احمد خان اور مسٹر غلام محمد پرویز وغیرہ بھی مجبور تھے کہ وہ معجزات کو تسلیم نہ کریں۔ ان کے لیے یہ ناقابل برداشت بات تھی کہ وہ معجزات کو تسلیم کر کے مغربی دانشوروں سے جہالت اور بنیاد پرستی کی گالی سنیں۔ وہ ماڈرن اسلام تخلیق کر رہے تھے اور اپنی پسند کی ایسی تفسیر لکھ رہے تھے جو مغربی افکار سے ہم آہنگی رکھتی ہو۔ دشواری یہ تھی کہ قرآن میں بھی واضح الفاظ میں بہت سے معجزات کا ذکر ہوا ہے۔ ان معجزات کی تعبیر ان حضرات نے ایسے بے ربط اور مضحکہ خیز طور پر کی جو قرآن کے متعلقہ متن سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اور جسے معنوی تحریف کا شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً سورہ فیل میں مکہ پر ابرہا کے حملہ اور اس کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ کے الفاظ اور مطالب بالکل صاف اور واضح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرما کر یوں کہا ہے ’تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ ان پر پرندوں کے غول بھیجے

Marfat.com

جو ہاتھیوں پر کنکریاں برسا رہے تھے اور بالآخر وہ ہاتھی والے اور ان کے ہاتھی کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح ہو گئے۔ اس واقعہ کے بیان میں اللہ کا پرندوں کو بھجوانا معجزہ ہے۔ پھر پرندوں کا ہاتھیوں پر کنکریاں برسانا بھی معجزہ ہے کیونکہ پرندے کنکریاں برسانے کا کام نہیں کرتے محض اللہ کے حکم کی وجہ سے پرندوں نے کنکریاں برسائیں سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ کنکریوں کی معمولی سی ضرب سے ہاتھی جیسے گرانڈیل جانور کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح ہو گئے۔ یہ سب باتیں سائنسی تجربات اور مشاہدات کے خلاف ہیں۔ یہ تجدد پسند مفسدین ایسی باتوں کو لکھ کر اور مان کر کیا مغربی دانشوروں کے سامنے اپنا منہ کالا کرواتے۔ انہیں تو اللہ کی بجائے مغربی دانشوروں کے سامنے سرخرو ہونا تھا۔ چنانچہ تفسیر میں ان آیات کی تشریح اس طرح کی گئی کہ' مکہ کے باشندے ابرہا کا مقابلہ کرنے کے لیے پہاڑوں پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ پرندوں کا غول آنے کی تشریح یہ فرمائی کہ وہاں آندھی آ گئی تھی۔ پرندوں کے کنکریاں پھینکنے کی تشریح یہ کی گئی کہ مکہ والوں نے پہاڑوں سے پتھراؤ کر ڈالا۔ موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ مکہ کے باشندوں کے پہاڑوں پر چڑھنے، آندھی آنے اور مکہ والوں کے پتھراؤ کرنے کا ذکر انہوں نے کس تاریخ یا تذکرہ میں پڑھا تھا۔ یہ ان کی شنید تھی یا ان پر کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔ قدیم تذکروں میں تو ایسا کچھ بھی نہیں لکھا۔ اس کے برعکس جناب عبدالمطلب کا ایک قول اس واقعہ کے حوالے سے مشہور ہے کہ انہیں جب بیت اللہ کو ڈھانے کی غرض سے ابرہا کے آنے کی خبر ملی تو وہ یہ کہہ کر بیابان میں نکل گئے کہ جس گھر کو ڈھانے ابرہا آ رہا ہے اس کی حفاظت تو وہ کرے جس کا گھر ہے میں تو اپنے اونٹ جنگل سے واپس لانے جا رہا ہوں۔ عرب کی تاریخ میں یہ واقعہ اتنا مشہور ہے کہ اس واقعہ کی نسبت سے اس سال کا نام 'عامۃ الفیل' رکھ دیا گیا یعنی ہاتھی کا سال۔ اس تاریخی واقعہ میں کہیں بھی ان باتوں کا ذکر نہیں ملتا جو مفسر صاحب کے ذہن رسا نے تخلیق فرما کر لکھ ڈالی ہیں۔ اس تفسیر پر ذرا سا غور کرنے سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تفسیر اللہ پر تہمت کی حامل بھی ہے۔ مفسر صاحب کے بقول ابرہا کے ہاتھیوں اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنی جانیں تو مکہ کے باشندوں نے خطرے میں ڈالیں، پہاڑوں پر وہ چڑھے، پتھراؤ انہوں نے کیا اور دشمن کو انہوں نے مار بھگایا اور نعوذ باللہ فتح کا سہرا اللہ میاں نے

Marfat.com

اپنے سر باندھ لیا اور وہ بھی ایسی ان ہونی بات کہہ کر کہ اللہ نے پرندوں کے غول بھجوا کر اور ان سے کنکریاں پھنکوا کر ہاتھیوں کو بھسم کر ڈالا۔

درج بالا نظیر سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ تجدد پسند طبقہ دین اسلام کو اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس طبقہ کی علمی اور دینی کاوش اللہ کے لیے نہیں اپنی ذات کے لیے ہے۔ یہ لوگ اللہ کے علم اور اللہ کے کلام کو معتبر سمجھنے کی بجائے مغرب کے کافر مفکرین کے علم وافکار کو معتبر سمجھتے اور ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس تجدد پسند طبقہ کے لوگ ایک طرف عالم دین بن کر قرآن میں معنوی تحریف کر رہے ہیں اور سنت کو حجت شرعی تسلیم نہ کر کے شریعت اسلامی کے ایک بہت بڑے حصہ کو کالعدم کرا دینا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اس طبقہ کے نام نہاد دانشور اور مفکرین وحی اور نبوت کی اصل کو تبدیل کر کے الہامی دین کی نوعیت ہی بدل دینے کے درپے ہیں۔ یہ لوگ وحی اور کلام اللہ کو چھٹی حس کا کرشمہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انبیاء کرام نہایت پاکیزہ سیرت کے عبادت گزار لوگ تھے۔ سیرت کی پاکیزگی اور عبادت گزاری کے اثر نے ان کی چھٹی حس کو قوی اور فعال کر دیا۔ چھٹی حس حواس خمسہ سے بالاتر ایسی حس ہے جسے بہت سے ایسے امور کا ادراک واحساس ہو جاتا ہے جو حواس خمسہ کی دسترس میں نہیں ہوتے۔ انبیاء کی چھٹی حس نے ان پر بہت سے کائناتی اسرار ورموز منکشف کیے اور ایسا کلام تخلیق کیا جسے انبیاء اللہ کا کلام سمجھ بیٹھے انہوں نے اس کلام کو من جانب اللہ الہامی کلام تصور کر کے اس کی تشہیر وتبلیغ شروع کر دی۔ انبیاء چھٹی حس اور اس کی کرشمہ سازی سے واقف نہ تھے۔ چھٹی حس کا علم نوع بشر کو بہت بعد میں ہوا۔ اس وقت تک وحی کے نزول اور الہامی کلام کا تصور عام اور مشہور ہو چکا تھا۔

ان نام نہاد دانشوروں سے شاید کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ چھٹی حس کی قوت اور صلاحیت تو انبیاء کو حاصل تھی وہ اس قوت وصلاحیت کے ذریعہ کائناتی اسرار ورموز سے بھی واقف ہو گئے لیکن انہیں یہ علم نہ ہو سکا کہ جسے وہ الہامی کلام قرار دے رہے ہیں وہ فی الحقیقت ان کی اپنی چھٹی حس کا تخلیق کردہ کلام ہے۔ یہ حقیقت انبیاء کی بجائے ان عقل گزیدہ دانشوروں پر منکشف ہوئی جنہیں انبیاء جیسی طاقتور اور فعال چھٹی حس حاصل نہ

Marfat.com

تھی۔ بہت خوب۔ یہ دعویٰ کچھ ایسا ہی ہے جیسے بصارت سے محروم شخص آنکھوں والوں سے کہے کہ تم آنکھیں رکھتے ہو اس لیے تمہیں نظر نہیں آ رہا مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ میدان نہیں بلکہ کوہسار ہے۔

جو لوگ وحی الٰہی کے متعلق یہ تصور رکھتے ہوں وہ کلام الٰہی کو انبیاء کا طبع زاد کلام ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جب وحی کو ہی منزل من اللہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا تو باقی کیا رہ گیا۔ صرف باپ دادا کا رکھا ہوا مسلمانوں جیسا نام۔ الہامی دین کی تو بنیاد ہی ختم ہو گئی۔

اسی عقل گزیدہ اور ابلیس زدہ طبقہ دانشور کے کچھ اور نظریات ملاحظہ ہوں۔ یہ لوگ آدم کو ایک مفروضہ شخصیت قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اولاد آدم صرف کسی ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا نہیں ہوئی۔ گورے کالے پیلے لوگ ایک ماں باپ کی اولاد نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے قرآن میں دعویٰ کیا ہے کہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اللہ کا یہ دعویٰ جینیاتی توجیہ کے خلاف ہے اس لیے اللہ کا دعویٰ غلط اور جینیات کے عالموں کا دعویٰ صحیح ہے۔ اولاد آدم مختلف مردوں اور مختلف عورتوں سے پیدا ہوئی ہے اس لیے ایک آدم نہیں کئی آدم تھے اور ایک حوا نہیں بہت سی حوا تھیں۔ ان دانشوروں کا یہ دعویٰ بھی مصلحت کا شکار ہے ورنہ یہ لوگ تو خود کو بندروں کی اولاد سمجھتے ہیں۔ ان کا باوا آدم وہ بشر نہیں جسے ملائک نے سجدہ تعظیم کیا تھا بلکہ وہ بندر ہیں جو خبث باطن میں مبتلا یہودیوں کو نشان عبرت بنانے کے لیے اللہ نے ان کی قلب ماہیت کر کے انہیں بندر بنا دیا تھا۔ ان ہی بندروں کی اولاد ڈارون بھی تھا جس نے یہ فتنہ بوزنائی تخلیق کیا۔

یہ نام نہاد دانشور جنت و دوزخ کو بھی فرضی اور تمثیلی تصور کرتے ہیں اور اس جنت کو عالم بالا کی بجائے کرۂ ارض پر واقع قرار دیتے ہیں جس جنت سے آدم و حوا نکالے گئے تھے۔ اس طبقہ کے محققین نے جنت و دوزخ کی تلاش میں بڑی تگ و دو کی ہے، بڑی بھاگ دوڑ اور تلاش کے بعد کم از کم جنت کو تو کرۂ ارض پر ڈھونڈ لیا۔ رہ گئی دوزخ تو وہاں یہ لوگ مرنے کے بعد پہنچ ہی جائیں گے۔ مجھ سے ایسی ہی فراست کے مارے ہوئے ایک پرویز زدہ صاحب نے پوچھا۔ جنت کہاں ہے؟ میں نے کہا دوزخ کے پاس۔ انہوں نے

Marfat.com

مجھے لاجواب کرنے کے لیے سوال کیا اور دوزخ کہاں ہے؟ میں نے کہا جنت کے پاس۔ وہ جز بز ہوکر بولے آخر یہ دونوں ہیں کہاں؟ میں نے کہا ایک دوسرے کے آس پاس۔ وہ حضرت برافروختہ ہوکر بولے میں آپ سے ایک علمی سوال کررہا ہوں اور آپ مذاق کررہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو جنت اور دوزخ کے مقام کی تلاش کیوں ہے؟ جنت اور دوزخ کو تلاش کرنا آپ کے دینی فرائض میں شامل نہیں پھر آپ کیوں اپنا وقت اور اپنی عقل ایک لاحاصل تلاش میں ضائع کررہے ہیں؟ آپ یقین کرلیں ملائک سے غلطی کا صدور نہ ہوگا اور وہ آپ کے اعمال کے فیصلہ کے مطابق آپ کو جنت یا دوزخ میں پہنچادیں گے۔

یہ دانش زدہ طبقہ نہ وحی الٰہی کو مکمل طور پر مانتا ہے اور نہ کلام اللہ میں مذکور اذکار اور ہدایات کو۔ یہ لوگ علم طبیعیات اور اس کے عالموں اور محققوں کے پاس اپنی عقل اور ایمان رہن رکھ چکے ہیں۔ یہ اللہ کی بجائے اللہ کے بندوں کے علم کو معتبر سمجھتے ہیں جبکہ انسانی عقل اور علم دونوں محدود الاصل اور قیاسی ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی فکر اور رائے میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے اور تبدیلی کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا مسلسل جاری رہتا ہے جو سائنسی توجیہ کل حقیقت کبریٰ تسلیم کی جاتی تھی وہ آج غلط قرار دے دی گئی جو آج حرف آخر تصور کی جاتی ہے وہ کل غلط ثابت ہوسکتی ہے۔ کائنات بہت وسیع اور نظام کائنات مخفی و مستور حکمتوں اور نظاموں سے بھرا پڑا ہے۔ جب یہ کائنات بن رہی تھی اس وقت صرف خالق کائنات موجود تھا۔ آدم اور اولاد آدم موجود نہ تھی۔ اس لیے تخلیق کائنات کے متعلق انسان جو کچھ کہتا ہے وہ محض قیاسی اور مفروضی ہے۔ اسی طرح اشیا کی ماہیت، کائنات اور نظام کائنات کے متعلق بھی انسانی علم بہت محدود، قیاسی اور ابتدائی نوعیت کا ہے۔ انسانی عقل و علم کی اس کم مائیگی اور لاچاری کو نظر انداز کردینا حقائق سے گریز اور عقل کو گمراہ کرنا ہے۔ دانش مندی یہ ہے کہ عقل پر ایمان کو اور اپنی فراست پر اپنے رب کی فراست و ہدایت کو ترجیح دی جائے۔

انسانی علم کو معتبر اور خالق کائنات کے علم کو غیر معتبر سمجھنے والے مغربی مفکرین سے مغلوب مسلم دانشوروں کا یہ طبقہ مختلف صورتوں اور مختلف شعبوں میں مصروف عمل ہے۔

Marfat.com

تجدیدِ اسلام یا ماڈرن اسلام کی جو صدائیں سننے میں آ رہی ہیں ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ لوگ خود کو اور اپنی پوری زندگی کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر کے احکام اللہ کی پابندی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ خوف خلق سے اپنے موروثی دین سے دست بردار ہونے سے ڈرتے ہیں۔ ایسے لوگ منتظر اور کوشاں ہیں کہ دین اسلام ان کی منشا و افکار کے مطابق بدل جائے۔ ایسا ہونے کے بعد یہ لوگ کھلے طور پر الہامی دین سے دست کش اور باغی ہو جائیں گے۔ یہ لوگ اجتہاد کا مؤثر لفظ استعمال کر کے تعلیم یافتہ مگر علوم الدین سے ناواقف لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ آئمہ فقہہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جہاں اور جن امور میں قرآن وسنت کا حکم موجود ہو وہاں اور ان امور کے لیے اجتہاد حرام اور گناہ ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ باید و شاید ہی زندگی کے ایسے معاملات ہوں گے جن کے متعلق قرآن وسنت میں فیصلہ موجود نہ ہو۔ اصل بات یہ ہی ہے کہ یہ بقلم خود دانشور طبقہ خود کو اور اپنے افکار و خواہشات کو دین اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ لوگ دین اسلام کو اپنی خواہشات و افکار کے سانچوں میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ ورنہ اسلام کا مستقل اور مکمل سیاسی نظام بھی موجود ہے اور اقتصادی نظام بھی اور اس امر پر بھی علماء کی اکثریت متفق ہے کہ جو مسلمان موجودہ دور میں یا کسی بھی دور میں دین اسلام کے کسی بھی نظم کو ناقابل عمل تصور کرے وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔

شریعت کے دوسرے ماخذ سنت نبوی کو تمام اصحاب رسول اللہ ﷺ اور فقہا نے احکام شریعہ کے لیے حجت اور قرآن کی طرح فیصلہ کن قرار دیا ہے اور کسی نے بھی سنت کو ماخذ شریعت تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا۔ مسئلہ صرف سنت کے ثابت ہونے کا ہے اور یہ مسئلہ تبع تابعین کے بعد خاص طور پر اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اسلام دشمنوں نے ہزاروں روایات حدیث گھڑ کر مشہور کر دی تھیں۔ اس صورت حال میں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ ان روایات میں کون سی اصلی اور معتبر ہیں اور کون سی غیر معتبر۔ بحمد للہ اس مسئلہ کو آئمہ حدیث نے بڑی حد تک طے کر دیا اور تحقیق روایات کے لیے ایک مستقل اور نہایت جامع شعبہ علم مدون ہو گیا۔ چنانچہ آئمہ حدیث نے ڈیڑھ دو لاکھ احادیث پر تحقیقی عمل کر کے ان میں سے چار پانچ ہزار احادیث کو معتبر قرار دے دیا باقی کو رد کر دیا۔ مختصر یہ کہ سنت ثابتہ کی شرط کے

Marfat.com

ساتھ شریعت کا دوسرا ماخذ سنت نبوی ﷺ ہے۔ سنت ثابتہ کو تسلیم نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے قرآن کو تسلیم نہ کرنا۔

شریعت کا تیسرا ماخذ اجماع امت کو قرار دیا گیا ہے۔ عقل اس ماخذ کو تسلیم نہیں کرتی۔ اجماع کی جو شرائط مقرر کی گئی ہیں ان شرائط پر اجماع کا انعقاد ہر دور میں بے حد مشکل اور احتمالی رہا ہے۔ ہمیں صحابہ کرام کے دور میں بھی اجماع امت کی کوئی مستند نظیر نہیں ملتی۔ صحابہ کے دور کے بعد یہ امر مشکل تر ہوتا گیا کہ عالم اسلام کے تمام علماء ایک جگہ جمع ہوں اور وہ کسی مسئلہ پر متفقہ فیصلہ کریں۔ آج کل ایسا ہونا بالکل ہی ناممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث سے اجماع کا حکم استنباط کیا گیا ہے وہ فی الحقیقت امور شریعت کے متعلق نہیں بلکہ ایسے وقتی مسائل کے متعلق ہے جو احکام شریعت سے تعلق نہیں رکھتے مثلاً انتخاب امیر وغیرہ۔ بالفرض کسی شرعی نوعیت کے مسئلہ پر اجماع ہو بھی جائے تو یہ امکان پھر بھی باقی رہتا ہے کہ اسی مسئلہ پر کبھی دوبارہ اجماع ہو اور اس سے پہلے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے۔ اس طرح پہلا فیصلہ کالعدم ہو کر دوسرا فیصلہ نافذ ہو جائے جبکہ احکام شریعت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ناقابل تنسیخ اور تغیر و تبدل ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں کسی ایسے طریقہ کو ماخذ شریعت قرار نہیں دیا جا سکتا جو طریقہ کسی دور میں ناقابل عمل ہو جائے جیسا کہ آج کل اجماع امت کا انعقاد غیر ممکن امر ہے۔

احکام قرآن کے خلاف شریعت سازی

دین اسلام نے چودہ سو سال میں کئی علمی، سیاسی اور معاشرتی دور گزارے ہیں۔ قرون اولیٰ میں صحابہ کرام اور تابعین کا ایسا دور بھی گزرا ہے جس دور میں یہ حضرات کرام قرآن کے سوا اور کچھ نہ پڑھتے تھے حتیٰ کہ اس دور میں حدیث اور تاریخ لکھنا بھی پسندیدہ عمل تصور نہ ہوتا تھا۔ لوگ قرآن ہی لکھتے تھے۔ پچیس ہجری کے بعد قرآن کی کتابت نہ صرف لوگوں کا پسندیدہ عمل بن گئی تھی بلکہ کچھ لوگوں کا ذریعہ معاش بھی۔ قرآن کی کتابت بن گیا تھا۔ اسلامی ریاست ۲۵ ہجری تک لاکھوں مربع میل کی وسعت حاصل کر چکی تھی اور لاکھوں افراد دائرہ الام میں داخل ہو گئے تھے۔ اللہ کے حکم کے مطابق قرآن

Marfat.com

پڑھنا اور قرآن کو سمجھنا ہر مسلمان پر فرض تھا۔ یہ فریضہ نومسلموں پر بھی عائد ہوتا تھا۔ لاکھوں مسلمانوں کو تلاوت کے لیے قرآن کے نسخے مطلوب تھے اس لیے خواندہ حضرات مسلسل قرآن کے نسخے تیار کر کے اس طلب کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صحابہ کرام اور تابعین کا مستقل طریقہ یہ تھا کہ وہ زندگی کے ہر مسئلہ میں قرآن سے فیصلہ حاصل کرتے تھے۔ ان حضرات کو یقین تھا کہ سورۃ النحل کی آیت ۸۹ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق یہ جو فرمایا ہے کہ یہ کتاب تمام باتوں کو بیان کرنے والی ہے وہ بات غلط نہیں ہوسکتی یقیناً قرآن میں زندگی کے ہر معاملہ اور مسئلہ کا حل موجود ہے۔ یہ ہماری تلاش کی خامی ہے جو ہمیں مطلوبہ مسئلہ کا حل قرآن میں نہیں مل رہا۔ ایسی صورت میں وہ تلاش جاری رکھتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ کیا ان کے علم میں ہے کہ اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکم و فیصلہ دیا تھا۔ انہیں کسی صحابی سے کوئی حدیث مل جاتی تو وہ اس حدیث کے مطابق فیصلہ کر لیتے تھے۔ صحابہ کرام کے اس طرز عمل کو آئمہ فقہہ نے بھی اختیار کیا۔ وہ بھی سب سے پہلے قرآن میں مسئلہ کا حل تلاش کرتے تھے۔ اگر قرآن میں انہیں مسئلہ کا حل نہ ملتا تو پھر وہ سنت ثابتہ سے حل تلاش کرتے اور جب انہیں سنت ثابتہ میں بھی حل نہ ملتا تو وہ احتیاطاً صحابہ کرام کے عمل اور فیصلہ سے رجوع کر لیتے تھے کیونکہ آئمہ فقہہ کا خیال تھا کہ صحابہ کرام قرآن وسنت سے جس قدر واقف تھے اتنا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ آئمہ فقہہ اپنے قیاس اور اپنی رائے پر فیصلہ دینے میں بہت محتاط رہتے تھے اور قیاس کی بنیاد پر اپنے اجتہادی فیصلے کو شریعت کا درجہ نہ دیتے تھے۔ وہ بھی شریعت کا درجہ صرف ان فیصلوں کو دیتے تھے جو قرآن وسنت پر مبنی ہوتے تھے۔

آئمہ فقہہ نہایت مخلص دین اسلام کے شیدائی اور حق کے جویا تھے۔ ان کی وفاداری اور دلچسپی صرف حق سے وابستہ تھی۔ انہیں جو بھی حق نظر آیا اسے دلائل وثبوت کے ساتھ بیان کر دیا۔ وہ نہ کسی فقہی مسلک کے بانی تھے اور نہ ہی وہ یہ برداشت کر سکتے تھے کہ کوئی مسلک ان کے نام سے منسوب کر دیا جائے۔ اگر انہیں شک بھی ہوجاتا کہ لوگ ان کے نام سے فقہی مسالک ومذاہب قائم اور جاری کر دیں گے تو یقیناً وہ درس وتدریس کا سلسلہ بند کر کے گوشہ نشین ہوجاتے۔ اس دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ ہر امام فقہ کے قابل

Marfat.com

ترین شاگردوں نے بعض امور میں اپنے استاد کی رائے سے اختلاف کیا اور اپنے استاد کے فیصلہ کے خلاف کھل کر دلائل وثبوت پیش کیے۔ امام ابوحنیفہ کے ان تینوں لائق و فائق شاگردوں نے جن کی تحریروں سے فقہ حنفیہ وجود میں آیا تھا اپنے استاد امام ابوحنیفہ کے کئی فیصلوں سے اختلاف کیا اور اپنے استاد کی غلطی پر کھل کر روشنی ڈالی۔ امام مالک کے شاگرد امام شافعی تھے اور امام شافعی کے شاگرد امام حنبل۔ امام شافعی اور امام حنبل دونوں نے اپنے اپنے استاد کے فیصلوں سے اختلاف کیا ہے اسی لیے بعد میں شافعی اور حنبلی مسالک پیدا ہوئے۔ ہر امام فقہ کے شاگردوں کا اپنے استاد کی بعض آرا سے اختلاف کرنا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ سب حضرات محض حق کے جویا تھے کسی فقہی مسلک کی تشکیل کے خواہاں نہ تھے۔ اگر یہ حضرات کسی فقہی مسلک کی تشکیل کرنا چاہتے یا خود کسی مسلک سے وابستہ ہوتے تو ان کے شاگرد اپنے استاد کی غلطیوں پر پردہ ڈالتے ان پر تنقید نہ کرتے۔ فقہی دھڑے بندی بہت بعد کی پیداوار ہے اور یہ دھڑے دین کی خدمت کے لیے نہیں لوگوں نے اپنی خدمت اور خلافہ وسلاطین کے دربار میں اپنے دھڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے بنائے تھے۔ فقہی دھڑے بندی درباری سیاست سے نکل کر جب عوام میں پہنچی تو اس نے باقاعدہ مذاہب کی صورت اختیار کر لی اور لوگ اپنے نام کے ساتھ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مذہب کا دم چھلا لگانے لگے جبکہ عام لوگوں کی بھاری اکثریت کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جس فقہی مذہب سے وابستگی کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ مذہب ہے کیا اور کن امور میں اس مسلک کے کیا فیصلے ہیں۔ اس فیشن نے مسلک کی تقسیم در تقسیم کر ڈالی اور ایک ہی فقہی مسلک سے وابستہ علماء اور علماء کے تابعین مزید مسالک میں تقسیم ہو گئے۔ برصغیر ہند میں اس کی نمایاں مثال دیوبندی اور بریلوی مسالک کی صورت میں ملتی ہے۔ دیوبندی اور بریلوی حضرات خود کو حنفی کہتے اور اپنا تعلق فقہ حنفیہ سے بتاتے ہیں لیکن یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے سخت مخالف اور عقائد اور دینی امور میں بالکل مختلف ہیں حتیٰ کہ ان کی مسجدیں الگ، ان کے امام صلوٰۃ الگ اور ان کے مدرسے بھی الگ ہیں اور ان کے درمیان اکثر مسلح تصادم بھی ہو جاتا ہے۔

فقہی مسالک قائم کرنے والے درباری علماء کا بنیادی مقصد دربار میں علماء کی

Marfat.com

دھڑے بندی قائم کرنا تھا لیکن بعد میں اس دھڑے بندی نے امت کو بجز اختلاف و افتراق کچھ نہ دیا۔ اس دھڑے بندی کا سب سے بڑا نقصان امت کو یہ پہنچا کہ عام مسلمان قرآن پڑھنے، قرآن سننے اور قرآن میں غور کرنے کے اہم فریضہ سے لاپروا اور بے نیاز ہوگئے۔ قرآن پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ طوطے کی طرح آیات قرآنی پڑھتے رہیں۔ اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں اس عبارت کا مطلب کیا ہے کیونکہ اللہ نے آپ پر قرآن میں غور کرنا اور مطالب قرآن کو سمجھنا بھی فرض کیا ہے حتیٰ کہ ایسی صلوٰۃ کو غیر مقبول بتایا ہے جس میں آپ کو یہ علم نہ ہو سکے کہ آپ نے جو تلاوت کی اس کا مطلب کیا تھا۔ یہ فقہی مسالک کے علماء تھے جنہوں نے عام مسلمانوں کو ڈرایا کہ اگر تم نے مخصوص علماء کے بغیر قرآن فہمی کی کوشش کی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس قسم کے غلط دعوے کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ یہ علماء اپنے فقہی مسلک کی بنیاد پر جن مخصوص عقائد اور جن احکام شریعہ کی تعلیم دیتے رہے ہیں ان میں سے بعض عقائد اور بعض شرعی فیصلے قرآن کے واضح طور پر خلاف ہیں۔ اگر عام آدمی نے قرآن کو حق کامل سمجھ کر ان مسائل کے متعلق قرآن کا اختلافی فیصلہ پڑھ لیا تو وہ اپنے علامہ صاحب اور اپنے فقہی فیصلہ کو غلط قرار دے دے گا اور گمراہ ہو جائے گا۔ یعنی علامہ کے فیصلے کو ترک کر کے قرآن کے فیصلے کو قبول کر لینا گمراہی ہے۔

قرآن پڑھ کر یا سن کر صرف وہ ہی لوگ گمراہ ہو سکتے ہیں جن کے دلوں میں کجی اور حق و صداقت سے بغض ہو۔ اگر قرآن کا عام اثر گمراہ کن ہوتا تو کفار قریش قرآن سننے سے اپنے لوگوں کو منع نہ کرتے بلکہ خود لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے تاکہ وہ کفر اور گمراہی میں اور پختہ ہو جائیں۔ آج پوری دنیا میں مسلمان مغلوب اور پسماندہ ہیں۔ سیاسی اور اقتصادی طور پر کفار کا غلبہ ان پر مسلط ہے۔ جدید علوم اور تکنیکی مہارت میں بھی مسلمان بہت پیچھے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ عام مسلمانوں کا اخلاقی معیار اور ان کا عام کردار قابل تقلید نہیں۔ ان تمام محرومیوں اور نقائص کے باوجود ترقی یافتہ ممالک میں مسلسل تعلیم یافتہ لوگ دین اسلام قبول کر رہے ہیں۔ انہیں کوئی مسلمان نہیں کر رہا سوائے قرآن کے۔ یہ لوگ نہ کسی فقہی مسلک سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی عربی زبان سے یہ اپنی

Marfat.com

زبان میں قرآن کا ترجمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ لوگ قرآن پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور فقہی مسالک کے علماء مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ خبردار اپنے مسلکی استاد کے بغیر قرآن کے معنی و مطالب سمجھنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ تم اگر کافر نہیں تو گمراہ اور بدعقیدہ ضرور ہو جاؤ گے۔

عوام اور خواص کی نظر میں جب قرآن پڑھنے اور قرآن میں غور کرنے کے اہم ترین فریضہ کی اہمیت باقی نہیں رہی تو انہوں نے یہ فریضہ علامہ صاحب کے سپرد کر دیا اور خود دنیاوی مسائل میں مصروف ہو گئے۔ پنڈتوں اور پادریوں کی طرح یہ کام مولویوں کے لیے مخصوص ہو گیا کہ وہ قرآن پڑھیں اور علوم دینیہ حاصل کریں۔ عام مسلمان اس انتہائی اہم دینی فریضہ سے مستثنٰی ہو گئے۔ اب دین اسلام اور احکام شریعہ وہ ہو گئے جو مسجد کے امام صاحب یا کوئی علامہ صاحب اپنے علم کے مطابق بتا دیں۔ فقہی مسالک نے علماء کے لیے مختصر راستہ پیدا کر دیا۔ ان حضرات نے بھی براہ راست قرآن و سنت سے احکام حاصل کرنے کی بجائے اپنے فقہی مسلک کی کتب سے فیصلے حاصل کرنے تک اپنی کاوش کو محدود کر دیا۔ قرآن سے عام بے تعلق اور بے نیازی اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اگر ان مفتیان کرام سے کوئی مسلمان کسی مسئلہ میں فتویٰ طلب کرتا ہے تو ان حضرات کا فتویٰ قرآن و سنت کی بجائے اپنے فقیہ کی کتب پر مبنی ہوتا ہے۔ عموماً یہ حضرات فتوے میں لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں فلاں امام فقہ کا یا چاروں آئمہ فقہ کا یہ فیصلہ ہے۔ یہ حضرات یہ نہیں لکھتے کہ اس فیصلہ کی بنیاد قرآن کی کس آیت یا کس حدیث پر مبنی ہے۔ نتیجہ یہ کہ سوال کرنے والا متعلقہ مسئلہ میں قرآن و سنت کے فیصلے سے بے بہرہ رہتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ آئمہ فقہ نے بھی قرآن کی کسی نص یا کسی حدیث کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہوگا لیکن اس کا یہ خیال غلط بھی ہوتا ہے۔ قرآن سے امت کی بے تعلقی نے قرآن کے خلاف اور صریح خلاف بعض فقہی فیصلوں کو شریعت کا درجہ دلا دیا ہے۔ آج امت کا کافی بڑا حصہ ایسے فقہی فیصلوں کو شریعت سمجھتا اور ان پر عمل کرتا ہے جو قرآن کے صریح خلاف ہیں۔ ہم یہاں قرآن کے خلاف ایسے شرعی فیصلہ کی ایک نمایاں مثال پیش کرتے ہیں۔ یہ مثال ہے ایک ہی وقت میں تین طلاق کو طلاق بائن قرار دینے کی۔

Marfat.com

نکاح اور طلاق

نکاح ایک معاہدہ ہے جو عورت اور مرد کے درمیان برضا ورغبت اس نیت کی بنیاد پر عمل میں آتا ہے کہ دونوں فریق زندگی بھر زن وشوہر کی حیثیت سے ساتھ رہیں گے۔ زندگی بھر ساتھ رہنے کی نیت اور شرط ہی نکاح کی روح ہے اور اسی شرط سے نکاح ومتعہ یا زنا کے درمیان خط امتیاز قائم ہوتا ہے۔ اگر نکاح متعین وقت کے لئے کیا جائے تو وہ نکاح نہیں زنا ہے۔ زنا میں نکاح کی دیگر شرائط مثلاً عورت کا مہر یا معاوضہ۔ عورت اور مرد کی رضامندی اور جنسی اختلاط میں دونوں کا تعاون وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔ صرف زندگی بھر ساتھ رہنے کا عہد اور ارادہ شامل نہیں ہوتا۔ نکاح زوجین کی صرف جنسی ضرورت پوری کرنے کا ہی ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ انسانی معاشرے کی بعض اہم ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ ایک صالح پاکیزہ اور فحاشی اور شہوت رانی سے پاک معاشرہ کی تشکیل اور معاشرے کی بقا کے لیے ذہنی اور جسمانی طور پر صحت منداور مفید نئی نسل کی فراہمی بھی نکاح کے عمل سے ہوتی ہے۔ اور معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان کی تشکیل کا عمل بھی نکاح کی بنا پر ہوتا ہے۔ نکاح جیسے مفید اور ایک صالح معاشرے کے لئے ناگزیر معاہدے کی تنسیخ طلاق کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ جو چیز اور جو عمل کسی نہایت مفید اور ذریعہ خیر کو تباہ اور کالعدم کر ڈالے وہ چیز اور وہ عمل قابل ستائش اور باعث خیر نہیں ہوسکتا ایسے مضر عمل سے بچنے کی جتنی بھی ممکنہ کوشش کی جاسکے وہ بہتر اور قابل ستائش کاوش قرار دی جائے گی۔

معاہدہ نکاح کی بنیادی شرط نیت سے تعلق رکھتی ہے اس لئے طلاق کے لئے بھی بنیادی شرط نیت پر مبنی ہونی چاہئے کسی وقتی ترارے اور غیر سنجید عمل پر طلاق کو مبنی نہ ہونا چاہیے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عمل طلاق کی تکمیل کے لئے ایسی شرائط عائد فرمائی ہیں کہ کوئی بھی شوہران شرائط کی تکمیل اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ وقتی جذبات اور غیض وغضب سے مبرا ہو کر پوری سنجیدگی کے ساتھ بیوی سے علیحدگی کا تہیہ نہ کرلے۔ طلاق ایک ایسا وسیع الاثر اور نقصان دہ عمل ہے جس کی منفی اہمیت کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء کی چند آیات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ طلاق کے عنوان سے ایک پوری سورۃ نازل فرمادی

Marfat.com

اور پوری وضاحت سے طلاق کی شرائط اور طریقہ کار بیان کر دیا تا کہ اس مسئلہ میں کوئی گنجلک پیدا نہ ہو اور تشریح کی ضرورت باقی نہ رہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۸

ترجمہ: جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ خود کو تین قروء تک روکے رکھیں۔ انہیں اس بات کی اجازت نہیں کہ جو کچھ اللہ نے ان کے ارحام میں پیدا کر دیا ہے۔ اسے چھپائیں اگر ان کا اللہ اور روز محشر پر ایمان ہے۔ ان کے خاوند زیادہ حق دار ہیں اس بات کے کہ وہ انہیں ان ایام میں (عدت کے دوران) واپس لے لیں اگر وہ اصلاح حال کرنا چاہیں۔ اور عورتوں کا بھی مردوں پر حق ہے جتنا مردوں کا ان پر حق ہے لیکن مردوں کو ان پر ایک گونہ فضیلت ہے اور اللہ طاقت والا اور تدبیر والا ہے۔

سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۲۹

ترجمہ: طلاق ہے دو بار (تک) اس کے بعد رکھ لینا دستور کے مطابق یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے اور تم کو جائز نہیں کہ لے لو اپنا دیا ہوا عورتوں سے۔

سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۰

ترجمہ: پھر اگر اس عورت کو طلاق دی (تیسری) تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اس کے بعد جب تک کہ نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس کے سوا پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں کہ دونوں باہم مل جائیں اور خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی۔ بیان کرتا ہے ان کو جاننے والوں کے لئے۔

سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۱

ترجمہ: جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں وہ اپنی عدت تک تو رکھ لو ان کو دستور کے موافق یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرح سے اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کے لئے تا کہ ان پر زیادتی کرو اور جو ایسا کرے گا وہ بیشک اپنا ہی نقصان کرے گا اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی ٹھٹھ۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۳۱ کے آخری الفاظ تشریح طلب ہیں۔ کفار مکہ میں بھی طلاق کا ضابطہ موجود تھا اور وہ لوگ بھی عدت کے پابند تھے۔ یہ اصول ان کے ہاں بھی مروج تھا کہ عدت کی میعاد ختم ہونے سے قبل اگر شوہر اپنی بیوی سے رجوع کرلے تو طلاق غیر موثر ہو جاتی تھی۔ اس اصول سے وہ لوگ ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے جو اپنی بیویوں پر ظلم کرتے تھے اور انہیں مستقلاً اذیت میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے ایسے لوگ اپنی بیوی کو طلاق دیتے اور جب عدت کا وقت ختم ہونے لگتا ان سے رجوع کر لیتے تھے۔ رجوع کے نتیجہ میں طلاق غیر موثر ہو جاتی تھی اس کے بعد وہ پھر بیوی کو طلاق دیدیتے تھے اس طرح طلاق دینے اور رجوع کرنے کا سلسلہ جاری رہتا اور بیوی کی زندگی جہنم بن جاتی تھی۔ قبل از اسلام کے اس ظالمانہ طریقہ کو ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے رجوع کے عمل کو عورتوں پر زیادتی کرنے کا ذریعہ بنانے سے منع فرمایا اور اس طریقہ کار کو اللہ کے احکام کا مذاق اڑانے جیسا قبیح گناہ کہہ کر مذکورہ روش کو گناہ کا درجہ دیدیا۔ قرآن کے احکام کے مطابق طلاق کے بعد بیوی سے رجوع کرنے کو خلوص نیت پر مبنی کہا گیا ہے۔ شوہر کی نیت بیوی کو اذیت دینے اور پریشان کرنے کی نہ ہو بلکہ اصلاح حال کی ہو۔ اگر طلاق دینے سے عدت کی مدت میں زوجین کے تعلقات میں بہتری آگئی ہو اور حدود اللہ کے مطابق بہتر ازدواجی زندگی گزارنے کے امکانات پیدا ہوگئے ہوں تو شوہر رجوع کر کے طلاق کو غیر موثر کردے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۸ ـ ۵ ہجری سے قبل نازل ہو چکی تھی۔ سورۃ البقرۃ کی آیات کے نزول کے بعد سورۃ الطلاق نازل ہوئی جس کی کل بارہ آیات ہیں اس سورۃ کو۔ سورۃ النساء القصریٰ۔ بھی کہا گیا ہے یعنی چھوٹی سورۃ النساء سورۃ البقرہ کی آیات ۲۸۸ میں حکم دیا گیا تھا کہ۔ جن عورتوں کو طلاق دی گئی وہ خود کو تین قروء تک روکیں۔ لفظ قروء سے بات واضح نہ ہو رہی تھی اور طلاق کی دوسری شرائط بھی واضح نہ تھیں اس لئے ۵ ہجری کے اوائل میں سورۃ الطلاق نازل ہوئی جس نے طلاق کے عمل کی پوری وضاحت کردی اور کوئی گنجلک باقی نہ رہی۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات:

سورۃ الطلاق، آیت: ۱

Marfat.com

ترجمہ: اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو طلاق دو ان کی عدت پر (یعنی جب وہ حیض سے فارغ ہو جائیں) اور گنتے رہو ان کی عدت کو۔ اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا۔ اور مت نکالو ان کو ان کے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر جب (وہ کریں) صریح بے حیائی اور یہ حدیں ہیں باندھی ہوئی اللہ کی۔ اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے بڑھے تو اس نے اپنا برا کیا۔ اسے خبر نہیں کہ شاید اللہ پیدا کر دے اس طلاق سے کوئی نئی صورت (یعنی زوجین میں اتفاق پیدا ہو جائے)۔

سورۃ الطلاق، آیت:۲

ترجمہ: پھر جب پہنچیں اپنی عدت کو تو رکھ لو ان کو دستور کے مطابق اور گواہ کر لو دو معتبر اپنے میں سے اور سیدھی ادا کرو گواہی واسطے اللہ کے۔ یہ جو بات ہے اسے سمجھ جائے گا جو کوئی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔

سورۃ الطلاق، آیت:۴

ترجمہ: جو عورتیں ناامید ہو گئیں حیض سے تمہاری عورتوں میں سے اگر اس وجہ سے تمہیں شبہ رہ گیا ان کی عدت کی مدت میں تو ان (عورتوں) کی عدت ہے تین ماہ اور ایسے ہی (ان کی عدت ہے) جنہیں حیض جاری نہیں ہوا۔ اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ جن لیں پیٹ کا بچہ اور جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے کر دیتا ہے وہ اس کے کام میں آسانی۔

سورۃ الطلاق، آیت:۶

ترجمہ: انہیں (طلاق دی عورت کو) رہنے کے لئے گھر دو جہاں تم خود رہو۔ اپنے مقدور کے مطابق اور ایذا دینا نہ چاہو ان کو تا کہ تنگ پکڑو ان کو اور اگر رکھتی ہیں پیٹ میں بچہ تو ان پر خرچ کرو یہاں تک کہ جنیں بچہ۔

سورۃ البقرہ کی چار اور سورۃ الطلاق کی چار آیات سے طلاق کا طریقہ اور اس کی شرائط واضح طور پر مقرر ہو جاتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس مقرر کردہ طریقہ طلاق اور اس کی شرائط سے طلاق کے معاملہ میں یہ حکمت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ طلاق جیسے

Marfat.com

غیر معمولی اقدام کو وقتی جذبات غصہ اور طیش کی تحریک کی بجائے ہوش وخرد کے سوچے سمجھے فیصلہ پر مبنی کروانا چاہتا ہے۔ طلاق ایسی صورت میں آخری اور ناگزیر اقدام کے طور پر دی جائے جب زوجین کے لئے باہمی اُنس خیر خواہی اور وفاداری کے ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہ رہے۔ اور ان کا الگ ہو جانا ہی ان کی بقیہ زندگی کے لئے بہتر اقدام کی صورت اختیار کر جائے۔ اگر زن وشوہر کے طبائع مزاج اور عادات کا اختلاف کسی طرح کم یا رواداری کی حد پر قائم نہ ہو سکے اور دونوں کے درمیان ہر روز اور ہر وقت کی کشیدگی۔ لڑائی اور بیزاری کے نتیجہ میں ان کی اولاد پر گھر کے اس کشیدہ ماحول کے نفسیاتی اثرات مرتب ہونے لگیں تو بہتر ہے کہ وہ اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیوں کو اس مضر اور کشیدہ ماحول سے نجات دلانے کے لئے علیحدگی اختیار کر لیں۔ طلاق کا سب سے برا پہلو یہ ہے کہ غلطی خواہ شوہر کی ہو یا بیوی کی یا دونوں کی اس غلطی کا سب سے زیادہ خمیازہ اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اولاد کو ماں کی محبت اور باپ کی شفقت اور نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے ماں باپ کی علیحدگی کے نتیجہ میں اولاد کو ماں کی محبت یا باپ کی شفقت اور نگرانی سے محروم ہونا پڑتا ہے اور یہ محرومی ان کی نفسیات پر لازمی طور سے برے اثرات مرتب کرتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی بھی حکم اور کوئی بھی کام مصلحت اور افادیت سے خالی نہیں ہوتا۔ طلاق کے عمل کو طویل اور پیچیدہ بنا دینے میں اللہ جل شانہ کی مصلحت ہی یہ ہے کہ طلاق کی بنیاد غیر سنجیدہ اور جذباتی عمل پر قائم نہ رہے۔ طلاق غیر جذباتی انداز کے سنجیدہ فیصلہ پر مبنی ہو۔ اگر حماقت سے کوئی شخص وقتی طیش اور جذبات کی رو میں بہہ کر طلاق دے بیٹھے تو اسے اصلاح اور اپنی حماقت کا مداوا کرنے کا ذریعہ اور مناسب وقت حاصل رہے۔ زندگی کے اتنے اہم فیصلے جذبات کی بنیاد پر کرنا نہ تو قرین مصلحت ہے اور نہ ہی مفید۔

سورۃ البقرہ اور سورۃ الطلاق کی محولہ بالا آیات سے طلاق کی جو شرائط اور طلاق کا جو قرآنی طریقہ مرتب ہوتا ہے اور جن شرائط اور طریقہ کو علما نے بلا اختلاف تسلیم کیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ یہ کہ حیض کی حالت میں عورت کو طلاق نہ دی جائے۔

۲۔ یہ کہ جس طہر یعنی حیض سے پاک ہو جانے کے بعد عورت سے مباشرت کی گئی

ہواس طہر میں طلاق نہ دی جائے۔اس کی تشریح یہ ہے کہ بیوی حیض سے پاک ہوئی۔غسل حیض کے ایک دو دن یا دس پندرہ دن کے بعد شوہر نے اس سے مباشرت کی اب شوہر بیوی کو اس وقت تک طلاق نہیں دے سکتا جب تک بیوی کو دوسری بار حیض نہ آئے اور وہ اس سے فارغ ہونے کے بعد غسل نہ کر لے۔ جس طہر میں مباشرت کی گئی وہ طہر رجوع کرنے کا طہر بن جائے گا یعنی ایک طہر سے دوسرے طہر کے درمیان کا وہ حصہ جس میں بیوی سے رجوع کرلیا گیا۔ اس طہر کے دوران طلاق دینا جائز نہیں۔شوہر کو چاہئے کہ وہ دوسرے حیض اور اس سے فراغت کا انتظار کرے اور جب بیوی دوسرے طہر سے فارغ ہو جائے تب طلاق دے۔

۳۔ یہ کہ درج بالا دونوں شرائط کی پیروی کرتے ہوئے شوہر اپنی بیوی کو پہلی طلاق دے۔اس طلاق کے بعد شوہر پر لازم ہے کہ وہ نہ بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ خود گھر چھوڑے بلکہ دونوں حسب سابق ایک ہی گھر اور ایک ہی بستر پر سوئیں تا کہ دوران عدت وہ رجوع کرسکیں۔اور رجوع کے اقدام میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

۴۔ یہ کہ رجوع کے اقدام کے لئے راہ کھلی رہے اس اقدام کے درمیان کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے۔طلاق کے لئے یہ بھی ایک اہم شرط ہے۔

۵۔ یہ کہ دوران عدت کسی بھی وقت رجوع کر لینے کی صورت میں طلاق غیر موثر اور کالعدم ہو جائے گی۔رجوع مباشرت کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور زبانی اقرار کی صورت میں بھی۔

۶۔ یہ کہ جس عورت کو حیض آنا بند ہو جائے یا جسے حیض نہ آتا ہو اس عورت کے لئے عدت کا شمار قمری ماہ سے ہوگا اور تین قمری ماہ عدت کی مدت ہوگی اور اگر عورت حاملہ ہے تو عدت اولاد جن لینے تک رہے گی۔مرد ایسی عورت میں قمری ماہ کے مطابق عدت کے دوران رجوع کرسکتا ہے۔

طلاق کا مقررہ طریقہ جو قرآن کی مذکورہ آیات سے مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ

شوہر بیوی کو ایسے طہر میں طلاق دے جس طہر میں اس نے بیوی سے مباشرت نہ کی ہو۔ یہ پہلی طلاق ہو گی اس طلاق کے دوران شوہر بیوی کے ساتھ ایک ہی گھر میں مقیم رہے۔ بیوی جب دوسرے ماہ حیض سے فارغ ہو کر غسل کر لے تو شوہر بیوی کو دوسری بار طلاق دے اور دوران عدت اس کے ساتھ رہے اس کے بعد تیسرے طہر میں بیوی کو طلاق دے۔ طلاق کا یہ ایسا طریقہ ہے جسے ایک مستند حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے سنت یعنی صحیح طریقہ قرار دیا ہے۔ اس طریقہ کے مطابق صرف وہی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے جس نے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ اور تہیہ کر لیا ہو کہ وہ اب بیوی سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا منشا بھی یہی ہے کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق صرف ایسی صورت میں دے جب بیوی کے ساتھ نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ شوہر اور بیوی کے عزیزوں اور خیر خواہوں کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ زن و شوہر کے درمیان ناچاقی ہو جائے تو بیچ میں پڑ کر ان کی صلح صفائی کرا دیں۔ طلاق کو مذاق اور قمار جیسا عمل بنا دینے اور وقتی طیش اور جذبات کی بنیاد پر طلاق دینے کی تمام صورتیں اور راہیں اللہ کے مقرر کردہ اس طریقہ طلاق سے مسدود ہو جاتی ہیں اور ایسی طلاق کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہوتی جو بے سوچے سمجھے محض غصہ اور ترارے میں دی گئی ہو۔

اللہ کے احکام سے طلاق کا طریقہ کار مقرر ہوا ہے۔ ان احکام اور اس طریقہ کے خلاف اگر کوئی شخص طلاق دے گا تو وہ شرعاً طلاق قرار نہ دی جائے گی کیونکہ صرف اللہ کے مقرر کردہ طریقہ سے ہی طلاق کے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ کا منشا پورا ہو سکتا ہے اس طریقہ کے خلاف عمل سے اللہ کا منشا پورا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نکاح کے ذریعہ لوگوں کے گھر بسانا اور بیوی بچوں کی زندگیاں سوارنا چاہتا ہے طلاق سے نکاح کا یہ مقصد تباہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ محض وقتی جذباتی عمل سے لوگوں کے گھر اجڑ جائیں اور بچے ویران و پریشان ہوں۔ لیکن مقلد علما مصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشا پورا نہ ہو اور محض وقتی جذبات کے احمقانہ عمل سے لوگوں کے گھر تباہ اور ان کے معصوم بچے ویران ہو جائیں۔ حد یہ ہے کہ اگر ایک ہی وقت میں کوئی شخص تین بار طلاق طلاق کہہ دے تو یہ حضرات اسے طلاق مغلظ قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کے پاس اس فیصلہ کے حق میں نہ قرآن سے کوئی دلیل

Marfat.com

موجود ہے نہ مستند حدیث سے اور نہ ہی ان کے طریقہ طلاق میں کوئی مصلحت اور افادیت موجود ہے۔ان حضرات کی سب سے وزنی اور سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ چاروں آئمہ فقہ اس امر پر متفق ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور شوہر حلالہ کے بغیر اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔

طلاقِ بدعت

ایک ہی وقت میں تین بار طلاق دینے کو چاروں آئمہ فقہ نے خطا۔ گناہ اور بدعت قرار دیا ہے اور ایسی طلاق کو طلاق بدعت کا اصطلاحی نام دیا ہے۔ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ آئمہ فقہ کے اس اجتہادی فیصلہ کی بنیاد صرف اس دلیل پر ہے کہ قرآن میں یہ مذکور نہیں کہ اس طرح طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ چار آئمہ فقہ تو کیا چار لاکھ آئمہ فقہ بھی متفقہ طور پر اگر قرآن کے کسی واضح حکم کے خلاف فتویٰ دیں تو ایسے متفقہ فیصلہ کی شرعی حیثیت پر کاہ اور حرف غلط سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ مسلمان اللہ اس کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے آئمہ فقہ یا کسی عالم اور مجتہد پر ایمان رکھنے کا مکلف نہیں ہوتا۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے آئمہ فقہ کی کیا حیثیت ہے جو لوگ شخصیت پرستی کے کفر اور تقلید کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں صرف وہی لوگ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو چھوڑ کر آئمہ فقہ کی پیروی کو ذریعہ نجات تصور کر سکتے ہیں۔

ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے کے عمل سے طلاق واقع ہو جانے کے متعلق آئمہ فقہ سے جو دلیل اور رائے منسوب کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں یہ نہیں لکھا کہ اگر ایک ہی وقت میں تین طلاق دیدی جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں۔ گویا اس اجتہاد کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف عمل کرنے سے بھی اللہ کا منشا پورا ہو جائے گا۔ کیا خوب اجتہاد ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آئمہ فقہ ایسی بات قطعاً نہیں کر سکتے تھے۔ یقیناً کسی سازش کے تحت آئمہ فقہ سے یہ قول اور یہ دلیل منسوب کر دی گئی ہے۔ یہودی خفیہ تنظیم کے کارندے کتب میں تحریف اور ہیرا پھیری کے بڑے ماہر تھے انہوں

Marfat.com

نے لاکھوں احادیث گھڑ ڈالی تھیں اور متعدد کتب کو بدل ڈالا تھا۔ شاید یہ کارنامہ بھی انہوں نے ہی انجام دیا ہے۔ ورنہ آئمہ فقہ کا مصدقہ طریقہ تو یہ تھا کہ وہ قرآن و سنت سے حکم مل جانے کے بعد اس مسئلہ پر اجتہاد کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ طلاق کے معاملہ میں نصوص قرآن بہت واضح ہیں۔ اس مسئلہ کی اہمیت کا یہ حال ہے کہ پوری ایک سورہ اس مسئلہ سے معنون ہے۔ ایسے مسئلہ میں یہ دلیل دینا قرین عقل نہیں کہ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ اگر طلاق کا مقررہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں اس لئے ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے سے طلاق کا یہ عمل گناہ اور بدعت تو ضرور ہوگا لیکن طلاق واقع ہو جائے گی۔

بہت خوب اگر یہی منطق دیگر احکام شریعہ پر بھی منطبق کر دی جائے تو ایک نئی شریعت مرتب ہو جائے گی، مثلاً پنج گانہ نماز کا حکم قرآن سے بھی ثابت ہے اور سنت سے بھی۔ اللہ نے بھی یہ حکم دیا ہے کہ ہر نماز اس کے وقت پر ادا کی جائے۔ سنت رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے کہ پانچوں وقت کی نماز مقررہ وقت پر پڑھی جاتی ہے۔ جس طرح اللہ نے تین ماہ میں الگ الگ تین طلاق دینے کا حکم دیا ہے اور بقول علما یہ تینوں طلاق ایک ہی وقت میں دیدی جائیں تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسی طرح اگر پانچوں وقت کی نماز ایک ہی وقت میں ادا کر دی جائے تو اس اصول کے مطابق نماز بھی ادا ہو جائے گی لیکن۔ یہ صلوٰۃ بدعت اور خطا اور گناہ تسلیم کی جائے گی۔ اس صلوٰۃ بدعت کا حال طلاق بدعت کا سا ہو گیا۔ طلاق بدعت گناہ اور خطا ہونے کے باوجود واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صلوٰۃ بدعت بھی خطا اور گناہ ہونے کے باوجود ادا ہو جائے گی۔ طلاق بدعت کی تو کوئی افادیت اور مصلحت دور دور تک نظر نہیں آتی لیکن صلوٰۃ بدعت کی ایک افادیت ہے وہ یہ کہ جس کو جب بھی فرصت ہو وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھ ڈالے۔ جسے فجر کے وقت فرصت ہو وہ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء کی بھی پیشگی نماز پڑھ ڈالے جسے مغرب کے وقت فرصت ملے وہ فجر ظہر اور عصر کی قضا اور عشا کی پیشگی نماز پڑھ لے اللہ نے پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی ہے لیکن اللہ کے حکم میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر الگ الگ وقت پر نماز نہ پڑھی جائے اور ایک ہی وقت میں پانچوں وقت کی نماز پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں اس لئے صلوٰۃ بدعت بھی شرعاً جائز قرار دیدینی چاہیے اگر تین

Marfat.com

مختلف ماہ میں الگ الگ دی جانے والی تین طلاق ایک ہی وقت میں دیدینے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے تو ایک ہی وقت میں پانچوں وقت کی نماز پڑھ لینے سے نماز بھی ادا ہوسکتی ہے۔ یہ ہمارا فتویٰ نہیں بلکہ عمل صلوٰۃ پر اُس دلیل کا اطلاق ہے جو آئمہ فقہ یا ان کے نام سے کسی سازشی نے طلاق بدعت کے جواز میں دی ہے۔

کنزل الاعمال۔ الجصاص اور احکام القرآن کے مصنفین نے طلاق بدعت کے جواز میں آئمہ فقہ کی جو بحث درج اور جو دلائل نقل کئے ہیں ان میں فقہا کے اس فیصلہ کے حق میں نہ قرآن کی کوئی نص پیش کی گئی ہے اور نہ کوئی مستند حدیث زیر بحث آئی ہے۔ طلاق بدعت کے فیصلہ میں خیرافادیت اور مصلحت کا کیا پہلو مضمر ہے اس کا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا سوائے اس کے کہ جولوگ ایک ہی وقت تین طلاق دے ڈالیں انہیں اس غلط عمل کی سزا طلاق نافذ کر کے دیدی جائے۔ یہ کوئی خیر اور کوئی افادیت نہیں ہے۔ طلاق بدعت کو جائز اور نافذ قرار دینے کے خلاف قرآن کی آیات موجود ہیں۔ اور بقول علما تمام آئمہ فقہ نے ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے کو ناجائز۔ خطا اور گناہ قرار دیا ہے۔ احادیث سے بھی طلاق بدعت کے جواز میں کوئی روایت نہیں ملتی۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اہلحدیث کا طبقہ طلاق بدعت کو تسلیم نہیں کرتا اور ایک وقت میں تین طلاق دی جائیں یا تین سوا ایسی تمام طلاقوں کو اہلحدیث صرف ایک طلاق رجعی قرار دیتے ہیں۔ فقہ جعفریہ بھی اسی کا قائل ہے۔ امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی اسی حکم کی تائید کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے دور میں حلالہ کرنے والوں کا ایک پیشہ ور طبقہ موجود تھا جو لوگوں کی مطلقہ بیویوں سے ایک دوشب کے لئے نکاح کرتا اور مقررہ رقم لے کر انہیں طلاق دیدیتا تھا امام ابن تیمیہ نے اس طبقہ اور اس عمل کے خلاف مہم شروع کی تھی اس لئے بہت سے مقلد علما اور حلالچیے ان کی جان کے دشمن ہو گئے تھے ظاہر ہے ان کا روزگار اور ہر ماہ چار چھ نئی عورتوں سے اختلاط کی عیاشی خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ مختصر یہ کہ طلاق بدعت کے حق میں کسی حدیث سے بھی حجت قائم نہیں کی گئی صرف ایک روایت کا حوالہ دیا گیا ہے جو صحیح مسلم جلد چہارم صفحہ (۱۸۳) پر اور کنزل الاعمال جلد پنجم صفحہ (۱۶۳) پر درج ہوئی ہے اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں ایک وقت کی تین

طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سال تک بھی یہی اصول قائم رہا لیکن دوسرے سال کے بعد حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ جو بھی ایک وقت میں تین طلاق دے گا اس کی طلاق کو طلاق مغلظ قرار دیا جائے گا۔

یہاں ہم پھر اسی اصول کو دہراتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو منسوخ اور مبدل کرنے کا اختیار تو خود رسول اللہ ﷺ کو بھی حاصل نہ تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک صحابی رسول امیر المومنین اللہ کے حکم کے خلاف حکم دے اور اصحاب کرام اس حکم کو مان لیں۔ صحابہ کرام اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے معاملہ میں نہایت سخت اور محتاط تھے۔ اگر حضرت عمر یا کوئی اور صحابی یا امیر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف حکم دیتا تو صحابہ کرام اس کا حکم کبھی نہ مانتے اور جب تک امیر المومنین قرآن سے رجوع نہ کر لیتا وہ اسے ہرگز نہ چھوڑتے۔ یہ روایت بھی حضرت عمر کی مخالفت کا پہلو رکھتی ہے۔ ایسا فیصلہ نہ شریعت کا حصہ بن سکتا ہے اور نہ ہی ایسے فیصلہ کی کوئی شرعی وقعت اور حیثیت ہو سکتی ہے۔

ہم نے طلاق کے معاملہ میں قرآن اور فقہا کے اختلافی حکم اور فیصلوں کی تفصیل پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ محض شخصیت پرستی اور تقلید کے نتیجہ میں فقہا اور علما سے منسوب کئی ایسے غلط اور غیر قرآنی فیصلوں کو امت مسلمہ میں رائج کر دیا گیا ہے جو قرآن وسنت کے احکام اور منشا کے خلاف ہیں۔ ایسے غیر شرعی فیصلوں نے شرعی فیصلوں کی حیثیت محض اس وجہ سے حاصل کر لی کہ علما شخصیت پرستی اور تقلید کا شکار ہو گئے تھے اور عوام نے قرآن سے اپنی فہم وفراست کا رشتہ توڑ کر مقلد علما سے جوڑ لیا تھا وہ ہر اس فیصلہ کو شریعت کا درجہ دیتے رہے جو بلا سند علما، ان کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ قرآن پڑھنے قرآن سننے اور قرآن میں غور وخوض کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں جو یہ لوگ قرآن میں غور وتدبر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ قرآن میں ہر بات کھول کھول کر بیان کی گئی ہے۔ اللہ کے نازل کردہ احکام وہدایت کے مطابق فیصلہ وعمل نہ کرنے والوں کو اللہ نے کافر قرار دیا ہے۔ ان قرآنی نصوص سے یہ اصول طے ہو جاتا ہے کہ احکام شریعہ کی اصل بنیاد صرف قرآن پر قائم ہے۔ قرآن کے خلاف نہ کسی حدیث کو قبول کیا جا سکتا ہے نہ آئمہ فقہ کے

فیصلے کو۔ شریعت سازی کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ کسی فقیہ اور مجتہد کے اجتہادی فیصلہ کو شریعت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا کرنا اللہ اور اس کے رسول کے حق و اختیار میں شریک ہونا اور مداخلت کرنا ہے۔ اسلام دین اللہ ہے۔ دین اسلام کا خالق اللہ ہے۔ شریعت دین اسلام کا آئین و ضابطہ ہے اور شریعت کا سرچشمہ قرآن ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

قرآن، عقائد اور ارتداد

ہر مذہب کی شناخت اس کے بنیادی عقائد سے ہوتی ہے۔ عموماً عقائد کا تعلق بلا دلیل وثبوت یقین وایمان سے ہوتا ہے اور بیشتر لوگوں کو ان کے مذہبی عقائد ورثہ میں ملتے ہیں خواہ وہ موروثی عقائد پوری طرح ان کے مذہبی عقائد سے مطابقت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔

علمی اور سائنسی توجیہات کی بنیاد مشاہدات اور تجربات کی تصدیق پر قائم ہوتی ہے۔ گویا سائنسی توجیہات علم الیقین اور عین الیقین پر قائم ہوتی ہیں جب تک سائنس کا کوئی نظریہ، مشاہدہ اور تجربے کی کسوٹی پر پورا نہ اترے اسے توجیہ یا نظریہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مذہبی عقائد کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے مشاہدے اور تجربہ کی تصدیق کو شرط نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اکثر مذہبی عقائد کا تعلق نہ مشاہدے سے ہے اور نہ تجربات کے نتائج سے۔ مثلاً خالق کائنات کو نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ ہی کسی مخلوق کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے خالق کو دیکھ سکے۔ اس کی ذات لامحدود ہے اور لامحدود ذات حدود بصر ونظر میں نہیں آسکتی۔ اللہ کے منشا، ارادے اور عمل کو کسی ضابطے اور انسانی تجربہ کی شرائط کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کسی خاص عبادت یا کسی خاص عمل کے نتیجہ میں اللہ لازماً رزق، زندگی یا مطلوبہ کامیابی عطا کردے۔ اس لیے اللہ کی ذات اور صفات کو ثابت اور تسلیم کرنے کے لیے سائنسی اصول استعمال نہیں کیے جاسکتے۔ اس حقیقت کی بنیاد پر اللہ کی ذات اور صفات کو تسلیم کرنا ایمان کا عمل ہے جو یقین کی بالاتر اور غیر مشروط صورت ہے۔ جہاں انسانی علم الیقین اور عین الیقین کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے ایمان کی حد شروع ہوتی ہے۔

عقائد اور قرآن

ہر تخلیق اپنے خالق کے وجود کی تصدیق کرتی ہے۔ کائنات تخلیق ہے اس لیے کائنات کے خالق کے وجود کو تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ بھی کہ جب کائنات نہیں تھی اس وقت بھی خالق کائنات کا وجود تھا۔ اس طرح اللہ کی ذات زمان و مکاں سے ماورا اور بے نیاز ثابت ہو جاتی ہے۔ چونکہ اللہ نے اس کائنات اور اس کی تمام مخلوقات کو اپنے منشا اور منصوبے کے مطابق تخلیق کیا ہے اس لیے وہی بہتر جان سکتا ہے کہ اس کی تخلیق کردہ کس مخلوق کا منشا تخلیق کیا ہے اور کون سے امور اس کے لیے مفید اور کون سے مضر ہیں۔ اس واضح حقیقت سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ حق و استحقاق خالق کائنات کا ہے کہ وہ اپنی ہر مخلوق کا نظام عمل اور دائرہ کار مقرر کرے اور اس کی فکری اور عملی رہنمائی کے لیے احکام و ہدایات صادر فرمائے۔ انسان بھی خالق کائنات کی تخلیق ہے اور نہایت عجیب و غریب تخلیق ہے۔ اللہ نے نوع بشر پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی کہ وہ اپنے خالق کو تلاش کرے اور اپنے خالق کی ذات و صفات کے متعلق اپنی محدود عقل کے ذریعہ حقائق جمع اور تصورات مرتب کرے۔ یہ اتنا بڑا، پُر خطر، مشکل اور وقت طلب کام ہے کہ اس کی تکمیل میں انسان کی پوری زندگی صرف ہو جاتی اور پھر بھی یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ انسانی عقل اللہ کی ذات، صفات اور منشا کے متعلق صحیح فیصلے کر پاتی یا نہیں۔ چنانچہ اللہ نے ان مسائل اور امور کی تکمیل ایمان و عقائد کے ذریعہ کروا کر انسان کو تحقیق کے طویل عمل سے بچا دیا۔ اللہ نے انسان کے سامنے چند حقائق رکھے اور حکم دیا کہ وہ اپنی فکری اور عملی زندگی کا سفر ان حقائق پر ایمان لا کر شروع کر دے۔ ان حقائق کو عقائد قرار دیا گیا ہے اور یہ عقائد خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے کلام اللہ کے ذریعے ظاہر اور مقرر کیے ہیں۔ اصولاً بھی صرف اللہ کو ہی یہ حق و منصب حاصل ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے لیے عقائد مقرر فرمائے۔ چنانچہ تمام کے تمام اسلامی عقائد اللہ کے مقرر کردہ ہیں اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ حق و اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ عقائد میں ترمیم و اضافہ یا تغیر فرما سکتے۔ اس لیے کسی بھی امتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کوئی عقیدہ گھڑے یا عقائد اسلامی میں کوئی تغیر و

Marfat.com

تبدل کر ڈالے۔

اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کے ذریعہ لوگوں کو حکم دیا کہ ''کہہ میں ایمان لایا اللہ پر، اس کے ملائک پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یوم آخر پر''۔ اسلامی عقائد خمسہ یہ ہی ہیں اور ان ہی عقائد پر مذہب اسلام کی تمام تر فکری اور عملی عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ مذکورہ عقائد کو آپ عنوانات عقائد بھی قرار دے سکتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر عقیدہ کی وضاحت قرآن میں کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں مذکور اللہ کی ذات اور صفات کے تصور پر ایمان لایا جائے، بطیب خاطر تسلیم کیا جائے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی الہ نہیں ہے، وہ واجب الوجود اور قائم بالذات ہے، وہ نہ کسی شے کے مماثل ہے اور نہ کوئی شے اس کے مماثل ہے، وہ نہ تھکتا ہے نہ سوتا ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ وہ لامحدود اور زمان و مکاں کی حدود سے ماورا ہے۔ وہ علیم، حکیم، قادر مطلق، خالق کل، عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہے۔ اس کے علاوہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں۔ صرف وہی رزق، زندگی، موت، عزت اور ذلت دیتا ہے۔ اس کے منشا، ارادے، قدرت اور اس کی صفات باری میں انبیاء و ملائک بھی شریک و مداخل نہیں ہو سکتے۔ جب آپ اللہ پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں تو ان تمام تفصیلات پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں۔

اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ آپ اللہ کی ایک پوشیدہ مخلوق کے وجود کا اقرار کرتے ہیں اور ملائک کو اللہ کی ایسی فرمانبردار مخلوق تسلیم کرتے ہیں جن سے خطا کا صدور نہیں ہوتا۔ اللہ نے پوری کائنات تخلیق کی اور کائنات کی تمام مادی اشیا اور اجرام فلکی کا ضابطہ کار اور دائرہ عمل مقرر کیا۔ کائنات کی یہ تمام مخلوقات اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنے مقررہ ضابطوں کے مطابق مصروف کار ہیں۔ ان سے ضابطہ کے خلاف کوئی عمل صادر نہیں ہوتا لیکن اللہ جب بھی نظام کائنات سے ہٹ کر کوئی عمل کرانا چاہتا ہے تو اس کے ملائک اللہ کے منشا و حکم کے مطابق وہ کام کر ڈالتے ہیں۔ ایسے عمل کو عرف عام میں معجزہ کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ ان کتب کو، کلام اللہ اور منزل من اللہ تسلیم کیا جائے اور ان میں مذکور احکام و ہدایات کو اللہ کے احکام و ہدایات قرار دے کر ان کی تعمیل کی جائے۔ اللہ کی کتاب میں درج خیر کو خیر اور شر کو شر، حلال کو حلال اور حرام کو حرام مانا جائے۔ انسان خصوصاً صاحب ایمان لوگ خود کو اس امر کا مجاز و مختار نہ سمجھیں کہ وہ اپنے لیے کوئی مقصد حیات مقرر کر سکتے ہیں۔ یہ حق و منصب صرف اللہ کا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کا مقصد حیات مقرر فرمائے اور نظام زندگی مرتب کرے۔ مخلوق عبد، غلام ہے اپنے معبود کے منشا و احکام کی۔ اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے معبود کی طرف سے عطا کی ہوئی زندگی کو اپنے معبود کے منشا کی بجائے اپنی مرضی اور منشا کے مطابق صرف کرے۔ اللہ کی کتب پر ایمان لانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کی کتاب میں جس چیز اور جس امر کے متعلق جو بات کہی گئی ہے اسے حق کامل اور صداقت مطلق تسلیم کیا جائے اور جس مسئلہ اور معاملہ میں اللہ کا جو فرمان و حکم کتاب میں درج ہے اگر اپنی عقل، اپنا علم اور اپنا تجربہ اس کے خلاف ہو تو اپنے علم و تجربہ کو بلا تردد و تذبذب باطل قرار دے کر کلام اللہ سے رجوع کر لیا جائے۔ ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ کے حکم، ہدایت اور فیصلہ کے سامنے آپ اپنی عقل و فراست کو بلا تامل قربان کر ڈالیں۔

اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ کلام اللہ کے مطابق انبیاء کے وجود کا تصور قائم کیا جائے اور انبیاء کے تقرر کو انبیاء کی کاوش کا نتیجہ نہیں محض اللہ کے منشا اور مرضی پر موقوف قرار دیا جائے۔ انبیاء کے بشر اور عبد ہونے کا اقرار کرنا، انہیں بشری خوبیوں، کمزوریوں اور فطری تقاضوں کا حامل سمجھنا شرائط ایمان میں داخل ہے۔ انبیاء کے متعلق یہ یقین کرنا بھی اسلامی عقائد میں داخل ہے کہ انبیاء نہ اللہ کے منشا اختیار اور قدرت میں مداخلت کر سکتے ہیں نہ اللہ کے احکام و ہدایات کو تبدیل کرنے کے مجاز ہیں۔ نہ وہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی اطاعت سے مستثنیٰ۔ ان پر بھی اللہ کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح دوسرے لوگوں پر اطاعت فرض ہے۔ انبیاء کو دیگر انسانوں پر یہ شرف و امتیاز حاصل ہے کہ انہیں اللہ متلو یا غیر متلو وحی کے ذریعہ اپنے احکام و ہدایت دیتا ہے اور اگر ان سے کسی مسئلہ میں غلطی کا صدور ہو جاتا ہے تو اللہ وحی کے ذریعہ

Marfat.com

اس غلطی کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ اس طرح انبیاء کا اسوہ نوع بشر کے لیے اسوہ حسنہ بن جاتا ہے اور ان پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انبیاء کرام کی سنت کا اتباع اور ان کے احکام کی تعمیل کریں۔

یوم آخر پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ کلام اللہ کے مطابق یہ یقین کر لیا جائے کہ ایک مقررہ وقت پر قیامت آئے گی اور پوری کائنات تباہ ہو جائے گی۔ اس دن ان تمام انسانوں کو جن کے اعضاء مٹی ہو کر بکھر چکے ہوں گے زمین کے شکم سے نکال کر زندہ کر دیا جائے گا اور وہ اپنی زندگی کے ہر پوشیدہ اور ظاہر عمل کو دیکھ لیں گے۔ ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور اللہ ان کی بقیہ دائمی زندگی کے لیے جنت یا دوزخ کا فیصلہ فرما دے گا۔

محولہ بالا عقائد کے مطابق یہ تفاصیل قرآن میں درج اور قرآن سے ہی ماخوذ ہیں۔ اللہ کے مقرر کردہ ہر عقیدہ کو اسی تفصیل کی روشنی اور تناظر میں دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ پر ایمان لانے کی حدود کو اس حد میں محدود نہیں کیا جا سکتا کہ ہم یہ سمجھنے لگیں کہ صرف عبادت اور پرستش کے لیے اللہ کے سوا اور کوئی الہ نہیں۔ باقی دیگر معاملات میں اللہ کے علاوہ بھی کسی سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اللہ کے علاوہ بھی کسی کو مشکل کشا، دستگیر، غوث وغیاث، معین و مددگار یا حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھا جا سکتا ہے اور اس سے حاجت براری کے لیے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ایسا سمجھنا اور گمان کرنا صریح شرک اور عقیدہ توحید کے خلاف ہے۔

ایمان کی تصدیق

ایمان ایک مخفی قلبی کیفیت ہے اور اکثر لوگ خود اپنے قلب کی ایمانی کیفیت سے پوری طرح واقف نہیں ہوتے۔ دل کا حال صرف اللہ جانتا ہے انبیاء و رسل کو بھی علم نہیں ہوتا کہ کس کے دل میں کیا مستور ہے۔ اس لیے کسی شخص کے ایمان کا تعین صرف اس کے قول و عمل سے کیا جا سکتا ہے، اس کی نیت اور قلبی حالت سے نہیں۔ مثلاً ایک شخص دل میں کفر رکھتا اور زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے اور بظاہر اوامر و نواہی کا بھی پابند ہے تو شرعاً

Marfat.com

ایسے شخص کو کافر یا منافق قرار نہیں دیا جا سکتا اگرچہ فی الحقیقت وہ شخص کافر اور منافق ہو۔ اسی طرح اگر کوئی کلمہ گو خلوص نیت کے ساتھ اسلامی عقائد اور دین اسلام کو برحق سمجھتا ہے لیکن اس کے قول وعمل سے اس کے ایمان کی تائید نہیں ہوتی تو ایسے شخص کے ایمان کو معتبر قرار نہ دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص صوفیا کے ملامتیہ فرقہ کی طرح کفر بکتا اور اعلانیہ منکرات کا ارتکاب کرتا ہے تو ایسے شخص کی مخفی ایمانی کیفیت کی تحقیق نہ کی جائے گی اور منکرات کے ارتکاب پر اسے شرعی سزا دی جائے گی اور کلمہ کفر پر مرتد اور خارج از اسلام قرار دے کر سرمد دہلوی کی طرح اسے قتل کر دیا جائے گا۔

ارتداد اور مرتد

ارتداد اور مرتد کے الفاظ عربی کے بنیادی لفظ ردہ سے مشتق ہیں۔ ردہ کے معنی واپس ہونے یا واپس کرنے کے ہیں۔ کسی کی کوئی چیز قبول نہ کرنے کے لیے لفظ ردہ کے اشتقاقات مستعمل ہوتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی میں خطاوار ٹھیرانا اور واپس لوٹ جانا بھی شامل ہیں۔ اصطلاح شرع میں مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام سے پھر جائے اور اسلام کے بعد کفر اختیار کر لے۔ علماء نے ارتداد کی تعریف یہ کی ہے کہ کسی عاقل، بالغ، مسلم مرد اور عورت سے بلا جبر و اکراہ کسی ایسے قول وفعل کا صدور ہو یا وہ برضا ورغبت کسی ایسے عقیدہ کو قبول کر لے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو اور جو اسے دین سے خارج کر کے اس کی جان اور اس کا مال مسلمانوں پر حلال کر دے یعنی مسلمانوں کے لیے اس کا قتل جائز اور واجب ہو جائے گرچہ اس شخص سے ایسا قول، فعل یا اعتقاد بصورت مزاح، عداوت، اشتعال یا قصداً صادر ہوا ہو۔

علماء نے ارتداد کی ان تمام صورتوں کی تفصیل مرتب کی ہے جو صورتیں عقائد اور ارکان اسلام کے متعلق قول وفعل اور گمان سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم اس طویل تفصیل کا احاطہ نہیں کر رہے البتہ کچھ روشنی ارتداد کی ان نئی صورتوں پر ڈالنا چاہتے ہیں جو عصر حاضر میں مسلمانوں کو مرتد بنا رہی ہیں۔ عالم اسلام کے مشہور عالم دین علامہ عبدالقادر عودہ شہید نے اپنی شہرہ آفاق کتاب 'التشریع الجنائی الاسلامی' میں ان خاص اقوال وافعال پر بحث

کی ہے جو دورِ حاضر کی پیداوار ہیں اور وہ کفر وارتداد تک پہنچا دیتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے:

(۱) ''اور جو شخص یہ اعتقاد و گمان رکھے کہ شریعت عصر جدید کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی یا شریعت مسلمانوں کی پستی اور انحطاط کا سبب ہے یا یہ کہ جب تک مسلمان شریعت سے نجات حاصل کر کے انسانوں کے ساختہ قوانین وافکار کو نہیں اپنائیں گے وہ ترقی کے مدارج طے نہیں کر سکتے تو وہ شخص بھی دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔

(۲) اسلام میں یہ نص قطعی موجود ہے کہ قوانین الٰہیہ کے مطابق حکم دینا لازم ہے اور اس کے خلاف قوانین بنانا اور نافذ کرنا حرام ہے۔ فقہا اس امر پر متفق ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے خلاف جو بھی قوانین ہیں وہ باطل ہیں۔ ان کی اطاعت واجب نہیں۔ مسلمانوں کے لیے ان پر عمل حرام ہے خواہ کوئی حکومت ان کا حکم کرے یا ان کی اطاعت کو مباح قرار دے۔

(۳) فقہا کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی واضح حکم کو رد کیا خواہ اس کا رد شک کی وجہ سے ہو یا ان کو قبول نہ کرتا ہو یا انہیں سرے سے حکم تسلیم ہی نہ کرتا ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا''۔

قرآن میں ارتداد اور مرتد کے متعلق یہ نصوص درج ہیں۔ ان کا اطلاق بلا تخصیص ہر دور میں ہوگا۔

سورۃ البقرہ، آیت: ۲۱۷

ترجمہ: وہ (کافر) تم سے لڑتے ہیں تا آنکہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے اور حالت کفر میں مر جائے تو اس کے دنیا اور آخرت کے اعمال ضائع اور اکارت گئے۔ یہی وہ

لوگ ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

سورۃ البقرہ، آیت: ۸۵

ترجمہ: تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں۔ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو۔

سورۃ النحل، آیت:

ترجمہ: جس نے ایمان لانے کے بعد مجبوراً کفر اختیار کیا جبکہ اس کا دل ایمان پر قائم و مطمئن ہو لیکن جس نے دل سے کفر قبول و اختیار کیا ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔

سورۃ آل عمران، آیت: ۱۵۰

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کفار کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے اور تم خسارہ پانے والے ہو جاؤ گے (کافر تمہارے خیر خواہ نہیں) بلکہ اللہ ہی تمہارا کارساز اور بہترین حامی اور ناصر ہے۔

سورۃ النساء، آیت: ۱۳۷

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لائے اور پھر کافر ہو گئے اور کفر میں بڑھ گئے اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا۔

ان آیات قرآنی کی روشنی میں شارح قرآن رسول اللہ ﷺ نے مرتد کی سزا قتل رکھی۔ اس پر آپ کا اور آپ کے اصحاب کا عمل ثابت ہے۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قتال تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔

اجتماعی ارتداد

تاریخ اسلام میں اجتماعی ارتداد کا پہلا واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں ہوا۔ عربوں نے زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو سمجھنے میں غلطی کی اور حکومت کو زکوٰۃ ادا

کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دیا اور ان کے خلاف طاقت وتلوار استعمال کی۔ اس لشکری مہم کا مقصد صرف زکوٰۃ وصول کرنا نہ تھا بلکہ زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو مانعین زکوٰۃ سے قبول کرانا بھی تھا۔ چنانچہ تمام امرا لشکر کو پابند کیا گیا کہ وہ مانعین زکوٰۃ کی جس بستی سے گزریں ان پر واضح کریں کہ زکوٰۃ ارکان دین میں شامل ہے۔ اس سے انکار ارتداد ہے جو مسلمان کی جان و مال کو مسلمانوں پر حلال کر دیتا ہے۔ جو لوگ حق سے رجوع کر لیں ان سے توبہ کرائی جائے اور زکوٰۃ وصول کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے۔ جو لوگ تین دن کی مہلت گزرنے کے بعد بھی رجوع نہ کریں انہیں مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے اور ان کا تمام مال لے لیا جائے۔ یہ حکم ان لوگوں کے خلاف دیا گیا تھا جنہیں امت میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہوئے تھے اور ان میں سے بہت سوں نے آپ کی زیارت کی تھی۔ اگر ایسے مسلمانوں کو بھی نائب رسول نے مرتد اور خارج از اسلام قرار دے کر قتل کرا دیا تھا تو ہم جیسے مسلمانوں کو قرآن کے خلاف عقیدہ رکھنے اور عمل کرنے پر اجتماعی طور سے مرتد کیوں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہمیں اجتماعی طور پر مرتد قرار نہ دینے کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ ہمارے ارباب اختیار اور بعض مفتیان عصر خود مرتد ہو گئے ہیں۔

مانعین زکوٰۃ اور مدعین نبوت کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اقدام کا تجزیہ آج کے مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے لیے مشعل راہ اور ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ابھی منصب خلافت پر فائز ہوئے ہی تھے کہ مدعین نبوت اور مانعین زکوٰۃ کا فتنہ بہت بڑے پیمانے پر برپا ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب اصحاب رسول حضور ﷺ کے غم سے نڈھال اور دل گرفتہ تھے۔ شمالی سرحدوں پر رومی افواج گڑبڑ کر رہی تھیں۔ ان کی سرکوبی کے لیے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں رسول اللہ ﷺ نے لشکر ترتیب دیا تھا۔ ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفۃ الرسول بنتے ہی جو سب سے پہلا مسئلہ آپ کے سامنے آیا وہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف اقدام اور اسامہ بن زید کے لشکر کی مدینہ سے رومی سرحد پر روانگی کا مسئلہ تھا۔ صحابہ کرام نہ تو مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد و قتال کے خلاف تھے اور نہ ہی اسامہ بن زید کے لشکر کی مدینہ

Marfat.com

سے روانگی کے۔ اقتضاء وقت اور دنیاوی مصلحت جو ہر شخص صاف طور پر دیکھ سکتا تھا وہ یہ تھی کہ یا تو مانعین زکوٰۃ کے خلاف اقدام مؤخر کر دیا جائے یا پھر سرحد پر لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے۔ ظاہر ہے جب لشکر ہی مدینہ سے سینکڑوں میل دور چلا جائے گا تو مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی کون کرے گا۔ اگر مانعین زکوٰۃ نے مدینہ پر حملہ کر دیا تو اس کا دفاع کس طرح ہوگا۔ اس صورت میں اہل مدینہ کی جان سخت خطرے میں پڑ جائے گی۔ یہ کوئی ایسی پیچیدہ بات نہ تھی جو امیر المومنین یا کسی اور شخص کی سمجھ میں نہ آتی۔ لیکن خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس ظاہری اور وقتی مصلحت کو قطعاً نظر انداز کر کے اس مصلحت کبریٰ کو اختیار کیا جسے تمام انبیاء کرام نے ہر حال میں اختیار کیا تھا۔ یعنی نتائج سے بے نیاز ہو کر اپنے رب کے حکم کی تعمیل بلا تردد و تامل کی جائے۔ انبیاء کرام بخوبی جانتے تھے کہ یہ ارض وسما اور اس کی تمام مخلوقات فنا ہو جائیں گی۔ اس دنیا میں وہ خود بھی ہمیشہ زندہ نہ رہیں گے اور اپنے وقت پر فوت ہو جائیں گے۔ قائم اور باقی صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہمیں بالآخر اپنے رب کے حضور پیش ہونا اور اپنی فرمانبرداری کا ثبوت دینا ہے۔ کل کیا ہوتا ہے کون زندہ رہتا ہے اور کون مرتا ہے یہ کسے معلوم۔ اس لیے اللہ کے حکم کی تعمیل کو کل پر ٹالا نہیں جا سکتا۔ ہم عبد ہیں غلام کا کام معبود کے احکام کی تعمیل بلا عذر و تامل کرنا ہے۔ تعمیل حکم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اس کا عبد و غلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نتائج کا صرف وہی ذمہ دار ہے جس نے حکم دیا ہے اور نتائج بہر صورت اسی معبود کے ہاتھ میں ہیں۔ انبیاء کرام احکام الٰہی کی تعمیل میں اسی بصیرت اور حکمت سے کام لیتے تھے اور تعمیل حکم میں بلا تردد آگ میں کودنے، فراعین عصر سے تنہا لڑنے اور اپنے قبائل اور عزیز و اقارب کو اپنی جان کا دشمن بنا لینے پر بخوشی آمادہ ہو جاتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مومنانہ بصیرت و فراست سے کام لیتے ہوئے انبیاء کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ منبر رسول پر کھڑے ہوئے اور بحیثیت امیر المومنین دنیاوی مصلحتوں اور اقتضائے وقت کے سراسر خلاف اپنا فیصلہ اور حکم سنا دیا۔ آپ نے فرمایا زکوٰۃ اللہ نے فرض کی ہے جو کوئی زکوٰۃ اور صلوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا اللہ کی قسم میں اس کے خلاف قتال کروں گا حتیٰ کہ وہ حق سے رجوع کر لے۔ اسامہ بن زید کے لشکر کو سرحد پر جانے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ بحیثیت نائب رسول میرا فرض

Marfat.com

منصبی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل خود بھی کروں اور لوگوں سے بھی تعمیل کرواؤں۔ چنانچہ اسامہ بن زید کا لشکر بلا تاخیر سرحد پر جائے گا خواہ بھوکے بھیڑیے مجھے مدینہ سے اٹھا کر جنگل میں لے جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس فیصلہ کو ہر مصلحت کوش، دانشور، اقتضاء وقت اور عقل کے سراسر خلاف قرار دے گا لیکن آپ کا یہ فیصلہ اقتضاء حق اور ابدی مصلحت کے عین مطابق تھا۔ اللہ کے مطیع بندوں نے نتائج سے بے نیاز ہو کر اپنے معبود کے حکم کی تعمیل کر دی تھی۔ اللہ نے نتائج کا رخ اپنے تابعدار بندوں کے حق میں موڑ دیا۔ مانعین زکوٰۃ نے مدینہ کا محاصرہ کیا لیکن وہ شک میں پڑ گئے اور مدینہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ رومی افواج اسامہ بن زید کے لشکر کی آمد کا سن کر سرحد سے پیچھے ہٹ گئیں اور اسلامی لشکر جنگ کے بغیر ہی سرحدوں پر امن قائم کر کے مدینہ واپس آ گیا۔ بے شک نتائج صرف اور صرف رب ذوالجلال والاکرام کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ بندوں کو احکام الٰہی کے خلاف اپنی عقل اور اپنی مصلحت بینی پر عمل کر کے نتائج کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لینی چاہئے۔ انسانی عقل اس سے بڑا احمقانہ عمل نہیں کر سکتی کہ جو ذمہ داری اللہ کی ہے وہ ذمہ داری اپنے سر لے لے۔

ارتداد کا عمل گرچہ فرد سے صادر ہوتا ہے لیکن جب بہت سے افراد ایک ہی قسم کے عمل ارتداد میں مبتلا ہو جائیں تو ان کا یہ عمل اجتماعی ارتداد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اجتماعی ارتداد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت گروہ اور فرقہ کی ہے۔ چند مخصوص باطل عقائد و نظریات اور اعمال متعدد افراد اختیار کر کے گروہ کی صورت اختیار کر لیں اور وہ گروہ کسی نام سے معروف و منسوب ہو جائے۔ اس صورت میں ایسے گروہ کو اجتماعی طور پر مرتد قرار دیا جائے گا۔ اگر ایسے گروہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص اپنے باطل عقائد سے بیزاری اور علیحدگی کا اعلان کر کے تائب ہو جائے تو اسے مرتد قرار نہ دیا جائے گا۔ اجتماعی طور پر مرتد گروہ میں فرقہ باطنیہ، اسماعیلی، نصیری، دروزی، امامیہ، بہائی، بابی اور قادیانی فرقے شامل ہیں۔

Marfat.com

اجتماعی ارتداد کی دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد کسی ایک یا کئی ایسے نظریات اور تصورات کو درست اور مفید سمجھنے لگے جو نظریات اور تصوارت قرآنی نظریات اور تعلیمات کے نقیض اور مخالف ہوں۔ ایسے مرتدوں کو دو طبقوں یا حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خلاف قرآن کسی نظریہ کو مانتے اور لادینی فکری تحریکوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسی تمام فکری تحریکیں یہود کے ابلیسی ذہن کی پیداوار ہیں۔ ایسی تحریکوں کی تبلیغ واشاعت میں یہود کا خفیہ ہاتھ سرگرم رہا ہے۔ ان فکری تحریکوں اور نظریوں میں نمایاں لذتیت کا نظریہ (Headenism)، ضمیر کی آزادی یا مذہب انسانیت کی تحریک (Humanism)، بشری ارتقا کا نظریہ (Evolution) اور عقل پرستی کی تحریک (Rationalism) جیسے خوشنما ناموں کے نظریات شامل ہیں۔ مرتدوں کا دوسرا طبقہ ان مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اسلامی نظام بیعت وخلافت کی بجائے یہود کے ساختہ جمہوری نظام سیاست وحکومت یا اشتراکی نظام سیاست وحکومت کو قبول کرتے ہیں۔ جمہوری اور اشتراکی دونوں سیاسی نظاموں کو یہود نے سیاست، حکومت اور ریاست سے مذہب کو خارج اور بے دخل کرانے کے لیے تخلیق کیا اور نافذ کروایا تھا۔ چنانچہ جن ممالک میں ان دونوں میں سے کوئی بھی نظام نافذ ہوا وہاں حکومت اور ریاست پر نہ صرف مذہب کی گرفت ختم ہوگئی بلکہ مذہب کے قائم کردہ خیر وشر کے تصورات اور اخلاقی اقدار کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

مسلمانوں کو جمہوری یا اشتراکی نظام حکومت اختیار کرانے میں اس غلط اور بے بنیاد دعوے نے فعال کردار ادا کیا ہے کہ قرآن وسنت سے کسی مخصوص سیاسی نظام یا مبسوط طرز حکومت اور ہیئت حاکمہ کی صورت گری نہیں ہوتی۔ اس لیے مسلمان اقتضاءِ وقت کے مطابق جس سیاسی نظام اور طرز حکومت کو مفید سمجھیں اختیار کرلیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول پر تہمت ہے اور اس تہمت میں جمہوریت کی نیلم پری کی زلفوں میں گرفتار علماء اور مشائخ بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہ حضرات ایک طرف دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام نوع بشر کے لیے مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے کوئی مبسوط نظام سیاست وحکومت مقرر نہیں کیا۔ انسانی زندگی کا اہم ترین شعبہ جس کے بغیر نہ

کوئی ریاست قائم ہوسکتی ہے اور نہ معاشرے میں نظم وضبط قائم ہوسکتا ہے وہ شعبہ حکومت اور سیاست مدن سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی زندگی کے ہر معاملہ میں ہدایت اور ضابطہ مقرر فرمائے لیکن حکومت جیسے اہم معاملہ اور ادارے کے متعلق واضح ہدایات نہ دے۔ بلاشبہ قرآن وسنت سے اسلامی نظام سیاست وحکومت کا پورا نقشہ اور پورا ضابطہ مرتب ہوجاتا ہے۔ اسلامی حکومت کا مقررہ نظام جمہوریت اور اشتراکیت سے بالکل مختلف ایک منفرد اور جامع حیثیت رکھتا ہے۔ یہ عالمگیر نظام ہے جسے کسی محدود خطہ ارض پر نہیں بلکہ پوری دنیا پر قائم ونافذ کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ راقم نے اپنی تصنیف 'اسلام اور جمہوریت کا تضاد' میں اس موضوع کے ہر پہلو پر تفصیلی بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ فلسفہ جمہوریت محض ایک فریب، فکری سراب اور منطقی طور پر قطعاً مہمل ہے۔ راقم نے قرآن وسنت سے اسلامی نظام سیاست اور حکومت کا واضح نقشہ مرتب کرکے ثابت کیا ہے کہ اسلامی نظام ایک جامع نظام سیاست وحکومت ہے جو یہود کے ساختہ جمہوری اور اشتراکی نظاموں کی ضد ہے جمہوریت کے ہر نظری اور عملی اصول کی تکذیب براہ راست قرآنی نصوص سے ہوتی ہے اور پوری وضاحت سے ہوتی ہے۔

ارتکاب ارتداد

ارتداد کی واضح اور ناقابل تاویل صورت تو یہ ہے کہ کوئی کلمہ گو دین اسلام اعلانیہ ترک کرکے کوئی اور دین یا لادینی اختیار کرلے۔ اس واضح صورت کے علاوہ عمل ارتداد کا اطلاق بعض عقائد اور متعدد اعمال کے ارتکاب پر بھی ہوتا ہے۔ فقہا اور علماء نے بالاتفاق عمل ارتداد کی ایک طویل فہرست مرتب اور شائع کی ہے۔ اس فہرست سے واضح ہوجاتا ہے کہ کن عقائد کے رکھنے، کس بات کے کہنے اور کس عمل کے کرنے سے مسلمان مرتد ہوجاتا ہے اور اس کی جان اور مال مسلمانوں پر حلال ہوجاتی ہے یعنی اگر اسلامی حکومت قائم نہ ہوتو ہر مسلمان کے لیے جائز اور پوری امت مسلمہ پر فرض ہوجاتا ہے کہ وہ مرتد کو قتل کردے اور اس کا مال اپنے قبضہ میں لے لے۔ ہم یہاں اعمال ارتداد کی فہرست نقل کرنے کی بجائے درج ذیل چند کلیے بیان کرنے پر اکتفا کررہے ہیں۔ واضح رہے کہ

ارتداد کا تعلق ایمان اور افعال یعنی نظریات اور عمل دونوں سے ہے اس لیے قرآن کے مقرر کردہ عقائد، احکام اور تعلیمات کے خلاف عقیدہ رکھنے، اس عقیدہ کا اظہار کرنے اور احکامات الٰہی کے خلاف عمل کو باعث خیر وفلاح قرار دینے سے کلمہ گو مرتد ہو جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ کے متعلق درج ذیل گمان اور بیان ارتداد کے عمل ہیں:

۱۔ اللہ کے واجب الوجود، قائم بالذات، لامحدود، حیّ و قیوم، قادر مطلق، خالق کائنات، مالک کل، حاضر وناظر، عالم الغیب، واحد و کامل، علیم وحکیم اور مختار کل ہونے پر کسی بھی انداز سے شک کرے یا شک کا اظہار کرے یا اللہ کی ان صفات میں غیر اللہ کسی کو شریک قرار دے یا کسی اور مشرکانہ عقیدے اور عمل کا ارتکاب کرے یا کسی نبی ولی وغیرہ کو حاضر وناظر، عالم الغیب اور حاجت روا تصور کرے یا اللہ اور کلام اللہ کا مذاق اڑائے، ان کی اہانت اور تذلیل کرے، اللہ کے وجود یا اس کی قدرت واختیار کو تسلیم کرنے کے لیے شرط عائد کرے اور یوں کہے کہ میں تو اس وقت اللہ کو قوی وقادر مانوں گا جب فلاں شخص تباہ وبرباد ہو جائے یا میرا یہ کام ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ ملائک کے لیے درج ذیل گمان و بیان ارتداد کا عمل ہیں۔ ملائک کے وجود کا انکار کرنا، ان کے وجود کو فرضی یا خیالی تصوف کرنا یا ان کے وجود کو سائنسی توجیہات کے مطابق توانائی، روشنی یا کاسمک ریز (Cosmic Rays) وغیرہ سے منسوب کر کے ملائکہ کے قرآنی تصور سے اختلاف کرنا۔ ملائک کو حاضر وناظر، عالم الغیب یا خودمختار سمجھنا، انہیں خطا اور نافرمانی سے متہم کرنا، ملائک کی اہانت کرنا، انہیں گالی دینا، ان سے بغض وعناد رکھنا اور ان کا مذاق اڑانا یہ سب اعمال ارتداد ہیں۔

۳۔ کلام اللہ کو کلام انبیاء قرار دینا، کلام اللہ کو انبیاء کی چھٹی حس کی تخلیق سمجھنا، صحف سماوی کو منزل من اللہ تصور نہ کرنا، کلام اللہ کے حق ہونے، مظہر حق اور حجت حق ہونے میں شک کرنا، متن قرآن کو کاملاً وحی الٰہی کے عین مطابق ہونے میں شک کرنا یا قرآن میں تحریف کا گمان کرنا، زندگی کے کسی بھی معاملہ میں قرآن

Marfat.com

کے مطابق فیصلہ و عمل نہ کرنا یا قرآن کے کسی حکم یا ہدایت کو غیر مفید، نقصان دہ اور اقتضاء وقت کے خلاف قرار دینا، قرآنی نظام حیات و حکومت کو موجودہ دور میں ناقابل عمل قرار دینا یا اسے نقصان دہ اور زوال و تنزل کا سبب جاننا، قرآن کے حکم و فیصلہ پر خود اپنے یا کسی اور کے حکم و فیصلہ کو ترجیح و فوقیت دینا، قرآن کو قصداً غلط پڑھنا، قرآنی آیات کا مذاق اڑانا، قرآن پر قصداً تہمت لگانا یعنی کوئی قول یا بات گھڑ کر قرآن سے منسوب کر دینا، قرآن کی بے حرمتی کرنا۔ یہ سب ارتداد کے عمل ہیں۔

۴۔ انبیاء و رسل کی بعثت کو انبیاء کا خود ساختہ دعویٰ قرار دینا، کسی بھی بشر کو انبیاء اور رسل سے برتر، افضل و اشرف تصور کرنا، منصب نبوت کو اکتسابی منصب قرار دینا، کسی بھی نبی کو ماورا یا مافوق البشر تصور کرنا، اسے عالم الغیب، حاضر و ناظر، مشکل کشا یا اللہ کی قدرت و اختیار میں شریک یا دخیل قرار دینا، کسی بھی نبی کے فوت ہو جانے کے بعد اسے زندہ اور حاضر و ناظر تصور کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم نہ کرنا اور آپ کے بعد کسی شخص کے دعویٰ نبوت کو باطل اور جھوٹ قرار نہ دینا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی طریقہ اور ذریعہ سے اہانت کرنا، آپ کے حکم کی تعمیل یا آپ کی سنت کے اتباع سے انکار کرنا، آپ کے فیصلہ پر اپنے یا کسی اور کے فیصلہ کو ترجیح دینا اور اسے باعث خیر و فلاح تصور کرنا۔ یہ سب ارتداد کے عمل ہیں۔

۵۔ یوم آخر کے متعلق جو کچھ قرآن میں درج ہے اس پر شک کرنا اور مرنے کے بعد جب انسانی اعضا مٹی ہو کر بکھر جائیں گے ان کے جمع اور زندہ ہو جانے کو امر محال قرار دینا، جنت و دوزخ اور میدان حشر کے قرآنی تصور کو محض فرضی تمثیلی اور خیالی بات قرار دینا، یہ تصور کرنا کہ کوئی نبی ولی امام یا کوئی اور شخص کسی شخص کو یوم حساب باز پرس اور اعمال کے حساب سے بچا سکے گا یا کوئی اپنے نسب بالخصوص نسل سے تعلق کی بنا پر یوم حساب کوئی رعایت حاصل کر سکے گا۔ شہدا کے سوا باقی کوئی بھی صالح مسلمان محض اپنے عمل صالح کی بنا پر اللہ کے عفو

Marfat.com

کرم کے بغیر جنت حاصل کرلے گا جبکہ انبیاء کرام تک اپنی مغفرت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے التجائیں کرتے رہے ہیں۔

ہم نے ان خاص عقائد اور ان اعمال کا تذکرہ کردیا ہے جن کے اختیار اور ارتکاب سے مسلمان مرتد ہوکر دین اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور اس کی جان اور مال مسلمانوں پر حلال ہوجاتی ہے۔ گرچہ تمام آئمہ فقہ کا اس پر اتفاق ہے لیکن ہم یہاں قرآن کی چند نصوص بھی درج کررہے ہیں جن سے اہل کلمہ کے دین سے خارج ہوکر کفار کے زمرہ میں شامل ہوجانے کی تصدیق ہوتی ہے۔

سورۃ المائدہ، آیت: ۴۴۔۴۵۔۴۷ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ

ترجمہ: اور جو لوگ، اللہ کے نازل کردہ (کلام اللہ) کے مطابق حکم (فیصلہ وعمل) نہ کریں سو وہ کافر ہیں۔

آیت ۴۵ اور ۴۷ میں ان ہی الفاظ کو دہرایا گیا ہے صرف آخری لفظ تبدیل کرکے آیت ۴۵ میں اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکم نہ دینے والوں کو ظالم اور آیت ۴۷ میں ایسے لوگوں کو فاسق کہا گیا ہے۔ قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام اللہ ہے۔ روئے زمین پر یہ واحد الہامی کتاب ہے جو آج بھی ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے۔ سورۃ المائدہ کی محولہ بالا آیات کے مطابق اللہ نے ان لوگوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دے دیا ہے جو قرآن کے مطابق فیصلہ وعمل نہ کریں۔ اس حکم کا اطلاق قرآن میں موجود مذکور تمام احکام، فیصلوں اور ہدایات پر ہوگا اس لیے اللہ کے کسی بھی حکم یا ہدایت کے خلاف فیصلہ وعمل کرنے والا زندگی کے کسی بھی معاملہ میں اللہ کے احکام وہدایت لی بجائے اپنی یا کسی اور کی ہدایات پر عمل کرنے والا کافر، ظالم اور فاسق ہے۔ ان آیات سے زندگی کے تمام معاملات میں قرآن سے حکم وہدایت حاصل اور ان کی تعمیل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہوجاتا ہے۔ جو مسلمان ایسا نہ کرے وہ کافر ہے اور مسلمان کا کافر ہوجانا ہی ارتداد کہلاتا ہے۔ یہ کسی مجتہد

Marfat.com

یا مفتی کا فتویٰ نہیں اللہ کا فیصلہ ہے۔اس فیصلہ پر شک واعتراض کرنے والا بھی کافر و مرتد ہے۔

ان آیات سے کفر وارتداد کے دائرہ میں ہر وہ عمل اور عقیدہ آ جاتا ہے جو قرآن کے کسی بھی حکم و ہدایت کے خلاف ہو۔عمل کفر اور کافرانہ عقائد سے ہی کلمہ گو مرتد ہوتا ہے لیکن ارتداد کا گہرا تعلق عقیدے اور ایمان سے ہے۔ چنانچہ عمل ارتداد کے لیے نیت اور ارادہ کی شمولیت ضروری ہے کیونکہ بعض کفر سہواً اور غیر ارادی طور پر بھی سرزد ہوتے ہیں اسی لیے مرتد کو رجوع کی رخصت و مہلت دی جاتی ہے اور ہر صاحب ایمان مسلسل استغفار کرتا رہتا ہے۔ یہاں ہم ایک ہی عمل کی دو صورتیں بتا کر خطا اور ارتداد کا فرق ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔فرض کیجئے کوئی کلمہ گو نماز کی پابندی نہیں کرتا۔ سستی، تساہل اور مصروفیت کے باعث اس کی نماز چھٹتی رہتی ہیں لیکن وہ صمیم قلب سے اپنے اس عمل کو گناہ اور خطا سمجھتا اور اللہ سے معافی مانگتا رہتا ہے اور دل میں یہ خوف بھی رکھتا ہے کہ ترک صلوٰۃ پر سزا بھی ملے گی۔ایسا شخص عملاً خطا کار اور گناہ گار ہے لیکن اس کا ایمان ساقط نہیں ہوا۔اس لیے وہ مرتد قرار نہ دیا جائے گا۔ یہی عمل ایسا کلمہ گو کرتا ہے جو صلوٰۃ کی فرضیت اور اہمیت کو تسلیم نہیں کرتا اور نماز کو لا حاصل عمل اور وقت کا زیاں قرار دیتا ہے۔ اپنے اس گناہ پر اس کے دل میں ملامت اور انفعال کی کیفیت بھی پیدا نہیں ہوتی اور وہ اپنے ان خیالات کا زبان سے اظہار بھی کرتا ہے تو ایسا کلمہ گو دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔گناہ کو گناہ سمجھ کر ارتکاب کرنا گناہ ہے اور گناہ کو سرے سے گناہ ہی نہ سمجھنا ان دونوں میں جو فرق ہے وہ عصیاں اور ارتداد کے درمیان فرق کو واضح کرتا ہے۔مشرک کے مرتد ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کوئی بھی شخص شرک کو شرک سمجھ کر اس کا ارتکاب نہیں کرتا۔مشرک خواہ بت پرست ہو اپنے مشرکانہ عقیدہ اور عمل کو شرک تسلیم نہیں کرتا۔ چونکہ شرک کے عمل میں ایمان کا بھی دخل ہوتا ہے اس لیے مشرک مرتد بھی قرار پاتا ہے۔

کفار اور مشرکین کے لیے اللہ نے دنیا میں ہی اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کا کوئی عمل ان کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ایسے کچھ اور گناہ بھی ہیں جن کی سزا دائمی جہنم ہے جو کلمہ گو ان گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کرے گا اس کا انجام اور

Marfat.com

آخرت کفار جیسی ہوگی۔ مثلاً کوئی کلمہ گو ناحق کسی مسلمان کو قتل کردے، اس کے متعلق اللہ کا یہ فیصلہ ہے:

سورۃ النساء، آیت: ۹۳ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا

ترجمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔ اس پر اللہ غضب ناک ہوگا اور اس کو اپنی رحمت سے دور کردے گا اور اس کے لیے سزا کا بڑا سامان تیار ہے۔

درج بالا جرم کا تجزیہ اور اس کی وضاحت کی جائے تو یہ حقائق بھی سامنے آئیں گے۔ بلا عذر شرعی کسی مسلمان کو قتل کرنے والا عملاً کافر ہو جاتا اور کافروں کی طرح دائمی جہنم کا سزاوار ہوتا ہے۔ لیکن اسے مرتد قرار نہ دیا جائے گا کیونکہ مرتد کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور قاتل کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ دنیا میں اس کی سزا قتل ہے۔ اگر مقتول کے وارث اسے کسی شرط دیت پر یا بلا شرط معاف نہ کریں۔ اگر قاتل کو قاتل ثابت کیے بغیر مقتول کے وارث قتل کر دیں تو وہ خود قتل عمد کے مرتکب ہوں گے۔ ملزم کو مجرم ثابت کیے بغیر سزا نہیں دی جاسکتی اور ملزم کو مجرم یا معصوم قرار دینا حکومت اور عدالت کا کام ہے مدعی خود فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں۔ اگر کہیں عدالتی نظام قائم نہ ہو تو وہاں معتبر عادل مسلمان عدالت کے فرائض انجام دے سکتے ہیں جس طرح قبائلی جرگہ اور پنچ فیصلہ کرتے اور ان کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔ اگر قاتل کسی شخص کو قتل کرنے کے بعد اپنے اس عمل کو جائز تصور کرے یا ایسے جرم وخطا کے مرتکب کو واجب القتل سمجھے جس جرم یا خطا کی شرعی سزا قتل نہیں ہے تو ایسا قاتل قتل اور ارتداد دونوں جرائم کا مرتکب ہوگا۔ اسے قتل کی سزا لازماً دی جائے گی خواہ وہ رجوع کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح مقتول کے وارث عدالت سے رجوع کرنے کی

Marfat.com

بجائے قاتل کو خود قتل کر ڈالیں اور اس عمل کو جائزہ قرار دیں یا قتل کا بدلہ لینے کے لیے قاتل کی بجائے اس کے بھائی، بیٹے یا باپ وغیرہ کو قتل کر دیں یا انتقام کی اس صورت کو جائز سمجھیں خواہ کسی کو قتل نہ کر پائیں یا قتل نہ کریں ہر صورت میں ان کا یہ عمل ارتداد کا عمل قرار دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے مجرم کا بدلہ معصوم سے لینا جائز سمجھا۔ اس طرح اللہ کے حرام کردہ کو حلال قرار دے دیا۔ مسلمانوں کے ناحق قتل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان حکمران محض مال و دولت حاصل کرنے اور زمین پر قبضہ کے لیے مسلمانوں کی بستی یا ملک پر حملہ کر دے اور اس عمل کو جائز اور حلال سمجھے جس طرح پچھلے زمانے میں مسلم حکمران کیا کرتے تھے ان کی سزا بھی دائمی جہنم ہے اور وہ بھی مرتد تھے۔

سورۃ المائدہ، آیت: ۵۱ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ

ترجمہ: مسلمانو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ تمہارے خلاف ہیں اور ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے ہے (یعنی کافر)۔

سورۃ الممتحنہ، آیت: ۱

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ

ترجمہ: تم (مسلمان) میرے دشمنوں اور اپنے دشمن کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

سورۃ التوبہ، آیت: ۷۳ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ!

ترجمہ: اے نبی جنگ کر کافروں اور منافقوں سے ... سختی کر ان پر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

درج بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے

Marfat.com

سے منع کیا ہے اور یہ فیصلہ بھی سنا دیا ہے کہ جو مسلمان یہود و نصاریٰ سے دوستی کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا اور یہود و نصاریٰ کی طرح کافر قرار دیا جائے گا۔ اس کی آخرت بھی یہود و نصاریٰ اور کفار جیسی ہوگی۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۷۳ میں رسول اللہ ﷺ کو کفار اور منافقین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم جہاد فی سبیل اللہ کی طرح دائمی نوعیت کا ہے اور ہر دور کے مسلمان اس حکم کی تعمیل کے پابند ہیں جیسا کہ سورۃ الانفال، آیت ۳۹، سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۳ میں حکم دیا گیا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ

(الانفال ۳۹)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾ البقرہ

ترجمہ: اور لڑو ان (کافروں) سے حتیٰ کہ فتنہ (کفر) ختم ہو جائے اور دین کلیتاً اللہ کا ہو جائے۔۔۔

سورۃ توبہ، آیت ۷۳ میں کفار کے ساتھ ساتھ منافقوں سے بھی قتال کا حکم صادر ہوا ہے۔ یہ منافق کون ہیں؟ ظاہر ہے کافر تو کافر ہی ہیں اور وہ اللہ اور دین اللہ کے کھلے دشمن ہیں۔ منافق وہ ہیں جو کافروں کی طرح کھلے دشمن نہیں بلکہ خود کو نفاق کی نقاب میں چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بظاہر خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن دل میں نفاق رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کافروں سے دوستی کرتے، ان کی مدد اور ان کے لیے جاسوسی کرتے ہیں، ان کے مفادات اور مقاصد کے لیے مسلمانوں سے جنگ کرتے یا مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے اور مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر مسلمانوں کے کسی گروہ پر کافر حملہ آور ہوں یا ان پر ظلم و زیادتی کریں تو اللہ کے حکم کے مطابق یہ لوگ مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد نہیں کرتے۔ مسلمانوں کی حفاظت کے لیے اپنی جان و مال کی قربانی کی بجائے کافروں کی مدد کرتے یا پھر چپ سادھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ منافقوں کے لیے اللہ نے یہ فیصلہ بھی دے دیا ہے کہ ان کا حشر کافروں سے بھی بدتر ہوگا اور منافق جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ڈالے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو:

Marfat.com

سورۃ النساء، آیت: ۱۴۵

إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾

ترجمہ: بلاشبہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

قرآن میں ایک سو چالیس سے زائد آیات قتال و جہاد کے متعلق موجود ہیں۔ دین اسلام کا رکن اعظم جہاد ہے۔ جہاد امن و جنگ دونوں میں دائمی طور پر امت مسلمہ پر فرض کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تارک جہاد کو کھلے الفاظ میں کافر قرار دیا ہے اور تارک جہاد کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ مسلمانوں کی جو حکومت، مسلمانوں کی جو جماعت اور جو مسلمان تارک جہاد ہو یا جہاد و قتال کو فی زمانہ ناقابل عمل یا تباہی اور ہلاکت کا سبب قرار دے وہ حکومت، وہ جماعت اور وہ شخص کھلے کافر اور مرتد ہیں۔ ایسی حکومت اور جماعت کے خلاف بغاوت فساد نہیں فرض ہے۔ ایسی حکومت، ایسی جماعت اور ایسے مسلمان کافر، مرتد، منافق اور دین اسلام کے باغی اور کفر کے بالواسطہ حمایتی ہیں۔ عالم اسلام اور امت مسلمہ کا زوال اور مسلمانوں پر کفار کا غلبہ و تصرف صرف ترک جہاد کے باعث ہوا۔ جب تک مسلمان تارک جہاد رہیں گے کفار کے غلبہ اور جبر و ستم کا شکار رہیں گے۔ شرک اور ترک دین کے بعد کفر و ارتداد کا سب سے بڑا اور نمایاں عمل ترک جہاد ہے۔ اگر مسلمان ترک جہاد نہ کرتے اور دوران امن اللہ کے حکم کے مطابق جہاد کی تیاری جاری رکھتے تو آج عالم اسلام امریکہ اور روس سے بھی بڑی عسکری طاقت ہوتا۔ اس صورت میں امریکہ اور روس کی یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرتے یا مسلمانوں پر اپنی من مانی شرائط تھوپ سکتے۔

رواداری اور ارتداد

رواداری کا درس ادیان حقہ کے خلاف یہود کا ایک مہلک ہتھیار ہے۔ رواداری (Libralism) کی تبلیغ و اشاعت یہود ان تمام علاقوں، مذاہب اور معاشروں میں

Marfat.com

کرتے رہے ہیں جہاں مذہب یہود کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بنتا تھا اور لوگ مذہبی عقائد و تعلیمات کے خلاف کوئی بات سننے اور برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ یہود نے رواداری کی تبلیغ اور ترویج کی امکانی کوشش کی اور مخالف خیالات و نظریات کو سننا روشن خیالی، فراخ دلی اور رواداری کا ثبوت قرار دیا۔ لوگ جب اس فریب میں مبتلا ہو کر مذہب مخالف خیالات و نظریات کو سننے اور برداشت کرنے کے عادی ہو گئے تو رواداری کے ہتھیار نے لوگوں کی دینی حمیت اور غیرت کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں اور مغرب کے عیسائی نہایت فراخ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے مقدس نبی کی تذلیل و تحقیر اور ان کی تضحیک برداشت کرنے لگے۔ اس کے بعد ان کا مذہب زندگی کے ہر معاملہ میں غیر مؤثر ہو کر رہ گیا۔ امت مسلمہ پر رواداری کی تبلیغ نے یہ اثر مرتب کیا کہ ان لوگوں کو بھی مسلمان اور امت کا حصہ قرار دے دیا گیا جو کھلے مشرکانہ عقائد رکھتے اور اصحاب رسول ﷺ کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں۔ اس طرح مذہبی رواداری جس کا قطعاً کوئی شرعی مقام نہیں ہے اس کے ذریعہ اسلام میں شرک و کفر کے داخلہ کی اجازت دے دی گئی۔ ایسے مذہبی فرقوں کو امت مسلمہ کے فقہی فرقے تسلیم کر لیا گیا جو قرآن و سنت کے سراسر خلاف عقائد رکھتے، نبی ولی اور مخصوص آئمہ کو حاضر و ناظر، عالم الغیب، مشکل کشا، غوث و غیاث اور معین اور حاجت روا مانتے اور انہیں مدد کے لیے پکارتے ہیں جبکہ یہ لوگ شرعاً مشرک اور مرتد ہیں۔ اگر تائب نہ ہوں تو واجب القتل ہیں جیسا کہ سعودی عرب میں کیا جاتا ہے۔

عقائد سے متعلق باطل نظریہ اور قانون

یہود کے ساختہ رواداری کے فریب میں مبتلا مسلم مدبر اور مبلّغ مختلف مذہبی گروہوں کے عقائد اور مذہبی تصورات پر تنقید و اعتراض کو معیوب اور شر و فساد کا موجب قرار دیتے ہیں۔ ان کا قول ہے ''اپنے عقائد کو نہ چھوڑو اور دوسروں کے عقیدہ کو نہ چھیڑو''۔ یہ قول لوگوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ جو چاہیں عقائد رکھ لیں اور اپنے تمام باطل اور غیر اسلامی عقائد کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہو کر امت کا حصہ بن جائیں۔ اس

طرح دین اسلام قرآن و سنت کی بجائے لوگوں کی ذاتی پسند اور ذاتی عقائد پر مبنی چوں چوں کا مربہ بن جائے اور اپنی اصل حالت پر قائم نہ رہے۔ یہ نظریہ دین اسلام کو تباہ اور مسخ کرنے کا باعث بنا ہے۔

ہر مذہب کی بنیاد عقائد پر قائم ہوتی ہے۔ عقائد کی بنیاد پر کافر مسلمان ہوتا اور مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ عقیدہ قطعاً کسی کا ذاتی معاملہ نہیں بلکہ دین و ایمان کا معاملہ ہے۔ جس کا عقیدہ بدلا اس کا دین بدل گیا۔ اپنے عقائد بدل کر آپ خود کو مسلمان اور امت مسلمہ کا فرد قرار دینا چاہتے ہیں تو آپ کا یہ عمل دین اسلام کے خلاف تخریبی کارروائی اور دین اسلام کو بدلنے اور بدنام کرنے کا عمل قرار دیا جائے گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اللہ ھو اکبر کا نعرہ لگائیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا دعویٰ کریں اور صرف اپنا نام گنیش رکھ لیں اور ہندوؤں سے کہیں کہ وہ آپ کو ہندو تسلیم کر لیں یا کرسٹوفر نام رکھ کر عیسائیوں سے مطالبہ کریں کہ وہ آپ کو عیسائی قرار دے دیں۔ ظاہر ہے جب تک آپ اپنے عقائد ترک کر کے ان کے مخصوص عقائد قبول نہ کریں گے آپ ان کے مذہب میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ آپ خود کو ہندو یا عیسائی کہتے رہیں وہ آپ کو ہندو یا عیسائی تسلیم نہ کریں گے۔ یہی بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت صورت دین اسلام میں داخل ہونے اور خود کو مسلمان تسلیم کرانے کی ہے۔ آپ کو صرف زبان سے اسلامی عقائد خمسہ کا اقرار کر لینے پر مسلمان تسلیم نہ کیا جائے گا بلکہ جو کچھ قرآن میں لکھا ہے اسے حق ماننے اور اس پر عمل اور فیصلہ کرنے کی شرط پر مسلمان تسلیم کیا جائے گا ورنہ سورۃ المائدہ کی آیات ۴۴، ۴۵ اور ۴۷ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ جو اللہ کے نازل کردہ کلام ربانی کے مطابق فیصلہ اور عمل نہ کرے وہ کافر ہے۔ اللہ کے اس فیصلہ کے خلاف کوئی مسلم حکمران یا کوئی حکومت قانون بناتی ہے تو وہ حکمران اور وہ حکومت بھی کافر ہے، ظالم ہے، فاسق ہے۔ مسلمان ہونے اور مسلمان تسلیم کیے جانے کی لازمی شرط یہ ہے کہ آپ کے عقائد قرآن کے عین مطابق ہوں۔ آپ کی زندگی کا ہر معاملہ قرآن و سنت کے مطابق طے کیا جائے اور آپ بلا حیل و حجت اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی تعمیل کرتے رہیں۔ یہ غیر متنازعہ کھلی ہوئی بات ہے۔

قلعہ اسلام میں چور دروازہ سے گھس جانے والے لوگوں اور فرقوں کے عقائد پر تنقید اور اعتراض نہ کرنے اور انہیں اعلانیہ مشرک، کافر اور مرتد نہ کہنے کی مصلحت اور ضرورت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس طرح امت مسلمہ میں فساد اور انتشار برپا ہو جائے گا۔ لوگ آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں گے اور یہ خانہ جنگی امت کو تباہ و برباد کر ڈالے گی۔ اللہ اور رسول کا حکم ہے کہ مسلمان متحد اور متفق رہیں اور تفرقہ نہ ڈالیں۔ بظاہر یہ بات بہت معقول اور امت مسلمہ کے حق میں مفید نظر آتی ہے لیکن یہ سب نظر کا دھوکا اور خود فریبی ہے۔ بے شک مسلمانوں کا اتحاد اور باہمی اتفاق امت مسلمہ کی طاقت اور شوکت کا باعث بنتا ہے لیکن یہ اتحاد اور اتفاق حق کی بنیاد پر ہو، ناحق پر نہیں۔ اگر امت کا اتحاد اور اتفاق باطل پر ہوگا تو یقیناً وہ گمراہی اور بربادی کا موجب ہوگا اور مسلمانوں کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ اگر امت کو کفر و شرک کی بنیاد پر متفق و متحد کیا جائے گا تو ایسی امت مشرکوں، کافروں اور مرتدوں کی جماعت بن جائے گی۔ اسے امت مسلمہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔ ایسا اتحاد و اتفاق کس کام کا جو مسلمانوں کو کافروں، مشرکوں اور مرتدوں کی جماعت بنا ڈالے۔ مسلمان کی زندگی کا مقصد آخرت کی کامیابی ہے دنیا کی وقتی اور عارضی کامیابی نہیں اور آخرت کی کامیابی صرف اس صورت میں ہی حاصل ہو سکتی ہے جب تمام مصلحتوں اور مفادات کو نظر انداز کر کے اللہ کے احکام کی بلا تامل تعمیل کر دی جائے۔ اگر شرک کو شرک اور کفر کو کفر کہنے سے کوئی برہم ہوتا ہے تو ہو جائے آپ کلمہ حق بلند کرتے رہیے۔ اگر مشرکانہ عقائد رکھنے اور مشرکانہ عمل کرنے والوں کو مشرک اور مرتد قرار دینے سے فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے تو ہو جائے۔ آپ بھی ہتھیار لے کر قتال شروع کر دیں جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور آپ کے ساتھی اصحاب رسول نے قتال کیا تھا۔ یقین کریں حق کے سامنے باطل تا دیر ٹھہر نہ سکے گا۔ یہ اللہ کا قول ہے اور اللہ کا قول کبھی غلط نہیں ہوتا۔ دنیا میں کفر و الحاد اسی لیے قائم اور قوی ہوتا چلا گیا کہ ہمارے اجداد نے اس کا مقابلہ نہیں کیا۔ وہ روحانیت کے چکر میں ہی پھنسے رہے اور جہاد ترک کر دیا۔ آج بھی ہم تارک جہاد اور عملاً مرتد ہیں۔ ہم پر کفر محض اس لیے غالب ہے کہ ہم اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، اللہ کی بجائے اللہ کے بندوں سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ امت اپنی تمام تر کمزوریوں کے

Marfat.com

باوجود آج بھی اگر کفر کے سامنے سینہ سپر اور لڑنے مرنے کو تیار ہو جائے تو تباہیوں اور ہلاکتوں کے بعد بالآخر اسلام اور ملت مسلمہ ہی کفر اور کفار پر غالب ہوگی اور کفار میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ اور ارشاد ہے۔ سورۃ التوبہ، آیت ۳۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

ترجمہ: وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکین کتنے ہی ناخوش ہوں۔

سورۃ النساء، آیت: ۷۶

ترجمہ: جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے حمایتیوں سے لڑو شیطان کی تدابیر دیکھنے میں کتنی ہی مضبوط دکھائی دیتی ہوں (یعنی وہ کتنے ہی طاقت ور نظر آئیں) لیکن وہ (حق کے سامنے) کبھی جمنے والے نہیں۔

اللہ کی اس یقین دہانی کے باوجود امت کا یہ حال ہے کہ وہ کافروں کی اجتماعی منظم طاقت سے تو کیا لڑتی امت میں گھسے ہوئے اور بکھرے ہوئے مشرکوں اور مرتدوں کے سامنے بھی ہتھیار ڈال چکی ہے۔ ہمارے مدبر کہتے اور حکمران حکم دیتے ہیں کہ کوئی شرک کرتا ہے تو اسے شرک کرنے دو، کوئی دین میں نئی نئی باتیں داخل کرتا ہے تو اسے داخل کرنے دو۔ یہ اس کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ ان کے درمیان تم مداخلت نہ کرو۔ اگر تم نے مداخلت کی اور کسی کے عقیدے کو شرک و کفر کہا، کسی کو مرتد قرار دیا تو ملک و ملت میں فساد ہو جائے گا، خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور تمہیں حکومت مفسد قرار دے کر جیل بھجوا دے گی۔ آج بیشتر مسلم ممالک میں اسی خیال اور قانون پر عمل ہو رہا ہے۔ اگر عقیدہ دین کا نہیں کسی کی ذات کا مسئلہ ہے تو پھر شریعت کی کیا ضرورت ہے، پھر شرک اور مشرک کو اسلام سے خارج کیوں کیا گیا۔ اللہ نے ہر مسلمان اور مسلمانوں کی ہر حکومت کو یہ حکم کیوں دیا کہ تم برائیوں یعنی خلاف قرآن عقائد و عمل سے لوگوں کو روکو۔ شریعت اسلامی نے اس کلمہ گو کو مرتد اور واجب القتل کیوں قرار دیا جو قولاً اور فعلاً اسلام کے مقررہ عقائد اور قرآن وسنت

Marfat.com

کے خلاف عمل کو جائز قرار دے اور ان سے صریحاً اختلاف وانحراف کرے۔ اگر عقائد کو لوگوں کا ذاتی معاملہ تسلیم کر لیا جائے تو بہت سے شرعی احکام بالخصوص مرتد کے لیے سزا کا قانون ختم اور غیر مؤثر ہو جائے گا۔

اسلام کھرا، دوٹوک اور خالص دین ہے۔ اس دین میں پیچ پیچ اور انحراف کی گنجائش نہیں۔ یہ ڈنکے کی چوٹ پر کافر کو کافر اور منافق کو منافق کہتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ حق کے ساتھ باطل کو نہ ملاؤ۔ یہ مسلم حکومت اور مسلم امہ کا فرض ہے کہ وہ حق میں باطل داخل نہ ہونے دے۔ دین اور دین اسلام کو لاوارث اور یتیم نہ بنائیں۔ قرآنی عقائد اور احکام قرآن سے اعلانیہ انحراف واختلاف اللہ کے حکم کے مطابق کفر ہے اور کفر کرنے والا مسلمان مرتد ہے۔ اگر مرتد اعلانیہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔ اس میں کسی بھی فقیہ اور مجتہد کا اختلاف نہیں کہ مرتد کی جان و مال امت پر حلال ہے۔ اگر حکومت اس کو قتل نہ کرے تو کوئی بھی مسلمان مرتد کو توبہ کا موقع دیے بغیر قتل کر دے، یہ فرض کفایہ ہے۔

موروثی مرتد

جب دین اسلام مجاہدوں کے ہاتھ سے نکل کر صوفیا کے ہاتھوں میں پہنچ گیا اور صوفیا نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے تلوار لے کر ان کے ہاتھوں میں تسبیح تھما دی اور انہیں میدان جہاد سے نکال کر خانقاہوں میں دھکیل دیا تو دین اسلام لاوارث اور مفلوج ہو کر رہ گیا۔ مسلم حکمران مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کر کے، ان کے مال اور زمین پر قبضہ کرنے لگے اور اس طرح مسلمانوں کے قتل ناحق کی بنا پر دائمی طور پر جہنمی کافر اور مرتد ہونے لگے۔ اسلام صرف غلبہ اور نفاذ دین کے لیے یا پھر امت مسلمہ کی جان، مال، آبرو اور مذہب کے تحفظ کے لیے غیر مسلموں کے خلاف لڑنے اور جہاد کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اگر منشا اشاعت دین اور تحفظ امت نہ ہو بلکہ کفار کی زمینوں اور مال و دولت پر قبضہ کرنا ہو تو یہ قتل عمد ہے۔ کسی مسلمان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مال و دولت کے لیے کسی غیر مسلم کو قتل کر دے۔ چہ جائے کہ مسلمان مسلمانوں کا مال لوٹنے اور ان کی زمینوں پر قبضہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو قتل کرنے لگیں۔ مسلمان کا ناحق قتل کفر ہے اس کا مرتکب دائمی

Marfat.com

جہنمی ہے۔انسان اور مسلمان کا قتل صرف دین کے تقاضوں کے لیے جائز اور فرض ہے یعنی انسانوں کو صرف اللہ کے لیے قتل کیا جاسکتا ہے بندوں کے لیے نہیں۔ دین اسلام جب لاوارث اور مفلوج ہوگیا تو تحریک اسلام کو متحرک اور نافذ کرانے والی امت دین کے تقاضوں سے بے نیاز اور لاپرواہ ہوگئی۔ مسلمان آخرت کے مفاد اور نجات پر دنیا کے مفادات اور تقاضوں کو ترجیح دینے لگے تو مذہب کو بھی آخرت کی بجائے دنیا کمانے کا ذریعہ بنادیا گیا۔اس طرح دین اسلام کی ہیئت اور اس کے مقاصد بدل گئے۔ دینی عقائد کولوگوں کا نجی اور ذاتی معاملہ قرار دے دیا گیا۔نظام شریعت میں پہلے ملاوٹ کی گئی اور پھر اسے معطل کردیا گیا۔ یہ سب کافروں کی حکومت میں نہیں مسلمانوں کی حکومت میں کیا گیا اور کیا جارہا ہے۔ایسی صورت میں مرتد کو مرتد کون قرار دیتا اور مرتد کا سرکون قلم کرتا۔ ان حالات میں مشرکانہ اور غیر اسلامی عقائد کی تخلیق ترویج واشاعت کی لوگوں کو کھلی چھٹی مل گئی اور نئے نئے غیر اسلامی عقائد اور مذاہب پیدا ہوتے چلے گئے۔ دینی رواداری کے فریب نے مسلمانوں کی آنکھیں بند کردیں اور دین اسلام کی قبائے توحید میں مشرکانہ عقائد اور مذاہب کے پیوند لگتے چلے گئے۔ مسلمانوں کی کافرانہ مصلحت بینی نے غیر اسلامی خودساختہ مذاہب کو امت میں داخل ہونے اور انہیں اسلام کا نام استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ ان نئے مذاہب میں بہائی، ذکری اور قادیانی وغیرہ مذاہب شامل ہیں۔قدیم مشرکانہ مذاہب ان کے علاوہ ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد بڑھی پھر ان کی اولاد در اولاد پیدا ہوتی چلی گئی۔سوال یہ ہے کہ ایسے مذہبی فرقوں اور ان کے ماننے والوں پر ارتداد کا حکم نافذ ہوگا یا نہیں، انہیں اجتماعی یا انفرادی طور پر مرتد قرار دے کر قتل کرنا واجب اور جائز ہوگا یا نہیں۔اس سوال کا اجتہادی جواب درج ذیل ہے۔

شرعاً مرتد وہ ہے جو مسلمان ہو اور دائرہ اسلام سے اعلانیہ خارج ہو جائے یا وہ ایسے غیر اسلامی عقائد اختیار کرلے جو اسے دائرہ اسلام سے خارج کردیں۔ مرتد ہونے کے لیے مسلمان ہونا بنیادی شرط ہے۔ جو شخص پیدا ہی کافروں میں ہوا ہو اور اسے کافرانہ عقائد ورثہ میں ملے ہوں وہ شخص پیدائشی طور پر کافر تصور کیا جائے گا اور کافر پر عمل ارتداد کا

Marfat.com

اطلاق نہیں ہوتا۔ کافر کافر ہے مرتد نہیں۔ چنانچہ بہائی، بابی، ذکری اور قادیانی فرقوں سے تعلق رکھنے والی موجودہ نسل موروثی طور پر کافر ہے۔ اس نسل پر مرتد ہونے کا جرم ثابت نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ اگر ان فرقوں کا کوئی شخص خود کو غیر مسلم تسلیم نہ کرے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اس شخص کے لیے صورت حال بدل جائے گی۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ اور اقرار کر کے اس شخص نے خود کو امت مسلمہ کا فرد قرار دے دیا اب اگر اس کے تمام عقائد اسلام کے معروف اور مسلمہ عقائد کے مطابق نہیں اور وہ اپنے مخصوص موروثی عقائد سے اعلانیہ تائب ہو کر قرآن وسنت سے رجوع نہیں کرتا تو وہ مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کی جان و مال امت پر حلال ہو جائے گی۔ اگر حکومت اسے مرتد قرار دے کر قتل نہ کرے گی تو امت پر فرض ہوگا کہ وہ اسے براہ راست قتل کر کے اس کا مال قبضہ میں لے لے۔ امت کا کوئی بھی فرد اس فرض کفایہ کی تکمیل کر سکتا ہے۔ یہی اصول اور ضابطہ اس قسم کے دیگر مذاہب اور مشرکانہ عقائد رکھنے والے افراد پر لاگو ہوگا۔

❁

Marfat.com

باب چہارم
قرآنی مقصدِ حیات
اور
فیضانِ قرآن

Marfat.com

Marfat.com

قرآنی مقصدِ حیات

جدید سائنسی تحقیق ان تین الہامی دعوؤں کی مشاہدات اور عقلی استدلال کی بنیاد پر تصدیق کرتی ہے۔ اول یہ کہ کائنات کی وسعت اور اجرام فلکی کی تعداد کا شمار اور تعین غیر ممکن ہے۔ دوم یہ کہ اس کائنات کو تخلیق کرنے والا خالق صرف ایک ہوسکتا ہے دو یا دو سے زائد نہیں ہو سکتے۔ سوم یہ کہ ناقابل تقسیم غیر مرئی جوہری ذرات سے لے کر ستاروں اور سیاروں کا دائرہ کار اور نظام عمل نہایت اعلیٰ منصوبے اور حیرت ناک دانشمندی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ سائنس کی یہ تحقیق بالواسطہ طور پر توحید کے الہامی نظریہ کی توثیق کرتی ہے۔ صرف الفاظ اور انداز بیان کا فرق ہے۔ الہامی کتب کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ اس پوری کائنات اور ماورائے کائنات کی ہر شے کو خدائے واحد اور لاشریک نے اپنی حکمت اور منشا کے مطابق تخلیق کیا ہے۔ اُس کے اِس عمل میں کوئی شریک نہیں اور وہ جب چاہے گا اس پوری کائنات کو لکھے ہوئے کاغذ کی طرح لپیٹ کر رکھ دے گا۔

انسان بھی اس کائنات کا حصہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ خالق کائنات اجرام فلکی سے لے کر جوہری ذرات تک کا دائرہ کار اور نظام عمل مرتب کرے اور انسان جیسی مخلوق کا دائرہ کار اور نظام عمل مرتب اور مقرر نہ فرمائے۔ اس عجیب و غریب مخلوق کو بھی یقیناً کسی مقصد کے لیے ہی پیدا کیا ہوگا بلا مقصد نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سورۃ المومنون، آیت ۱۱۵:

افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لاترجعون

ترجمہ: کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہیں بیکار (بے مقصد) پیدا کیا گیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے۔

قرآن کی یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ انسان کی تخلیق کا کوئی خاص مقصد ہے اور انسان اس مقصد کی تکمیل کے بعد واپس بلا لیا جائے گا۔ عالم بالا میں آدم کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائک سے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفه (البقرہ۔۳۰) یعنی میں زمین پر اپنا نائب بناؤں گا۔ ملائک نے سمجھ لیا کہ رب کائنات آدم کو زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنانا چاہتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا تو زمین پر ایسے لوگ پیدا کرے گا جو فساد اور خونریزی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو بات میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

قرآن کی مختلف آیات سے زمین پر انسان کو اللہ کا نائب و خلیفہ بنائے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ خلافت و نیابت ایک منصب ہے اور ہر منصب کے کچھ فرائض منصبی ہوتے ہیں۔ نیابت کا منصب اس امر کا متقاضی ہے کہ نائب اپنے حاکم کے احکامات اور منشا کی تعمیل خود بھی کرے اور اپنے دائرہ اختیار میں داخل لوگوں سے بھی تعمیل حکم کروائے۔ اللہ نے یہ فرض پوری نوع بشر پر اور بالخصوص اہل ایمان پر عائد کیا ہے۔ جو شخص اللہ کے احکام اور نظام کا نفاذ کرۂ ارض پر نہیں کرواتا وہ شخص خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے سے قبل آدم کو ملائک سے سجدۂ تعظیم کروایا۔ یہ عمل نوع بشر کو اشرف المخلوقات بنانے اور ظاہر کرنے کا عمل تھا۔ پھر اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ انسان کو بہترین تقویم پر تخلیق کیا گیا ہے۔ یہ تمام امتیازات نوع بشر کو پوری کائنات اور بالائے کائنات کی تمام مخلوقات میں اشرف اور افضل ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن اس شرف فضل کو پانا اور قائم رکھنا فرداً فرداً ہر شخص کی سعی اور روش پر منحصر ہے۔ جو شخص اللہ کے مقرر کردہ مقصد حیات کی تعمیل و تحصیل میں اپنی زندگی صرف کرتا ہے وہ شخص خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب جلیلہ پر فائز اور ملائک سے افضل و اشرف ہو جاتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا اور اللہ کے مقرر کردہ مقصد حیات کی بجائے اپنی زندگی کے لیے خود مقصد حیات مقرر کر لیتا ہے وہ نیابت کے منصب عظمیٰ پر فائز ہونے کی بجائے ارذل اور اسفل ہوتا چلا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے یہ ناپیدا کنار کائنات تخلیق کی اور کائنات کی ہر مخلوق کا دائرہ کار اور

Marfat.com

نظام عمل بھی مقرر فرما دیا۔ اللہ کے مقرر کردہ دائرہ کار اور نظام عمل سے کائنات کا کوئی عظیم سے عظیم ستارہ سیارہ سرمو انحراف نہیں کر سکتا اور نہ ہی عناصر کا کوئی ناقابل تقسیم غیر مرئی ذرہ انحراف کر سکتا ہے۔ اگر کوئی ستارہ یا سیارہ اپنے دائرہ کار سے سرمو تجاوز وانحراف کر بیٹھے تو وہ سیارہ اسی وقت تباہ اور فنا ہو جائے گا۔ یہی صورت ناقابل تقسیم ذرہ کی بھی ہوگی۔ انسان ایسی عجیب وغریب مخلوق ہے جس پر اللہ کی نافرمانی کا مذکورہ تباہ کن قانون لاگو نہیں ہوتا۔ وہ نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہی تباہ نہیں ہوتا بلکہ نافرمانی کے منطقی نتیجہ پر پہنچ کر تباہ ہوتا ہے۔

انسانی جسم فرمانبردار ذرات سے بنا ہے

انسان کا جسم جن عناصر سے بنا ہے ان عناصر کا ایک ایک ذرہ اللہ کے مقرر کردہ دائرہ کار اور نظام عمل پر پوری طرح کاربند ہے۔ باالفاظ دیگر انسان کے جسم کا ایک ایک ذرہ اللہ کا کاملاً فرماں بردار ہے۔ اس کے باوجود انسان اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ گویا اجتماع ضدین ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا فطری اور مادی وجود تو فرماں بردار اور مطیع ہوتا ہے لیکن اس فرماں بردار مادی وجود سے نافرمانی کا ارتکاب انسان کا نفس اور اس کا ارادہ کرواتا ہے۔ اگر انسان اللہ کی اطاعت کرنا چاہے تو اس کا مادی وجود اس کے عزم وارادہ میں فطری طور پر ممد اور معاون ثابت ہوگا مخالف ومزاحم نہ ہوگا۔

کائنات فانی لیکن انسان لافانی ہے

دیگر الہامی کتب کی طرح قرآن سے بھی یہ حقیقت ثابت ہے کہ پوری کائنات فانی ہے۔ اس کی کوئی شے لافانی نہیں۔ اس کائنات میں انسان بھی رہتا ہے لیکن انسان فانی نہیں لافانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فانی کائنات یا اس کے کسی کرہ پر نہیں بلکہ عالم جبروت میں تخلیق کیا تھا۔ عالم جبروت ملائک کے اجتماع کا لافانی مقام ہے۔ انسان لافانی تھا اس لیے اسے فانی کائنات کی بجائے لافانی مقام پر پیدا کیا گیا اور

Marfat.com

اس کے لیے لا فانی جنت بھی تخلیق کی گئی۔ یہ بقا نوعی نہیں طفیلی ہے۔ اس بقا کا انحصار اللہ کی عطا پر ہے جب کہ اللہ کی بقا اس سے بالکل مختلف واجب الوجود کی صفت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس معنی میں اللہ کے سوا اور کوئی باقی بالذات نہیں۔ ملائک اور جنت و دوزخ کی طرح انسان بھی لا فانی تھا اور ہے۔

امتحان لینے کی وجہ

عالم جبروت میں پہلا نافرمانی کا عمل ابلیس سے سرزد ہوا اور اس نافرمانی کے صدور پر ابلیس کو فی الفور راندہ درگاہ اور لعنتی قرار دے دیا گیا۔ اس کے مقدر میں ابدی جہنم لکھ دی گئی۔ نافرمانی کا دوسرا ارتکاب آدم نے کیا لیکن آدم کو نہ ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ الٰہی کیا گیا اور نہ ہی جہنم اس کا مقدر بنائی گئی۔ اللہ اگر چاہتا تو آدم کو بھی ابلیس کی طرح پہلی بار نافرمانی کرنے پر ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ کر کے اسے ابدی جہنم میں ڈال سکتا تھا لیکن آدم اللہ کی سب سے زیادہ چہیتی مخلوق تھی۔ اللہ نے آدم کی نافرمانی پر اس کی قسمت کا حتمی فیصلہ نہیں کیا بلکہ اس کی ابدی زندگی کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ انسانی ابدی زندگی کا پہلا اور مختصر ترین حصہ کائنات کی فانی زندگی سے وابستہ کر دیا گیا۔ اس مختصر ترین زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ آدم اور اولاد آدم عملاً خود کو اللہ کا فرماں بردار ثابت کرے۔ اس ارضی مختصر زندگی کو امتحان اور اس فانی دنیا کو امتحان گاہ قرار دیا گیا۔ آدم نے عالم بالا میں نافرمانی کا ارتکاب کر کے خود کو مشکوک بنا دیا تھا یہ امتحان اسی شک کے فیصلہ کے لیے تھا۔

آدم اور اولاد آدم پر یہ اللہ کا خاص کرم تھا کہ اس نے جس طرح ایک ہی نافرمانی کے ارتکاب پر ابلیس کی دائمی عاقبت کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح آدم کی نافرمانی کا ابدی فیصلہ نہ کیا بلکہ فیصلہ کا اختیار خود آدم اور اولاد آدم کو دے دیا کہ وہ دنیا کی مختصر زندگی میں خود کو عملاً فرماں بردار ثابت کر کے اپنی لا فانی زندگی کے لیے جنت کو مستقر بنا لے یا پھر خود کو نافرمان ثابت کر کے اپنی ابدی زندگی جہنم میں گزار دے۔ حضرت آدم نے تو رو رو کر اور توبہ و استغفار کر کے اپنی خطا معاف کروا لی لیکن آدم کی اولاد دو مختلف گروہ میں بٹ گئی۔ ایک گروہ نے بصیرت اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیا۔ اس نے اپنی مختصر عارضی زندگی کو امتحان

Marfat.com

کا عرصہ اور دنیا کو صرف امتحان گاہ سمجھا اور وہ اس امتحان میں ہر لمحہ اور ہر قدم اپنی فرماں برداری کا ثبوت فراہم کرتا رہا۔ اس طرح اس نے اپنی ابدی زندگی کے لیے جنت کی راہ اختیار کر لی۔ دوسرے گروہ نے کور چشمی اور اندھے پن کا ثبوت دیا اور اس نے اپنی اس عارضی زندگی کو ہی اپنی حقیقی زندگی سمجھ لیا۔ وہ دنیا کی امتحان گاہ کو اپنی قیام گاہ بنا بیٹھے۔ ان لوگوں نے اپنی ابدی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی بجائے دنیا کی مختصر زندگی کو بنانے سنوارنے میں اپنے امتحان کا وقت ضائع کر دیا۔ یہ اللہ کی نافرمانی کی راہ تھی جو سیدھی جہنم کو جاتی ہے۔ اللہ نے تو اولادِ آدم کو جہنم سے بچانے کے لیے انبیاء و مرسلین کو بھی مبعوث کیا اور الہامی کتب ہدایت بھی نازل فرمائیں۔ اللہ کے اس کرم بالائے کرم کے باوجود اگر کوئی اندھا اور پاگل ہی ہو جائے اور اپنی ابدی زندگی کے لیے جنت کی بجائے جہنم کا انتخاب کر لے تو اسے اپنے رب سے عفو اور کرم کی التجا نہیں کرنی چاہیے۔

ہم آخرت کی ابدی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے

جو شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اور ان تمام حقائق کو جانتا بھی ہے، جو شخص دن رات لوگوں کو مرتے اور اپنے دنیاوی اسباب زمین پر چھوڑ کر خالی ہاتھ قبر میں جاتے دیکھتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ایک دن اس نے بھی سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے چلا جانا ہے وہ شخص اپنی نہ ختم ہونے والی ابدی زندگی کو بنانے اور سنوارنے کی بجائے دنیا کی عارضی اور مختصر زندگی کی فکر میں مبتلا رہے۔ ایسا شخص فی الحقیقت نہ اپنی ابدی لافانی زندگی پر یقین رکھتا ہے اور نہ ہی آخرت اور جہنم کی ہولناکی پر ایمان۔ وہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتا ہے اور اپنے عمل سے ان حقائق کا انکار کرتا رہتا ہے۔ ایسا شخص قرآن پڑھتا ہے لیکن قرآن کی تعلیمات پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ قرآن پر ایمان نہ رکھنے کا اعلان کر سکے۔ جس شخص کو یہ کامل یقین ہو کہ یہ دنیا محض امتحان گاہ ہے اور میں اس امتحان گاہ میں صرف مختصر وقت کے لیے امتحان دینے آیا ہوں۔ اس امتحان کی کامیابی اور ناکامی پر ہی میری ابدی زندگی کے لیے ابدی فیصلہ ہونا ہے۔ اگر میں امتحان میں ناکام ہو گیا تو جہنم کی بھڑکی ہوئی آگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرا مقدر بن جائے گی۔ جہنم کی ناقابل

Marfat.com

قیاس اذیتیں میرے وجود کو دائمی اور مستقل طور پر کچلتی اور شعلوں میں بدلتی رہیں گی۔ میرے جسم کی کھال ہر لمحہ سوخت ہوتی رہے گی اور میرے جسم پر مسلسل کھال منڈھی جاتی رہے گی (القرآن)۔اس نہ ختم ہونے والی ابدی اذیتوں میں میری صرف ایک ہی خواہش اور التجا ہوگی اللہ مجھے موت دے دے۔لیکن مجھے موت نہ مل سکے گی۔اس قہر، جبر اور شدید اذیت کا جسے یقین ہو وہ کس طرح اپنی آخرت کی ابدی زندگی کو نظر انداز کر سکتا اور اس کی فکر سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔

گناہوں کے لیے مغفرت کا فریب

ہم نے اللہ کی نافرمانی کے لیے اللہ کی غفاری اور رحیمی کا ایک پُر فریب تصور گھڑ لیا ہے۔ہم اللہ کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ غفور الرحیم ہے وہ ہمیں معاف کر دے گا۔ بہت خوب کیا تصور ہے اپنی عبدیت اور اللہ کی غفاری اور رحیمی کا۔اگر یہ تصور درست ہوتا اور اللہ نے ہمیں بخشنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہوتا تو پھر انبیاء و مرسلین کو مبعوث کرنے کی کیا ضرورت تھی۔الہامی کتب ہدایت نازل کرنا بھی فضول امر ہوتا۔پھر انبیاء اور رسل نے اللہ کی اطاعت میں زندگی بھر سخت تکالیف اور مصیبتیں کیوں برداشت کیں۔اللہ تعالیٰ روز اول ہی حضرت آدم کی خطا معاف کر سکتا تھا پھر اللہ نے حضرت آدم کو جنت سے نکال کر زمین پر کیوں بھیجا۔اگر اللہ کا کام صرف معاف ہی کرنا ہے تو ان تمام امور اور طول عمل کی کیا ضروت تھی۔فی الحقیقت ہم اللہ کی غفاری اور کریمی کی آڑ لے کر اس کی نافرمانی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ اللہ کے عفو و کرم کے بغیر کوئی بھی فرد بشر نجات اور مغفرت نہیں پا سکتا۔لیکن اللہ اس پر ہی کرم و عنایت کرتا ہے جو اپنے عمل سے خود کو اللہ کے کرم اور عفو کا اہل ثابت کر دے۔جو لوگ خود کو حزب اللہ سے نکال کر حزب الشیطان میں داخل کر دیں ان پر عفو و کرم کرنا اللہ کے عہد کے خلاف ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

Marfat.com

امتحان کا پرچہ

آدم اور اولاد آدم کو دنیا میں امتحان دینے کے لیے بھجوایا گیا تھا۔ یہ امتحان فکر وعمل کا امتحان تھا۔ اس کے لیے امتحانی پرچے کی بھی ضرورت تھی اور یہ پرچہ امتحان الہامی کتب کی صورت میں دے دیا گیا۔ امتحان کے ان الہامی پرچوں میں یہ بتا دیا گیا تھا کہ خوب اور ناخوب کیا ہے، شر کیا ہے اور خیر کیا ہے۔ انسان کی دنیاوی زندگی کس مقصد اور مہم کی تکمیل سے کامیاب ہوسکتی ہے اور کن امور کے ارتکاب سے ناکام۔ یہ تمام ہدایات دے کر اولاد آدم کو عملی امتحان دینے کے لیے دنیا میں بٹھا دیا گیا۔ اس امتحان کا حاصل خود کو اللہ کا فرماں بردار یا نافرمان ثابت کرنا تھا۔ اللہ نے آدم اور اولاد آدم کو زمین پر اپنا نائب مقرر فرما کر یہ بات واضح کردی تھی کہ اللہ کے نائب کا فرض منصبی اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام اور نظام کو عملاً نافذ کرنا اور غیر اللہ ہر نظام اور ہر حکم کو مٹانا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سورۃ الانعام: ۲۵

ان الحکم الا للہ یقص الحق وھو خیر الفصلین

ترجمہ: اللہ کے سوا حکم کسی کا نہیں (یعنی حکم دینے کا مجاز صرف اللہ ہے) اللہ حق بتا دیتا اور فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر وہ ہی فیصلہ کرتا ہے۔

سورۃ الاعراف: ۳

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلاً ماتذکرون

ترجمہ: تم لوگ اس کی پیروی کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کے سوا اپنے دوسرے رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔ تم لوگ کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔

زندگی کا واحد مقصد و مصرف

اللہ تعالیٰ نے نوع بشر کی ہدایت و رہنمائی کے لیے مختلف ادوار میں مختلف انبیاء اور

Marfat.com

الہامی کتب نازل فرمائیں لیکن اولادِ آدم انبیاء اور اپنی الہامی کتب کی تعلیمات کو متغیر کرتی اور شرک و طغیان کی راہ اختیار کرتی رہی۔ بالآخر اللہ نے ابدالاباد تک اپنی آخری کتاب ہدایت اور اپنا آخری نبی بھیجا اور اعلان کر دیا کہ میرا یہ نبی پوری دنیا کے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہے اس کا اتباع کرو۔ ملاحظہ ہو:

سورۃ الاعراف: ۱۵۸

قل یایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملک السموٰت والارض لااله الا هو یحی ویمیت فاآمنو بالله و رسوله النبی الامی الذی یومن بالله و کلمٰة واتبعو لعلکم تهتدون

ترجمہ: کہہ دے اے انسانوں میں تم سب کی طرف اس اللہ کا نبی (بنا کر) بھیجا گیا ہوں جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ سوایسے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس اُمی نبی پر بھی جو خود بھی اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے اور اس نبی کا اتباع کرو تا کہ تم ہدایت کی راہ پالو۔

اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت تمام نوع بشر پر قائم فرما کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ اللہ کی ہدایت اور اس کا عطا کردہ دین پوری دنیا پر نافذ کرنے کے لیے ہے اور اللہ کا دین بالآخر پوری دنیا پر نافذ ہو کر رہے گا۔

سورۃ التوبہ، آیت: ۳۳

هوالذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق ینطهر. علی الذین کله ولو کره المشرکون

ترجمہ: وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرکین کتنے ہی ناخوش ہوں۔

سورۃ الفتح، آیت: ۲۸

هوالذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لینطره علی الذین

Marfat.com

كله و كفى بالله شهيداً

ترجمہ: وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کی گواہی (تصدیق) کافی ہے۔

ان آیات شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ دین اسلام دنیا میں صرف قائم ہونے کے لیے ہی نہیں آیا بلکہ دیگر تمام ادیان اور نظام کو مٹا دینے کے لیے بھی آیا ہے۔ یہ عمل پوری دنیا پر اللہ کے احکام اور نظام کو نافذ اور غیر اللہ کے تمام نظام اور احکام مٹا ڈالنے کا عمل ہے۔ یہی عمل اہل ایمان کی زندگی کا مقصد حیات مقرر ہوا ہے۔ اسی لیے اللہ نے مومنوں پر فرض کیا ہے کہ وہ لوگوں کو برائیوں سے روکیں اور بھلائی کا حکم دیں۔ یہ فرض مومن کی انفرادی، جماعتی اور حکومتی تینوں سطح پر نافذ کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

آل عمران، آیت: ۱۱۰

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر وتومنون بالله

ترجمہ: تم (مسلمان) بہتر امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے کہ تم اچھے کام (کرنے) کا حکم دیتے ہو اور برے (ممنوع) کاموں سے (لوگوں کو) روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

آل عمران، آیت: ۱۰۴

ولكن منكم امة يدعون الى الخير و يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر والئك هم المفلحون

ترجمہ: تم (مسلمانوں) میں ایک ایسی (کل وقتی) جماعت ضرور ہونی چاہئے کہ جو بھلائیوں کی دعوت دے اور اچھے اعمال کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

سورۃ الحج، آیت: ۴۱

الذين ان مكنهم فى الارض اقامو الصلوٰة واتوا الذكوٰة وامرو بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور

Marfat.com

ترجمہ: وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین پر انہیں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور برے کاموں سے روکیں گے اور تمام کاموں کا انجام تو اللہ کے (ہی) اختیار میں ہے۔

انسانی زندگی کے لیے خیر وشر کا تعین اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔ امر بالمعروف میں تمام امور خیر اور نہی عن المنکر میں تمام امور شر آتے ہیں۔ درج بالا آیات میں بھلائی کے حکم کا مطلب وہ امور خیر ہیں جن کے کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ برائیوں سے روکنے کا مطلب ان امور سے روکنا ہے جن کے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اللہ نے اہل ایمان پر بھلائیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کا فریضہ عائد کر کے انہیں اس مقصد حیات کی تکمیل پر لگا دیا ہے۔ جو مقصد حیات مومنوں کے لیے اللہ نے مقرر فرمادیا تھا اور وہ مقصد حیات ہے اللہ کی زمین پر غیر اللہ کے نظام اور احکام کو مٹا کر صرف اللہ کے احکام اور نظام کو نافذ کرنا۔ مومن کی زندگی کے لیے صرف یہی مقصد مقرر ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل و تحصیل کے لیے مومن کی زندگی صرف ہونی چاہیے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ شخص اللہ کے مقرر کردہ مقصد حیات سے انحراف اور اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان کی دائمی جنگ

اولاد آدم نے دو مختلف راہیں اختیار کرلی تھیں۔ اللہ نے بنی آدم کو دو مختلف گروہ میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے ہر گروہ کا نام بھی رکھ دیا۔ سورۃ المجادلہ، آیت ۱۹ اور ۲۲ میں اولاد آدم کی ان دو مختلف جماعتوں میں سے ایک کا نام حزب اللہ اور دوسری کا حزب الشیطان بتایا گیا ہے۔ حزب اللہ کا بانی اللہ جل شانہ ہے اور حزب الشیطان کا بانی ابلیس۔ حزب اللہ کے ارکان انبیاء مرسلین، صدیقین، شہدا اور صالحین ہیں۔ حزب الشیطان کے ارکان مشرکین، کافر، منافق اور اللہ کے باغی ہیں اور وہ لوگ بھی حزب الشیطان میں شامل ہیں جو قولاً اور فعلاً حزب اللہ کے رکن نہیں ہیں۔ اللہ نے ان دو مخالف اور متصادم گروہ کی باہمی مخاصمت اور جنگ کے متعلق بھی فرمادیا ہے کہ یہ دونوں گروہ ہمیشہ ایک دوسرے سے نبرد آزما رہیں گے تا آنکہ حزب اللہ مکمل طور پر حزب الشیطان پر غالب نہ ہو جائے۔ اللہ

Marfat.com

نے مومن کی زندگی کا مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام اور احکام نافذ کرنا اسی لیے مقرر کیا ہے کہ مومن پوری زندگی انفرادی اور اجتماعی طور پر حزب الشیطان سے لڑتا اور انہیں مٹاتا رہے۔ اللہ نے حزب اللہ کے ارکان کو بار بار حکم دیا ہے کہ ارکان حزب الشیطان سے لڑو۔

ملاحظہ ہوں اللہ کے ایسے چند احکام:

سورۃ الانفال، آیت:۲۹

وقاتلو هم حتىٰ لاتكون فتنة ويكون الدين كله الله

ترجمہ: اور لڑو ان (کافروں) سے یہاں تک کہ فتنہ (کفر) ختم ہو جائے اور دین کلیتاً اللہ کا ہی ہو جائے۔

سورۃ البقرہ، آیت:۱۹۳

وقاتلوهم حتىٰ لاتكون فتنة ويكون الدين الله

ترجمہ: اور لڑو ان (کافروں) سے حتیٰ کہ فتنہ (کفر) ختم ہو جائے اور دین اللہ کا ہی ہو جائے۔

سورۃ التوبہ، آیت:۳۶

وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة

ترجمہ: اور تمام مشرکوں سے جنگ کرو جیسا کہ وہ تمام (مل کر) تم سے جنگ کرتے ہیں۔

سورۃ التوبہ، آیت:۱۲

فقاتلوا ائمته الكفر

ترجمہ: کفار کے آئمہ (سرغنوں) سے جنگ کرو۔

سورۃ النساء، آیت:۷٦

الذين امنوا يقاتلون فى سبيل الله والذين كفروا يقاتلون فى سبيل الطاغوت فقاتلو اولياء الشيطن ان كيدالشيطن كان ضعيفاً

ترجمہ: جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا لڑنا اللہ کی راہ میں ہوتا ہے اور جن لوگوں نے کفر

Marfat.com

کی راہ اختیار کی وہ طاغوت (شیطان) کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو (تم) شیطان کے حمائتیوں سے لڑو۔ شیطان کا مکر (تدبیریں) دیکھنے میں کتنا ہی مضبوط دکھائی دے (یعنی وہ بظاہر کتنے ہی طاقت ور نظر آئیں) لیکن (حق کے مقابل) وہ کبھی جمنے والے نہیں۔

حزب الشیطان، کفار، مشرکین اور منافقین سے قتال اور جنگ کے یہ احکام مستقل اور دائمی نوعیت کے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں اسے جہاد فی سبیل اللہ کہا گیا ہے اور حزب اللہ کا کوئی رکن اس جنگ اور جہاد سے مستثنیٰ نہیں۔ ہر دور کے تمام مسلمانوں پر یہ جنگ و جہاد فرض ہے۔ اسی جنگ و جہاد کے ذریعہ ہی مومن اپنے مقصد حیات کی تکمیل کر سکتا اور اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام اور نظام کو عملاً نافذ کرا سکتا ہے۔

حزب اللہ میں آج صرف امت مسلمہ بحیثیت امت شامل رہ گئی ہے۔ یہود اور نصاریٰ بھی صاحب کتاب اور انبیاء برحق کی امتیں تھیں لیکن انہوں نے اپنی الہامی کتب کو محرف اور اپنے الہامی دین کو متغیر کر کے کھلے شرک و کفر کی راہ اختیار کر لی۔ اس طرح یہود اور نصاریٰ بھی حزب اللہ سے نکل کر حزب الشیطان میں شامل ہو گئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے بھی دوستی کرنے سے منع فرما دیا اور انہیں بھی مسلمانوں یعنی حزب اللہ کا دشمن قرار دے دیا۔ ملاحظہ ہو:

سورۃ المائدہ، آیت: ۵۱

ترجمہ: مسلمانو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ تمہارے خلاف ہیں اور ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے ہے (یعنی اس کی آخرت بھی یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہو گی)

سورۃ الممتحنہ، آیت: ۱

ترجمہ: تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمن کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

کفار و مشرکین سے دوستی نہ کرنے کا یہ حکم بھی دائمی نوعیت کا ہے۔ اس دوستی میں ذہنی اور فکری دوستی بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا ذمہ لے کر اس کتاب کو نوع بشر کی ہدایت و رہنمائی کے لیے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا اور اہل

Marfat.com

ایمان کی زندگی کے تمام شعبوں اور تقاضوں کی فکری اور عملی کفالت کے لیے اس کتاب میں ہر چیز رکھ دی۔

سورۃ النحل، آیت: ۸۹

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ وھدی ورحمۃ و بشریٰ المسلمین

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل کی کہ تمام باتوں کو بیان کرنے والی اور مسلمانوں کے لیے بڑی ہدایت، رحمت اور خوش خبری دینے والی ہے۔

تمام باتوں کا بیان کرنے والی سے مراد قرآن کی وہ صفت ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور ضرورتوں کا احاطہ اور ان کی فکری اور عملی رہنمائی کی کفالت کرتی ہے۔ اس یقین دہانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ تمام وکمال دین اسلام میں داخل ہو جائیں۔

سورۃ البقرہ، آیت: ۲۰۸

یایھا الذین امنوا ادخلو فی السلم کافۃ

ترجمہ: اے ایمان والو (دین) اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

حکم صرف قرآن وسنّت کا چلے گا

یہ حکم قرآن وسنت کے علاوہ کسی اور ذریعہ ہدایت ورہنمائی کو قبول کرنے سے منع کر دیتا ہے اور مسلمانوں کو پابند کر دیتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں صرف قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کریں۔ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جانے کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان کی زندگی کا کوئی گوشہ دائرہ اسلام سے باہر نہ رہے۔ اس پابندی پر جو عمل نہ کرے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فیصلہ دے دیا ہے کہ ایسا شخص کافر ہے، فاسق ہے، ظالم ہے۔ ملاحظہ ہو:

سورۃ المائدہ، آیت: ۴۴

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الکفرون

Marfat.com

ترجمہ: اور جولوگ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کے مطابق حکم (فیصلہ وعمل) نہ کریں سوایسے لوگ کافر ہیں۔

سورۃ المائدہ، آیت: ۴۵

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الظلمون

ترجمہ: اور جولوگ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کے مطابق حکم (فیصلہ وعمل) نہ کریں سوایسے لوگ ظالم ہیں۔

سورۃ المائدہ، آیت: ۴۷

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الفسقون

ترجمہ: اور جولوگ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کے مطابق (فیصلہ وعمل) نہ کریں سو ایسے لوگ فاسق ہیں۔

سورۃ المائدہ کی ان تین متصل آیات میں ایک ہی بات کہی گئی ہے صرف جملہ کا آخری لفظ بدلا گیا ہے۔ ایک آیت میں کلام اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والوں کو کافر کہا گیا ہے دوسری آیت میں ظالم اور تیسری میں فاسق کہا گیا ہے۔ ایک ہی بات کو تین بار کہنے کا مقصد اس بات کی اہمیت کو اجاگر اور اس عمل کی گمراہی کو واضح کرنا ہے۔

ان آیات کے نزول کے بعد کسی بھی مسلمان کو یہ اختیار نہیں رہا کہ وہ اپنی زندگی کے معاملات میں اپنی صواب دید پر فیصلہ کر سکے اور اپنی زندگی کے لیے خود مقصد و مصرف کا تعین کرے۔ زندگی کے ہر معاملہ میں ہر مسلمان قرآن سے احکام حاصل کرنے کا پابند ہے۔ فیصلہ سے قبل صورت معاملہ میں اللہ کے فیصلہ کو قرآن میں تلاش کرنا فرض ہے۔ اگر قرآن سے فیصلہ نہ مل سکے یا فیصلہ غیر واضح ہو تو سنت رسول ﷺ سے رجوع کیا جائے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع بھی قرآن سے ہی لازم ہوا ہے۔ اس طرح سنت کا فیصلہ بھی قرآن کا ہی فیصلہ متصور ہوگا۔ جو مسلمان جانتے بوجھتے ہوئے بھی قرآن کے حکم و فیصلہ کے خلاف فیصلہ وعمل کرے وہ اللہ کا باغی، کافر، ظالم اور فاسق ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کسی مفتی یا مجتہد کا فیصلہ نہیں جس میں شک اور اختلاف کی راہ پیدا ہو سکے۔

آپ خود اپنی زندگی کا مقصد متعین کرنے کا حق نہیں رکھتے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر فرما کر رسول اللہ ﷺ کی رسالت تا قیامت تمام دنیا کے لیے قائم فرما کر اولادِ آدم کو حزب اللہ اور حزب الشیطان دو مستقل جماعتوں میں تقسیم کر کے اور حزب اللہ کو حزب الشیطان سے لڑنے اور غیر اللہ نظام اور احکام کو ختم کر دینے کا حکم دے کر مسلمانوں کی زندگی کا مقصد متعین فرما دیا ہے۔ مسلمان کا مقصد حیات اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام اور نظام کو عملاً نافذ کرنا ہے۔ جو مسلمان اللہ کے مقرر کردہ اس مقصد حیات کے لیے زندگی نہیں گزارتا وہ یقیناً بے مقصد زندگی گزارتا ہے خواہ اس کی زندگی عبادت و ریاضت میں گزرے یا عیش و عصیاں میں۔ اللہ نے کائنات کی ہر مخلوق کا دائرہ کار اور مقصد وجود مقرر و متعین کیا ہے۔ یہ صرف اللہ کا منصب اور اس کا حق ہے کہ وہ اولادِ آدم کی زندگی کا بھی دائرہ کار اور مقصد حیات متعین فرمائے۔ جو شخص اپنی زندگی کے لیے خود اپنی پسند سے مقصد حیات مقرر کرتا ہے وہ اللہ کے استحقاق میں مداخلت کرتا ہے اور خود اپنا خدا بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کے ایمان کا دعویٰ غلط، اس کی عبدیت باطل اور اس کی دین داری بے مقصد اور لاحاصل ہے۔ جس کی زندگی کا قبلہ مقصود ہی درست نہ ہو اس کا کوئی عمل درست نہیں ہو سکتا۔

آپ کی جان مال فروخت ہو چکی

اللہ کے مقرر کردہ مقصد حیات کی تکمیل کے لیے مومنوں کی زندگی وقف کر دینے کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے ایک نئے اور لطیف پیرائے میں اس طرح فرمائی ہے:

سورۃ التوبہ، آیت: ۱۱۱

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون

ترجمہ: مومنوں سے اللہ نے ان کی جان اور ان کا مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔

Marfat.com

یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو قتل بھی کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔

سورۃ النساء، آیت: ۷۴

فیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ ومن
یقاتل فی سبیل اللہ فقتل او یغلب فسوف لوء تیہ اجرا عظیما

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں وہ لوگ آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر چکے ہیں اور جو کوئی اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے تو خواہ وہ قتل ہو جائے یا غالب آئے ہم اسے اجرِ عظیم عطا کریں گے۔

ان آیات میں اللہ نے یہ فرما کر کہ مومن کی زندگی جنت کے عوض اللہ نے خرید لی ہے، مومن کی زندگی کو اور پابند کر دیا ہے۔ مومن کی جان و مال جنت کے عوض فروخت ہو جانے کے بعد اب مومن کا اپنی جان اور مال پر کوئی اختیار نہیں۔ اس کی جان و مال پر خریدار کا حق و تصرف قائم ہو گیا ہے۔ اس لیے مومن اپنی جان و مال کو صرف ان مصارف میں خرچ و استعمال کر سکتا ہے جن مصارف کی منظوری خریدار نے دی ہے۔ اگر مومن اپنی جان و مال کو اپنے لیے اور اپنی مرضی سے استعمال کرے گا تو اس کا یہ عمل خیانت کا عمل ہو گا۔

آپ سے آپ کی جان و مال کس نے خریدا ہے۔ اس خالق و مالک نے جس نے آپ کو پیدا کیا، زندگی دی، رزق دیا اور زندگی گزارنے کے اسباب دیے۔ اسی نے اپنی عطا کی ہوئی چیزوں کو آپ سے خرید لیا۔ آپ کا اپنا تو کچھ بھی نہ تھا۔ آپ نے اس کے ہی مال کو اس کے ہاتھ فروخت کر کے مفت میں جنت حاصل کر لی۔ اگر آپ اس سودے سے انکار کر دیں تو آپ کو کیا ملے گا۔ جان تو بالآخر جانی ہی ہے اور مال بھی یقیناً نہ رہے گا۔ سودے سے انکار کر کے آپ کو اپنے مالک کا عتاب اور جہنم کی دائمی آگ کے سوا اور کچھ نہ مل سکے گا۔ ایسی صورت میں صرف پاگل دانشور اور کافر مسلمان ہی ایسے سودے سے انکار کر سکتا ہے۔

Marfat.com

دین اسلام کا رکن اعظم جہاد ہے

دین اسلام ایک فعال اور عالمگیر مذہب ہے۔ یہ صرف چند عبادات کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی روزہ، نماز اور حج وزکوۃ کی ادائیگی سے کوئی مسلمان کامل مسلمان بن سکتا ہے۔ یہ ارکان دین مسلمانوں کی شخصیت کی تعمیر کے لیے ہیں۔ دین اسلام کا رکن اعظم جہاد فی سبیل اللہ ہے جو ہر دور کے ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے بغیر کوئی مسلمان کامل مسلمان نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس کا ایمان کامل ہوسکتا ہے۔ دین اسلام کا یہی وہ رکن ہے جس سے اہل ایمان کی زندگی کا مقصد اصلی تکمیل پاتا اور مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی کے سانچے میں ڈھلتی ہے۔ اس فرض کی تکمیل کا حکم اللہ نے بار بار دیا ہے اور انتہائی شدت کے ساتھ دیا ہے۔ اس فرض کے ترک پر اللہ نے جس قدر شدید برہمی اور غیظ وغضب کا اظہار کیا ہے کسی اور فرض کے ترک پر ایسی برہمی کا اظہار نہیں کیا۔ ملاحظہ ہوں جہاد کے متعلق اللہ کے احکامات:

سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۱۶

کتب علیکم القتال ......

ترجمہ: جہاد وقتال تم پر (ہمیشہ کے لیے) فرض کر دیا گیا......الخ

التوبہ: ۴۱

انفرو اخفافاو تقالاً وجاھدو باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ

ترجمہ: (جہاد کے لیے) چل پڑو ہلکی جان سے چاہے بھاری جان سے اور اللہ کی راہ میں لڑو جان ومال کے ساتھ۔

التوبہ: ۳۹

الاتنفروا بعذبکم عذابا الیماولیستبدل قوما غیرکم ولاتضروہ شیا اللہ علی کل شئ قدیر

ترجمہ: اگر (جہاد کے لیے) کوچ نہ کروگے تو تمہیں اللہ سخت عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر بات پر

قادر ہے۔

التوبہ:۲۴

قل ان کان اباؤکم وابنآؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفسقین

ترجمہ: (اے رسول) کہہ دو اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس میں خسارہ کا تمہیں خدشہ ہو اور وہ گھر جسے تم پسند کرتے ہو (اگر) تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو (پھر) تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (قہر) بھجوا دے اور اللہ نافرمانوں کو ان کے مقصد تک نہیں پہنچاتا۔

اللہ تارک جہاد سے زیادہ اور کسی پر غضبناک نہیں ہوتا

جہاد و قتال کے متعلق قرآن میں متعدد احکام موجود ہیں۔ ان احکام سے اللہ کے انبیاء اور رسل بھی مستثنیٰ نہیں تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی نبوی زندگی مسلسل جہاد اور قتال میں گزری۔ ایسی ہی زندگی صحابہ کرام نے گزاری۔ فی الحقیقت جہاد فی سبیل اللہ کا ہی دوسرا نام اسلامی زندگی ہے۔ اب ملاحظہ ہو تارک جہاد کے لیے اللہ کے احکام اور اللہ کی شدید برہمی کا اظہار:

سورۃ التوبہ، آیات ۸۱ تا ۸۴

ترجمہ: پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول کے (غزوہ تبوک پر جانے کے) بعد

Marfat.com

اپنے گھر بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرنا پسند نہ آیا اور وہ (دوسروں سے بھی) کہنے لگے تم بھی گرمی میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیں جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے۔ کتنا اچھا ہوتا اگر وہ سمجھتے۔ سو تھوڑے دن وہ دنیا میں ہنس لیں اور پھر بہت دنوں روتے رہیں ان کاموں کے بدلے جو وہ کرتے تھے۔ اگر اللہ آپ کو ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے پھر یہ لوگ (کسی جہاد پر) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیں تم کبھی میرے ساتھ نہ جاؤ گے اور نہ میرے ساتھ کسی دشمن سے لڑو گے۔ تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنا پسند کیا تھا سو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے قابل ہیں۔ اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس (کے جنازہ) پر بھی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالت کفر میں ہی مرے۔

سورۃ توبہ کی درج بالا آیات سے قبل ۷۳ تا ۷۹ میں مسلم منافقین کا ذکر فرما کر آیت ۸۰ میں اللہ نے اپنے رسول سے اتنی سخت بات بھی کہہ دی ہے:

استغفر لهم اولاتستغفرلهم ان تستغفرلهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم ذالک بانهم کفرو بالله و رسوله والله لايهدى القوم الفسقين

ترجمہ: تو ان کے لیے مغفرت مانگ یا تو ان کے لیے مغفرت نہ مانگ تو اگر ستر بار بھی ان کے لیے مغفرت مانگے گا تو اللہ انہیں معاف نہ کرے گا وہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

سورۃ توبہ آیت ۸۰ سے متصل ہی آیت ۸۱ میں جہاد نہ کرنے والوں کا ذکر ہوا ہے اور ان کے لیے بھی اللہ نے، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے اور حالت کفر میں مرنے کی بات کی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبر پر کھڑے نہ ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ایسے تمام لوگ منافق اور کافر ہیں اور ان کی مغفرت کے لیے اللہ کے رسول کی دعا بھی قبول نہ ہوگی۔

Marfat.com

الامان الحفیظ۔ یارب العالمین ہمارا کیا حشر ہوگا۔ ہم تو صرف تارک جہاد ہی نہیں جہاد کی فرضیت کے بھی منکر ہیں۔ پھر کس طرح ہمارے جنازہ کی نماز جائز ومقبول ہوسکتی ہے۔ ہم دشمنان اسلام سے وفاداری کو اقتضاء وقت اور دانشمندی سمجھتے ہیں اور فراعین عصر کے آگے سرتسلیم خم کرکے ان کی نظر کرم کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ہماری جمعیت جہاد کو قصہ پارینہ سمجھتی اور قاہر و جابر طاقتوں سے جنگ کو خودکشی قرار دیتی ہے۔ ہمارے حکمران مجاہدین کو دہشت گرد، غدار اور مجرم قرار دیتے ہیں اور کفار کے ساتھ مل کر انہیں قتل کرانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ہم بھوکے کتوں کی طرح مسلمانوں کے خون میں لت پت ڈالروں کے پیچھے دوڑتے ہیں اور ایسی لعنتی دولت کو اہل وطن کی خوشحالی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے دانشور اللہ کے واضح حکم وہدایت کے خلاف حکومت کے ہر اقدام کی مدح سرائی کرتے اور اسے نہایت کامیاب حکمت عملی قرار دیتے ہیں۔ ہمارے حکمران حزب الشیطان کے سربراہوں کو قادر مطلق سمجھتے اور ان کی خدمت کے صلہ میں دشمنان اسلام کی طرف سے تعریف وتحسین کو اپنے لیے باعث صد افتخار تصور کرتے ہیں جب کہ دشمنان اسلام کی یہ تعریف وتوصیف اسلام سے غداری کی سند اور جہنم میں داخلہ کا پروانہ ہے۔

منافق بدترین جہنمی ہیں ان سے لڑو

جو شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو اور وہ شخص اللہ کی طاقت اور ہیبت کی بجائے فانی بندوں کی طاقت وہیبت سے ڈرتا ہو، قرآن کی ہدایات واحکام کی بجائے حزب الشیطان کے سربراہوں کے احکام کی تعمیل کرتا ہو، سنت رسول ﷺ کی بجائے کفار ومشرکین کی سنت اختیار کرتا ہو، امت مسلمہ کی بجائے کفار ومشرکین کی حمایت وخیرخواہی کرتا ہو، یوم آخر کی بجائے یوم موجود کو ترجیح واہمیت دیتا ہو ایسا شخص مسلمان نہیں منافق اور فاسق ہے اور منافق کافر سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ اللہ نے مسلمان منافقوں سے بھی قتال کا حکم دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

Marfat.com

سورۃ التوبہ، آیت: ۷۳

يايها النبی جاهد الكفار والمنفقين واغلظ عليهم وماوهم جهنم وبئس المصير

ترجمہ: اے نبی جنگ کر کافروں اور منافقوں سے اور سختی کر ان پر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کافر کے مقابلہ میں منافق کو زیادہ بڑا جہنمی اور سخت تر عذاب کا مستحق قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

سورۃ النساء، آیت: ۱۴۵

ان المنفقين فی الدرک الاسفل من النار ولن تجد لهم نصيرا

ترجمہ: بلاشبہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا۔

قرآن کی سورۃ التوبہ جہاد کے احکام سے بھری ہوئی ہے۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف کی وجہ تسمیہ بھی جہاد کے مضمون سے منسوب ہے۔ جہاد کے لیے کئی سورہ کی ایک سو چالیس آیات میں احکام دیے گئے ہیں۔ فی الحقیقت جہاد ہی اہل ایمان کی زندگی ہے اور شوق شہادت اس زندگی کی روح رواں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کا رتبہ تمام عابدوں سے افضل قرار دیا ہے۔

سورۃ التوبہ، آیت: ۱۹

اجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن امن بالله واليوم الآخر وجهد فی سبيل الله لايستوون عندالله والله لايهدی القوم الظلمين

ترجمہ: کیا تم نے حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

Marfat.com

شہید کے لاثانی امتیازات

مجاہد کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو مجاہد اللہ کی راہ میں لڑ کر قتل ہو جائے اس کے لیے موت کا لفظ بھی اللہ تعالیٰ سننا پسند نہیں فرماتا اور مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا تم شعور نہیں رکھتے۔ تمام دین دار عابدوں اور زاہدوں کی آخرت کا فیصلہ تو روز حساب ہوگا لیکن شہید وہ خوش نصیب مومن ہے جس کی آخرت کا فیصلہ اسی دن ہو جاتا ہے جس دن وہ اللہ کی راہ میں شہید ہوتا ہے۔ یہ امتیاز و شرف کسی حاجی، نمازی اور عابد و زاہد کو حاصل نہیں۔ اللہ نے کسی حاجی، نمازی اور عابد و زاہد کے لیے نہیں فرمایا کہ وہ مر جائیں تو انہیں مُردہ نہ کہو۔ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا اپنی زندگی کے مقررہ مقصد کی تکمیل کر کے لافانی زندگی کی حدود میں قدم رکھتا اور ابدی زندگی کی کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ اللہ ایسے کامیاب عبد کو روز حساب تک انتظار نہیں کرواتا اور اسے شہید ہوتے ہی کامیاب قرار دے کر اپنی جوار رحمت میں لے لیتا ہے اور اہل ایمان کو منع کر دیتا ہے کہ شہید کو مُردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق یعنی اسباب حیات حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح شہید پر موت کا وہ دور ختم کر دیا جاتا ہے جو دیگر اہل ایمان کے لیے قیامت تک قائم رہتا ہے۔ شہید ایک ہی جست میں فانی زندگی سے ابدی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔ جس بندے نے اپنی جان اپنے رب کے حکم پر قربان کر دی اس نے اپنے رب کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسا عالی شان ایسا عظیم ایسا قادر مطلق بادشاہ اپنے ایسے غلام کی قربانی کو نہ نوازے۔ یہ اس عظیم بادشاہ کی عظمت کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ایسے غلام کو اس طرح نوازتا ہے کہ اکابر صحابہ بھی اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور شہید اس کائنات کے مالک کے دامنِ کرم و عطا میں پہنچ جاتا ہے۔

امن اور جنگ دونوں حالت میں جہاد فرض ہے

دنیا عالم اسباب ہے۔ خالق کائنات تمام تر قدرت واختیار رکھنے کے باوجود اپنی کائنات کو اپنے مقرر کردہ نظم اور طریقہ کار پر چلاتا ہے۔ وہ جب چاہے اس مقررہ نظم اور طریقہ کار کے خلاف بھی عمل کروا سکتا ہے۔ لیکن ایسا وہ عموماً نہیں کرتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کی زندگی کا مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام ونظام نافذ کرنا مقرر کیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے غیر اللہ احکام ونظام کو ختم کروانا لازمی امر ہے۔ اس مہم کے لیے اسباب درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنی عسکری اور حربی طاقت کو حتی المقدور بڑھائیں اور بڑھاتے رہیں حتیٰ کہ وہ کفار پر اپنی طاقت کی اس قدر دہشت طاری کر دیں کہ کفار ان پر حملہ کرنا اور ان سے لڑنا اپنی تباہی کو دعوت دینا تصور کرنے لگیں۔ یہ بھی جہاد کا حصہ ہے اور حالت امن میں پوری امت مسلمہ پر جہاد کی اس صورت کی تکمیل فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سورۃ الانفال، آیت: ٦٠

واعدوالهم ماستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدو كم واخرين من دونهم لا تعلمونهم الله يعلمهم وما تنفقوا من شئ في سبيل الله يوف اليكم و انتم لاتظلمون

ترجمہ: اے (مسلمانو) جہاں تک ممکن ہو (عسکری) طاقت پیدا کرو۔ اور گھوڑے تیار کر کے دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہو تا کہ اس سے اللہ کے دشمن پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر جنہیں تم نہیں جانتے انہیں اللہ جانتا ہے (تمہارا) رعب طاری رہے۔ اور اللہ کی راہ میں جو چیز خرچ کرو گے وہ تم کو پوری پوری دے دی جائے گی اور تمہارے لیے کچھ کمی نہ ہوگی۔

یہ حکم ہر دور کے مسلمانوں کے لیے ہے اور جس دور میں جس قسم کے سامان حرب اور طریقہ جنگ رائج ہو اس دور میں اس قسم کے سامان حرب کو جمع اور ان طریقہ حرب میں

Marfat.com

کمال حاصل کرنا پوری امت مسلمہ پر فرض ہے۔اس فرض کی تکمیل سے غفلت مسلمانوں کی تباہی اور مغلوبیت کا باعث بنی ہے۔اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ اپنی زندگی کی ضروریات محدود سے محدود تر کر کے فاضل رقوم دفاعی ضروریات پر خرچ کرتے رہتے۔اگر مسلمان اللہ کا حکم مان کر ایسا کرتے تو آج کفار کے دست نگر اور ان کے غلام اور تابع نہ ہوتے۔اللہ کے اس حکم پر مسلمانوں نے عمل نہیں کیا لیکن جن کفار نے اس پر عمل کیا وہ نا قابل تسخیر ہو گئے۔ ہمارے سامنے مذہب دشمن سوشلسٹ روس کی نظیر موجود ہے۔ جنگ عظیم دوم میں روس کے ڈھائی کروڑ باشندے موت کے گھاٹ اتر گئے، کئی شہر مکمل طور پر تباہ ہو گئے، تجارتی اور مالی طور پر ملک دیوالیہ ہو گیا۔ایسے بدترین حالات میں روس کی سوشلسٹ حکومت نے ملک کی شہری تعمیرات اور عوام کے معیار زندگی پر توجہ دینے کی بجائے اپنی عسکری اور حربی طاقت بڑھانے پر توجہ مرکوز کر دی۔عوام کو روکھی سوکھی کھانے پر مجبور کیا گیا، انہیں ایک کوٹھری میں رکھا، دو جوڑے کپڑے اور پھٹے پرانے جوتے تن ڈھانکنے کو دیے اور ملک کے تمام وسائل، راکٹ، میزائل، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم وغیرہ بنانے پر خرچ کر ڈالے۔نتیجہ یہ کہ صرف پچیس سال کی قلیل مدت میں روس دنیا کی عظیم عسکری طاقت بن گیا اور یورپ و امریکہ کے لیے روس کو تسخیر کرنا غیر ممکن ہو گیا۔آج بھی روس کے پاس اتنی بڑی تعداد میں بین البراعظمی میزائل اور نیوکلیئر ہتھیار موجود ہیں کہ وہ یورپ اور امریکہ کو دو تین بار صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہے خواہ وہ خود بھی مکمل طور پر تباہ ہو جائے۔

ترک جہاد کے نتائج

مسلمانوں نے جہاں میدان جہاد کو چھوڑا وہاں دوران امن کے مذکورہ جہاد پر بھی توجہ نہ دی۔ کفار نے مسلمانوں کی توجہ معیار زندگی بلند کرنے کی طرف لگا دی۔ امیر اور غریب مسلم ممالک کی حکومتوں نے اپنی کارکردگی اور سرخروئی کا پیمانہ معیار زندگی بلند کرنے کو بنا لیا۔شان دار شہر تعمیر کیے، سڑکیں بنائیں، عظیم الشان محلات اور عمارات تعمیر کیں، سامان تعیش و آرائش سے شہر اور گھر بھر دیے اور ملک کو شوروم بنا ڈالا۔اس کارکردگی

کو حکمرانوں نے اپنی کامیابی اور عوام دوستی قرار دیا۔ اس کے برعکس ملک کی دفاعی صلاحیت اور قوت میں خودکفیل ہونے پر کسی نے بھی توجہ نہ کی۔ دولت مند مسلم ممالک نے ملک کے دفاع کا ٹھیکہ غیر ملکی دشمنان اسلام کو دے دیا۔ یہ عمل فی الحقیقت ملک کا قبضہ کفار کی تحویل میں دینے کا عمل تھا۔ غیر ملکیوں نے ملک کے تحفظ کے نام پر اپنی فوجیں ان مسلم ممالک میں متعین کر کے ملک کو نہیں بلکہ ملک کے حکمرانوں کو عوام کی بغاوت سے تحفظ فراہم کیا۔ ایسے مسلم ملک کس طرح کفار ممالک کی منشا کے خلاف اقدام اور جہاد کا فریضہ ادا کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ دشمنان اسلام مسلم ممالک کا معیار زندگی بلند کرنے کی بھرپور ہمت افزائی کرتے ہیں کیونکہ اس ذریعہ سے مسلم ممالک کی دولت مغربی ممالک میں منتقل ہوتی ہے۔ لیکن کسی بھی مسلم ملک کو یہ اجازت نہیں کہ وہ جدید سامان حرب بنانے کے کارخانے لگا سکے۔ جو ملک جدید ہتھیار بنانے کی کوشش کرتا ہے اس پر بلا دریغ بمباری کردی جاتی ہے اور اس جارحیت اور غنڈہ گردی کو مغربی ممالک اپنے ملک کے تحفظ کا اقدام قرار دیتے ہیں۔ مسلم ممالک کی یہ مجبوری اور لاچاری نتیجہ ہے اللہ کے اس حکم کو نہ ماننے کا جو حکم حالت امن میں عسکری اور حربی طاقت بڑھانے کے لیے دیا گیا تھا۔ اگر مسلمان صدیوں تک صوفیا کی روحانیت اور اپنے نفس کی شیطانیت کے چکر میں مبتلا نہ رہتے اور اللہ کے حکم کے مطابق جہادی زندگی گزارتے تو مسلمان اس ذلت، تباہی اور بے بسی میں مبتلا نہ ہوتے اور آج مسلمان صف اول کی عسکری طاقت ہوتے۔ مغربی ممالک کے کفاد حکمرانوں کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ مسلم حکمرانوں کو حکم دیں کہ مسلمان قرآن سے سورۃ توبہ اور وہ آیات نکال دیں جن میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے اور یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں کا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان نماز اور خطبہ جمعہ میں مجاہدین کے حق میں اور کفار کے خلاف دعائیہ کلمات کہنا بند کر دیں۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ اس نے بہت پہلے مسلمانوں کو خبردار کر دیا تھا کہ کفار و مشرکین اس وقت تک تمہاری مخالفت سے باز نہ آئیں گے جب تک وہ تمہیں اپنے دین سے دست بردار نہ کروا دیں۔

Marfat.com

زندگی کا ہر عمل ہر سانس عبادت بن جائے گا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے جنات اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ایک اور جگہ ملائک کی عبادت کا بھی ذکر ہوا ہے۔ جس مخلوق کا مقصد تخلیق عبادت ہو اس مخلوق کے لیے عبادت کل وقتی حکم کی حیثیت رکھتی ہے جز وقتی حکم کی نہیں۔ عبادت نام ہے احکام الٰہی کی تعمیل کا۔ اہل ایمان کی زندگی کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ زمین پر غیر اللہ کے احکام و نظام کو ختم کر کے صرف اللہ کے احکام و نظام نافذ کرا دیں۔ اگر انسان اور اہل ایمان اپنی زندگی کے اس مقصد اصلی کی تکمیل کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیں اور خود اپنی زندگی کا کوئی اور مقصد متعین نہ کریں تو اس صورت میں ان کی پوری زندگی اور زندگی گزارنے کا ہر ضروری عمل عبادت بن جائے گا۔ صرف یہی ایک ایسی صورت ہے جس کے ذریعہ اہل ایمان کی پوری کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر ہر لمحہ عبادت کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے۔ جو مسلمان عبادت کی ایسی زندگی گزارے گا وہ زندگی سراسر جہاد فی سبیل اللہ کی زندگی ہوگی اور جہاد صرف میدان جنگ میں لڑنے کا ہی نام نہیں بلکہ جنگ کے لیے تیاری کے تمام امور جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں۔ جہاد کے لیے فرد اور افراد کی جسمانی، شعوری، فکری اور فنی طاقت، صحت اور صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔ ملت کے قوی اور فعال ہونے اور قوی و فعال ہونے کے تمام ذرائع اور اسباب کو قائم اور استعمال کرنے سے ہی جہاد فی سبیل اللہ جاری رکھا جا سکتا ہے۔ ملک و ملت کو قوی اور فعال رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں کو منضبط، فعال اور قوی تر کیا جائے۔ اس لیے دوران امن و جنگ جو شخص مزدوری کرتا ہے وہ بھی جہاد کرتا ہے، جو علمی اور تحقیقی کام اور درس و تدریس میں مصروف رہتا ہے وہ بھی جہاد کرتا ہے۔ جو شخص و اشخاص تجارت، صنعت اور زراعت کے امور انجام دیتا ہے وہ بھی جہاد کرتا ہے اور جو لوگ انتظامی امور میں مصروف رہتے ہیں وہ بھی جہاد کرتے ہیں۔ ان تمام امور کی تکمیل سے ہی ملک و ملت متحد اور قوی ہوتے اور جہاد کے قابل بنتے ہیں۔ غرض یہ کہ زندگی کا ہر جائز کام جہاد اور خالصتاً عبادت بن جاتا ہے بشرطیکہ زندگی کا مقصد و مقصود صرف اللہ کا نظام و احکام پوری دنیا پر نافذ کرانا

Marfat.com

ہو، اگر زندگی کا قبلہ مقصود درست نہ ہو گا تو پھر عبادت بھی بے مقصد، بے روح ہو جائے گی اور زندگی کا ہر عمل بندے کی خواہش کی تکمیل کا عمل بن جائے گا۔

دین اسلام جس کی تخلیق کا مقصد نوع بشر کو اشرف المخلوقات بنا کر اسے خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب جلیلہ پر فائز کرانا تھا۔ خلیفۃ اللہ فی الارض کے مرتبہ پر فائز ہونے کے لیے ضروری تھا کہ اس منصب کا طلب گار خود پر اور روئے زمین کے ہر فرد پر اللہ کے احکام و نظام کو عملاً نافذ کرے۔ اس عظیم مقصد کی تحصیل کے لیے جو دین اللہ نے بنایا اور نوع بشر کو دیا تھا اس دین کو ہم جیسے اہل ایمان نے چند جسمانی اور مالی عبادات تک محدود کر کے ایسے فعال اور متحرک دین کو مفلوج کر دیا۔ ہم صرف نماز، روزے اور حج و زکوٰۃ کو ارکان دین شمار کرتے ہیں۔ ہمارے بچوں کی نصابی کتب میں بھی صرف ان چار ارکان کا اندراج کیا جاتا ہے۔ دین اسلام کے رکن اعظم جہاد فی سبیل اللہ کو ہم رکن دین تسلیم نہیں کرتے یا اس پر توجہ نہیں دیتے۔ اللہ نے تو جنت کے عوض مومنوں کی جان اور مال کا سودا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کیا تھا اور ہم اللہ کو صرف نماز، روزے پر ٹرخا کر جنت حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔ ہماری جان اور مال کا جنت کے عوض سودا کرتے وقت اللہ نے صاف فرما دیا تھا کہ یہ سودا اللہ کی راہ میں لڑنے، قتل کرنے اور قتل ہونے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اللہ نے یہ سودا ہم سے نمازیں پڑھوانے اور روزے رکھوانے کے لیے نہیں کیا تھا، جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کیا تھا۔ ہم جہاد فی سبیل اللہ کا نام بھی نہیں لیتے صرف نمازیں پڑھ کر اور روزے رکھ کر خود کو جنت کا مستحق قرار دے رہے ہیں۔ یہ کھلی بدمعاملگی اور اللہ سے بدعہدی ہے۔ اللہ نے ہمیں دنیا کی عارضی زندگی صرف اپنی فرماں برداری کا عملی ثبوت فراہم کرنے کے لیے بطور امتحان عطا کی تھی اور دنیا کو ہمارے لیے امتحان گاہ بنایا تھا۔ اس امتحان گاہ میں ہماری اطاعت اور حکم برداری کی اصلیت اور حقیقت کو پرکھنے کے لیے اللہ نے نماز روزے کو امتحان کی کسوٹی نہیں بنایا بلکہ جہاد کو ہمارے دین و ایمان اور ہماری اطاعت و فرماں برداری کی کسوٹی بنایا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرما دی ہے:

Marfat.com

سورۃ محمد، آیت :۳۱

ولنبلو نکم حتیٰ نعلم المجٰهدین منکم والصٰبرین ونبلوا اخبارکم

ترجمہ: اور ہم ضرور تم سب کا امتحان لیں گے تاکہ ہم ان لوگوں کو جان لیں جو تم میں جہاد کرنے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں تاکہ تمہاری حالت کا پتہ چل جائے۔

ہم نے اہم ترین بنیادی سنّت چھوڑ دی

مسلمانوں کی نگاہوں سے دین اسلام کا رکن اعظم اوجھل ہوا تو اس مفلوج اسلام کے مطابق مسلمانوں نے سنت رسول ﷺ کا بھی حلیہ بدل ڈالا۔ آج مسلمانوں کی نظر میں صرف مسواک کرنا، ٹخنوں سے اوپر پائنچے رکھنا، بیٹھ کر کھانا پینا، کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا، نکاح کرنا اور احادیث کے مطابق ارکان صلوٰۃ وغیرہ ادا کرنا سنت رسول ﷺ رہ گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وہ سب سے افضل اور اکبر سنت ہمیں نظر نہیں آتی جو آپ ﷺ کی زندگی کے مقصد کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ کون اس حقیقت کا انکار کر سکتا ہے کہ بعثت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بقیہ زندگی کا صرف ایک ہی مقصد رہا اور وہ مقصد تھا اللہ کے احکام و نظام کو نافذ کرانا۔ صرف اس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ نے اپنی پوری زندگی صرف فرما دی۔ متبع سنت صحابہ کرام تھے۔ اصحاب رسول نے اپنی زندگی کا وہی مقصد مقرر کیا جو مقصد حیات رسول اللہ ﷺ کا تھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے اصحاب رسول نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ جب تک ہم بھی اپنی زندگی کا مقصد کلیتاً اس مقصد کو نہیں بنا لیتے جو ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مقصد تھا اور جب تک ہم اپنی زندگی اور اس کی تمام تر توانائیوں کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے وقف نہیں کر دیتے اس وقت تک ہم متبع سنت رسول تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ یہ اتباع سنت کا نہایت مجہول تصور ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مقصد کو تو نہ اپنائیں اور آپ کی زندگی کے چند طریقہ کار کو اپنا کر مدعی بن جائیں کہ ہم سنت رسول کے پابند اور وارث ہیں۔ یہ سہل پسندی کی علامت اور دین

Marfat.com

کے فرائض اور ذمہ داریوں سے فرار کا ایک پُر فریب طریقہ ہے۔

امت مسلمہ نے دوران امن جہاد کے عائد فرائض انجام نہیں دیے اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنی عسکری اور حربی طاقت بڑھانے کی ممکنہ کوشش نہیں کی۔ اللہ کے اس حکم کی نافرمانی کی حتیٰ کہ ہم مستقلاً کمزوری اور ناتوانی میں مبتلا ہوگئے۔ ہماری اس ناتوانی کی ذمہ داری مذکورہ نافرمانی ہے اور ہم اس نافرمانی کا ازالہ ایک اور نہایت بڑی نافرمانی کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے بعض علما نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر مقابلہ پر مسلمانوں سے کئی گنا طاقت ور دشمن ہو اور اس پر فتح پانا ممکن نظر نہ آتا ہو تو اس صورت میں مسلمانوں کا جنگ کرنا جہاد نہیں بلکہ خودکشی ہے۔ اس فتوے کی بنیاد ضعف ایمانی اور طلب دنیا پر ہے اور اس فتوے سے جہاد سے فرار کی راہ نکالی گئی ہے۔ اللہ کا تو واضح حکم یہ ہے کہ:

سورۃ الانفال، آیت: ۱۲

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ جب کافر تمہارے مقابل لشکر لے کر آجائیں تو پیٹھ نہ پھیرو جس نے ایسے موقع پر پیٹھ دکھائی وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

اللہ کے اس حکم میں جنگ کرنے کے لیے صرف ایک شرط رکھی گئی ہے وہ یہ کہ کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں اس کے علاوہ اور کوئی شرط موجود نہیں۔ حملہ آور کی عسکری طاقت کچھ بھی ہو جب وہ لڑنے کے لیے آ گیا تو آپ شکست و فتح اور نتائج سے بے نیاز ہو کر اس سے لڑیں، قتل کریں اور قتل ہوں۔ اللہ کی راہ میں قتل ہونے سے بڑی سعادت اور نعمت اور کوئی نہیں۔ دنیاوی زندگی کے امتحان میں یقینی کامیابی کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اگر اللہ نے آپ کو شہید ہونے کا موقع عطا کیا ہے تو یہ اللہ کا آپ پر بہت بڑا کرم ہے۔ آپ اللہ کا احسان مانیں اور اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اگر آپ نے اللہ کے اس احسان کو ٹھکرا دیا اور راہ فرار اختیار کر لی تو اللہ نے فیصلہ سنا دیا ہے کہ آپ کا یہ عمل آپ کو جہنم میں ڈال دے گا۔ مذکورہ فتوے سے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی مصلحتوں اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دینے کی راہ کھلتی ہے جب کہ یہ مفتی حضرات کم از کم یہ تو تسلیم کرتے ہوں گے کہ حقیقی کامیابی دنیا کی نہیں آخرت کی کامیابی ہے۔

Marfat.com

یہود کی عالمگیر بادشاہت

آج ملت مسلمہ کے سامنے سب سے بڑا اور اہم مسئلہ یہی ہے کہ دوران امن جہاد کی تیاری کے حکم کو نظر انداز کر کے امت مسلمہ عسکری اور حربی اعتبار سے ضعف اور ناتوانی کی جس حد پر پہنچ گئی ہے۔ اس حالت میں ملت اسلامی طاقت ور کفار کے ساتھ کیا معاملہ کرے۔ دشمنان اسلام کی طاقت مسلمانوں کے مقابلہ میں سوگنا زیادہ ہے۔ اگر کفار مسلمانوں پر لشکر کشی کر دیں تو مسلمان ان کا مقابلہ کریں یا ان کے سامنے ہتھیار رکھ کر اطاعت قبول کر لیں۔ اس صورت میں ہمیں اللہ کی اس تنبیہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ کفار تمہاری مخالفت اس وقت چھوڑیں گے جب تم اپنے دین کو چھوڑ دو گے۔ اللہ کی اس تنبیہ کی صداقت کے ثبوت موجود ہیں۔ اسپین میں فرنانڈس نے مسلمانوں سے ہتھیار رکھوا کر انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں دیا۔ مسلمان زن اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا اور صرف انہیں زندہ رہنے دیا جنہوں نے اپنا دین چھوڑ دیا۔ یہی کام آج اسرائیل کر رہا ہے۔ یہ سو فیصد حقیقت ہے کہ اسرائیلی ریاست صرف فلسطین اور اردن تک محدود نہ رہے گی اسرائیلی ریاست کی حدود دریائے نیل سے لے کر دریائے فرات تک قائم کی جائے گی۔ اس ریاست میں مشرقی مصر، شام، لبنان، عراق اور مدینہ منورہ کے علاقے بھی شامل ہوں گے۔ یہ اب کوئی راز نہیں رہا۔ اسرائیل کے مدبرین اپنی تحریروں اور تقاریر میں اس منصوبہ کا اظہار کر چکے ہیں۔ ان کی دیدہ دلیری کا یہ حال ہے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت پر جلی حروف میں کندہ کیا گیا ہے ''اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں''۔

یہود کی موجودہ مذہبی کتاب 'تالمود' میں صاف طور پر لکھا ہے کہ یہود خدا کی اولاد ہیں۔ پوری دنیا یہود کی موروثی ملکیت ہے۔ یہود کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اس پر قبضہ کر لیں۔ پوری دنیا اور تمام غیر یہودی اقوام پر قبضہ کرنا یہود کا مذہبی فریضہ ہے۔ یہودی خفیہ تنظیم کی دستاویز 'پروٹوکول' میں لکھا ہے ''ہم نے جمہوری نظام حکومت تخلیق کیا ہے دنیا کی بادشاہت کے تخت پر بیٹھنے کے لیے''۔ سو سال قبل اس خفیہ دستاویز میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہود یورپ اور امریکہ میں اپنی بالاتر حکومت (Super

Marfat.com

(Government قائم کر چکے ہیں۔ مشہور عیسائی صنعت کار ہنری فورڈ نے تحقیقات کے بعد یہود کے اس دعوے کی تصدیق واقعاتی شہادتوں کے ساتھ کی ہے۔ ہم اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ یورپ اور امریکہ کی حکومتیں یہودی لابی کی وجہ سے یہودی اور اسرائیلی مفادات کی حمایت کرتی ہیں۔ حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کی تمام حکومتیں یہود کی غلام بن چکی ہیں۔ ان میں سے کسی بھی حکومت میں سرتابی کی طاقت نہیں ہے۔ وہ یہود کے حکم اور منشا کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتیں۔ محض اپنی عزت رکھنے اور عوام کو دھوکہ دینے کے لیے ان ممالک کے حکمران کبھی کبھی اسرائیل کی مخالفت یا مذمت کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو اچھی طرح یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہود کے منصوبوں کے پشت پر یورپ اور امریکہ کی پوری طاقت موجود ہے۔ اپنے منصوبہ کے مطابق یہود یورپ اور امریکہ کی حکومتوں اور عوام کی زندگی سے عیسائی مذہب خارج اور غیر مؤثر کروا چکے ہیں۔ عیسائیت اب محض چند رسومات تک برائے نام رہ گئی ہے۔ اس کا تعلق زندگی کے معاملات سے ختم ہو چکا ہے۔ دنیا میں اب صرف امت مسلمہ وہ واحد امت رہ گئی ہے جس کی الہامی کتاب محفوظ ہے اور جو اپنی الہامی کتاب کی پیروی کرنا چاہتی ہے۔ امت مسلمہ آج بھی اسلامی نظام حکومت و معاشرت کو قابل عمل باعث خیر اور زندگی کے ہر شعبہ کے لیے مفید تر سمجھتی ہے۔ اس صورت میں یہود اور ان کے غلام کفار کے لیے امت مسلمہ کو دین اسلام سے دست بردار کرانا ناگزیر ہو گیا ہے۔

نجات اللہ سے غداری میں ہے یا وفاداری میں؟

مسلمانوں کے مقابل کفار کی طاقت کا غیر معمولی حد تک زیادہ ہونا اب ایک مستقل مسئلہ بن چکا ہے۔ طاقت کے اس غیر موافق توازن کا مستقبل قریب میں خاتمہ ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ اس صورت میں ملت مسلمہ کے پاس دو ہی راہ عمل ہیں۔ یا تو نتائج سے بے نیاز ہو کر اللہ کے حکم کی تعمیل میں لڑنے مرنے اور مارنے پر کمر بستہ ہو جائیں اور دشمن کو جس قدر نقصان پہنچا سکتے ہیں پہنچاتے رہیں۔ طاقت کی برتری کے باوجود مشترکہ دشمن کے لیے یہ غیر ممکن ہے کہ وہ مسلم غداروں کے بغیر کروڑوں مربع میل علاقہ پر آباد ایک ارب

مسلمانوں پر مستقلاً قبضہ قائم رکھ سکے۔ اس صورت میں گوریلا جنگ برسوں جاری رکھی جاسکتی ہے اور منافق غدار مسلمانوں کے خلاف بھی اللہ کے حکم کے مطابق جنگ کر کے انہیں کیفرکردار تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ اس جنگ سے مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصانات ہوں گے لیکن دشمنان اسلام بھی ایسے نقصانات سے محفوظ نہ رہ سکیں گے اور یہ مصدقہ حقیقت ہے کہ کافر موت سے بہت ڈرتے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے اللہ کی راہ میں جان دینا ابدی کامیابی اور کامرانی کا ذریعہ ہوتا ہے اور کافر کے لیے جان دینے کا مطلب سب کچھ کھو دینا اور زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے محروم ہو جانا ہے۔

قدرت اور طاقت کا یہ منظر بھی دیکھ لیں

دوسری راہ عمل یہ ہے کہ کفار کی طاقت کے سامنے مسلمان ہتھیار رکھ کر مطیع ہو جائیں۔ یہ اطاعت اللہ سے بغاوت کر کے ہی کی جاسکتی ہے۔ اس بغاوت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اللہ کی طاقت اور قدرت پر بندوں کی طاقت اور قدرت کو فوقیت دی اور ہم نے اللہ کو تمام طاقتوں کا سرچشمہ، پوری کائنات کا خالق و مالک اور قادر مطلق تسلیم کرنے سے عملاً انکار کر دیا۔ اگر حقائق کی بنیاد پر ریاضی کے اصول کے مطابق ہم کفار کی تباہ کن طاقت اور اللہ کی طاقت کا موازنہ کریں تو ہمیں ان دونوں طاقتوں کے درمیان اتنا بڑا فرق نظر آئے گا کہ تناسب کی کوئی بنیاد قائم نہ ہو سکے گی۔ جو لوگ فراعین عصر کی ظاہری طاقت سے مرعوب ہو کر حقائق بینی کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اللہ کی طاقت اور اس کی قدرت پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ آج جو فرعون زمین کے جن چند خطوں پر اپنی عارضی اور مصنوعی طاقت کے گھمنڈ میں اچھلتے پھر رہے ہیں وہ خطے کرہ ارض کا ایک حصہ ہیں۔ کرہ ارض نظام شمسی کا ایک حصہ ہے۔ زمین کے علاوہ چار زمین سے کچھ چھوٹے اور چار زمین سے بہت بڑے سیارے بھی نظام شمسی کا حصہ ہیں۔ زمین کا قطر آٹھ ہزار میل ہے اور سورج کا قطر ساڑھے آٹھ لاکھ میل ہے یعنی زمین کے حجم سے کئی ہزار گنا زیادہ سورج کا حجم ہے۔ نظام شمسی کا دور افتادہ سیارہ پلیٹو ہے جو سورج کے مرکز سے ساڑھے تین ارب میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس طرح نظام شمسی کا قطر سات ارب میل بنتا

Marfat.com

ہے۔ کہکشاں کے ایک دور افتادہ ستارے سہیل کا قطر سات ارب میل ہے۔ اس کی روشنی اور حرارت سورج سے اسی ہزار گنا زیادہ ہے۔ پورا نظام شمسی سورج اور اس کے نو طفیلی سیاروں اور ان کی گردش کے خلائی علاقہ سمیت یہ سب صرف ایک سہیل ستارے میں سما سکتے ہیں۔ یہ سورج آزاد نہیں ستاروں کے ایک جھنڈ کی کشش ثقل کا پابند ہے جسے الجاثی کہا جاتا ہے۔ سورج الجاثی ستاروں کے گرد آٹھ کروڑ سال میں ایک طواف مکمل کرتا ہے۔ گویا سورج کا ایک سال زمین کے آٹھ کروڑ سال کے برابر ہے۔ کہکشاں میں لاتعداد نظام شمسی موجود ہیں۔ ایک ستارے سے دوسرے ستارے تک کا فاصلہ ناپنے کے لیے نوری سال کا پیمانہ بنایا گیا ہے۔ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار میل کا سفر طے کرتی ہے۔ ایک منٹ میں ایک کروڑ اسی لاکھ میل ایک گھنٹہ میں ایک ارب آٹھ کروڑ میل اور ایک دن یعنی چوبیس گھنٹوں میں پچیس ارب بانوے کروڑ میل کا سفر طے کرے گی۔ اب اسے سال کے تین سو پینسٹھ دن سے ضرب دیجئے جو حاصل ضرب ہوگا وہ ایک نوری سال کے مساوی فاصلہ ہوگا۔ یہ گویا کائنات کے فاصلے ناپنے کا ایک پیمانہ اور اکائی ہے۔ جدید سیارہ بیں کے ذریعہ اب تک جس دور افتادہ ستارے کو دیکھا جا سکا ہے وہ دس کروڑ نوری سال کے فاصلہ پر ہے۔ یعنی سیارہ بیں کے عدسہ پر اس ستارے کا جو عکس آج منعکس ہوا ہے وہ عکس دس کروڑ سال قبل اس سیارہ سے چلا تھا۔ اس طرح آج ہم دس کروڑ سال قبل کے ماضی کو دیکھ رہے ہیں۔ ہماری کہکشاں بے شمار ستاروں اور سیاروں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کا فاصلہ بھی کروڑوں نوری سال ہے۔ اس سے ہماری کہکشاں کی وسعت کا اندازہ لگائیے۔ لیکن ٹھہریے ابھی کائنات کی وسعت کا اندازہ نہیں لگایا گیا۔ کائنات میں صرف ہماری ہی کہکشاں نہیں بلکہ ہزاروں کہکشائیں اور بھی ہیں۔ ان کہکشاؤں میں سے کون کتنی وسیع ہے اور کس کہکشاں میں کتنے ستارے ہیں اس کا اندازہ کبھی بھی نہ لگایا جا سکے گا۔ کائنات کی وسعت و عظمت کے یہ حقائق و مشاہدات نہایت وحشت ناک اور عقل کو ماؤف کر دینے والے ہیں۔ اس ناقابل قیاس وسیع کائنات میں ہماری زمین کا تناسب بلامبالغہ زمین کے حجم کے مقابلہ میں ریت کے ایک ذرے کے برابر ہے۔ اس ذرے پر پوری نوع بشر آباد ہے اور اس کے دماغی

Marfat.com

فتور کا یہ حال ہے کہ وہ اس کائنات کے خالق و مالک کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس کی طاقت اور قوت کے مقابلہ میں انسان کی طاقت کا لوہا مانتی اور منواتی ہے۔ ہم نے سطور بالا میں جو حقائق بیان کیے ہیں وہ الہامی کتب سے ماخوذ نہیں بلکہ انسانی مشاہدات اور جدید سائنس سے اخذ کیے گئے ہیں۔ جب انسان کا ذاتی علم و مشاہدہ کائنات کی وسعت کا یہ حیران کن نقشہ پیش کرتا ہے تو پھر خالق کائنات کے مقابلہ میں حقیر انسانوں کی طاقت کو ترجیح اور اہمیت دینا دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر مادی اور ریاضی کی بنیاد پر طاقت اور قدرت کے تناسب اور ترجیح کا فیصلہ کرنا ہے تو ان مادی حقائق کو نظر انداز کیوں کیا جاتا ہے۔ خوف اس قوی و قادر سے آنا چاہئے جو اس عظیم کائنات کا خالق و مالک ہے۔

ہم پر صرف حکم کی تعمیل فرض ہے

عبد اور غلام کا کام صرف اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔ تعمیل حکم کے نتائج پر غور کرنا نہیں۔ نتائج کی تمام تر ذمہ داری اس آقا کی ہے جس نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر صرف احکام کی تعمیل فرض کی ہے۔ کامیابی اور بہتر نتائج حاصل کرنے کی ذمہ داری اہل ایمان پر عائد نہیں کی۔ اگر اللہ کے حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں ملک تباہ ہوتا ہے تو سو بار تباہ ہو جائے۔ اگر خلق خدا ہلاک ہوتی ہے تو ہزار بار ہلاک ہو جائے۔ ملک کی فکر وہ کرے جو مالک الملک ہے۔ انسانی جانوں کا خیال اسے ہونا چاہئے جو مالک الناس ہے۔ آپ نہ مالک الناس ہیں اور نہ مالک الملک پھر آپ کا اس سے کیا واسطہ کہ ملک کا کیا بنے گا اور مخلوق پر کیا گزرے گی۔ آپ کا کام تو حکم کی تعمیل کرنا ہے۔ اگر تعمیل حکم میں آپ کی جان جاتی ہے تو آپ کی جان کی اس سے زیادہ آپ کو قیمت نہیں مل سکتی کہ وہ جان جو بہر حال جانی ہے۔ اس جان کو دے کر آپ مالک کائنات کی خوشنودی حاصل کرلیں اور آپ کی ابدی زندگی کامیاب و کامران ہو جائے۔ اگر آپ اپنے رب کی نافرمانی کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کریں گے تو یہ آپ خود کو دھوکا دیں گے۔ جان تو ٹھیک اس لمحہ یقیناً چلی جائے گی جو وقت اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ آپ موت کے خارجی

Marfat.com

اسباب سے ممکن ہے تحفظ حاصل کرلیں لیکن یہ سائنٹیفک حقیقت ہے کہ خود آپ کے جسم کے اندر موت کے سیکڑوں اسباب موجود ہیں جب کہ زندگی کا صرف ایک ہی سبب ہے یعنی منشا الٰہی جس پر آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ آپ کی زندگی کا واحد سبب وہ پہلا سانس ہے جو آپ نے پیدا ہونے کے بعد بلا قصد اور بلا ارادہ محض اللہ کے حکم کی بنا پر لیا تھا۔ پہلے سانس کے بعد سانسوں کا جو سلسلہ قائم ہوا وہ نہ آپ کے عزم وارادہ کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور نہ ہی آپ میں یہ قدرت ہے کہ اس سلسلہ کو حسب منشا قائم رکھ سکیں۔ زندہ رہنے کا تو صرف یہی ایک سبب ہے لیکن موت کے سیکڑوں اسباب ہیں اور ہر صورت میں موت کا عمل داخلی نوعیت کا ہوتا ہے۔ آپ موت کے خارجی اسباب سے پورا پورا تحفظ حاصل کرلیں لیکن موت کے ان سیکڑوں اسباب کا مداوا کیسے کریں گے جنہیں آپ ہر وقت اور ہر جگہ اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ اگر زندگی اور موت آپ کے اختیار میں نہیں تو یہ سراسر حماقت ہے کہ آپ موت سے فرار حاصل کرنے کے لیے اس قادر مطلق کی نافرمانی کا ارتکاب کریں جس کے قبضہ میں آپ کی زندگی اور موت ہے۔ ایسا فیصلہ کوئی پاگل دانشور ہی کرسکتا ہے۔

اگر آپ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں تو ایمان کی حد تک یقین کے ساتھ آپ کو درج ذیل حقائق کو تسلیم کرنا پڑے گا:

۱۔ کائنات اور بالائے کائنات ہر شے اور ہر مخلوق کا واحد خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے وہی قادر مطلق اور معبود برحق ہے۔

۲۔ انسان اور جنت و دوزخ غیر فانی ہیں جب کہ کائنات اور اس کی ہر شے فانی ہے۔

۳۔ غیر فانی جنت میں آدم سے اللہ کی نافرمانی کا ایک عمل سرزد ہوا اور آدم اور اولاد آدم کی فرماں برداری مشکوک ہوگئی۔ اللہ نے آدم کی لافانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک مختصر حصہ اس لیے مختص کیا گیا کہ آدم اور اولاد آدم اس مختصر ترین حصۂ زندگی میں اپنی فرماں برداری کا عملی ثبوت فراہم کرے۔ اس امتحان کے لیے فانی دنیا کو امتحان گاہ بنا کر آدم کو جنت الفردوس سے کرہ ارض

Marfat.com

پر پہنچا دیا گیا۔

۴۔ اس فانی دنیا کی مختصر زندگی کا **واحد** مقصد یہ ہے کہ اولاد آدم اپنی فرماں برداری کا عملی ثبوت فراہم کر کے **اپنی بقیہ** لافانی زندگی کو جنت الفردوس میں گزار دے۔ جو اس امتحان میں **اپنی** فرماں برداری کا ثبوت فراہم نہ کرے گا وہ خود اپنے لیے ابدی جہنم مختص کر لے گا۔

۵۔ اللہ کی فرماں برداری کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے اللہ نے امتحانی پرچہ کی طرح ایک ہدف رکھ دیا ہے کہ اولاد آدم اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام و نظام کا نفاذ کرائے۔ یہ کام اور یہ مہم فی الحقیقت اللہ کی فرماں برداری کا ثبوت فراہم کرنے سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ جو شخص اس فانی مختصر دنیاوی زندگی کا اللہ کے مقرر کردہ مقصد سے ہٹ کر کسی اور مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے گا وہ صریحاً گمراہ ہو جائے گا۔ اس کی یہ عارضی زندگی بے مقصد اور زندگی کے اصل مقصد سے بے تعلق ہو گی۔

۶۔ عارضی اور مختصر زندگی کے مقابلہ میں دائمی زندگی اور اس کی کامیابی کو فوقیت اور اہمیت حاصل ہے۔ جو شخص اپنی دائمی زندگی کی کامیابی پر اپنی مختصر فانی زندگی کو فوقیت دے گا وہ یا تو پاگل ہو گا یا پھر اس کا ایمان یوم حساب اور آخرت کی ابدی زندگی پر نہ ہو گا۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جب بھی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کرے تو ان ناقابل تردید حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے۔ یہ سوچ لیے کہ میں اس فانی دنیا میں مختصر وقت کے لیے صرف امتحان دینے آیا ہوں یہ دنیا امتحان گاہ ہے میری قیام گاہ نہیں ہے۔ میرے ابدی قیام کے لیے لافانی جنت اور دوزخ بنائی گئی ہے۔ میں اس عارضی مختصر زندگی میں کامیاب ہو گیا تو میرا لافانی اور ابدی ٹھکانا جنت الفردوس ہو گی بصورت دیگر جہنم اور اس کی لافانی آگ میری ابدی زندگی کا مستقر بنے گی۔

اگر آپ ان ناقابل تردید حقائق کو سامنے رکھ کر سو گنا طاقت ور دشمن سے لڑنے یا نہ لڑنے کا فیصلہ کریں گے تو آپ کا فیصلہ آپ کے ایمان کی کیفیت کو ظاہر کر دے گا۔ اگر

Marfat.com

ایمان پختہ ہے تو آپ بلا تردد اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنی جان مال کو قربان کر ڈالیں گے اور زندگی کے امتحان میں کامیابی کی سند لے لیں گے اور اگر ایمان پختہ نہیں تو ان تمام حقائق کو تسلیم کرنے کے باوجود آپ ملک وقوم کی فکر اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان ومال کی فکر میں مبتلا ہوکر جہنم کی ابدی زندگی قبول کرلیں گے۔ ایسے موقعوں پر اہل ایمان کے انداز فکر کی عکاسی اللہ تعالیٰ نے کتنے لطیف اور بلیغ انداز میں فرمائی ہے:

سورۃ توبہ، آیت: ۵۲

ترجمہ: (اے اہل ایمان کافروں سے کہہ دو) تم ہمارے معاملہ میں جس چیز کے منتظر ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی (یعنی فتح یا شہادت ہے) اور ہم تمہارے معاملہ میں جس چیز کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ خودتم کو سزا دیتا ہے یا ہمارے ہاتھ سے دلواتا ہے۔

ظاہر ہے مسلمان جب اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے تو انہیں یا تو فتح حاصل ہوگی یا شہادت نصیب ہوگی اور جنگ کے یہ دونوں نتائج مسلمانوں کے حق میں خیر کثیر کے حامل ہوتے ہیں۔ مسلمان کی زندگی کا سب سے بڑا انعام اور سب سے بڑی کامیابی شہادت ہے۔ جنگ میں خواہ شکست ہوجائے لیکن اہل ایمان کو شہادت کی نعمت شکست کی صورت میں بھی مل جاتی ہے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل میں فائدہ ہی فائدہ ہے نقصان قطعاً نہیں ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی پوری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد مقرر کیا ہے اور وہ مقصد ہے اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام ونظام کو نافذ کرنا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے مومن کی زندگی سرتاپا جہاد فی سبیل اللہ کی زندگی ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن میں جہاد فی سبیل اللہ پر جس قدر زور دیا گیا ہے کسی اور فرض کی تکمیل پر اس قدر زور نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ تارک جہاد کو منافق اور کافر قرار دیتا ہے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھنے سے منع فرماتا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ منافقوں کے خلاف بھی جہاد وقتال کرو وہ مسلمان نہیں کافر ہیں۔ جب بھی کافر مسلمانوں پر لشکرکشی کردیں تو پوری ملت پر غیر مشروط جہاد فرض ہوجاتا ہے۔ ایسی حالت میں جنگ سے فرار کرنا کفر ہے اور مفرور ابدی جہنم کا مستحق ہوگا۔ اگر مسلمانوں کا چھوٹا سا گروہ کافروں کے نرغہ میں پھنس جائے اور کافران پر

ظلم وستم کرنے لگیں تو تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس مجبور اور مظلوم گروہ کو کفار کے نرغہ سے آزاد کرائیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ ملاحظہ ہو:

سورۃ النساء، آیت: ۷۵

ترجمہ: مسلمانوں تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد، کتنی ہی بے بس عورتیں اور کتنے بچے ہیں جو فریاد کر رہے ہیں (کہ) اللہ اس بستی سے جہاں کے رہنے والوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے نجات دلا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنادے اور کسی کو مددگاری کے لیے کھڑا کردے۔

جہاد کی صرف ایک ہی صورت مشروط ہے اسے اصطلاحاً 'اقدامی جہاد' کہہ سکتے ہیں۔ یہ جہاد مسلمانوں کے غلبہ اور شوکت اسلام کے قیام کے لیے اس وقت کیا جاتا ہے جب مسلمان عسکری اور حربی طاقت کے لحاظ سے کفار کے مقابلہ میں قوی تر ہوں اور ان پر غلبہ وتسلط حاصل کرنا ممکن ہو۔ شوکت اسلام قائم ہونے سے اردگرد کے کفار ممالک پر ذہنی مغلوبیت طاری ہوتی ہے اور وہ اسلام کی طرف راغب اور متوجہ ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ آج مغربی ممالک کی شوکت اور برتری سے مغلوب ہو کر مسلمان ذہنی مغلوبیت میں مبتلا ہوگئے ہیں اور بلا سوچے سمجھے ان کی تقلید کرنے لگے ہیں۔ جہاد کی صرف اس قسم کے لیے طاقت کے توازن کی شرط لگائی گئی ہے باقی اور صورتوں میں جہاد کے لیے کوئی شرط نہیں لگائی گئی۔ حملہ آور خواہ طاقت ور ہو یا مساوی طاقت کا حامل ہر حال میں اس سے لڑنا فرض ہے۔

ایک نظر اپنی زندگی پر بھی ڈال لیں

آخر میں راقم قارئین سے مخاطب ہو کر یہ درخواست کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اور اس کی مصروفیات کا جائزہ لے کر فیصلہ کریں کہ اللہ نے آپ کی زندگی کا جو مقصد مقرر کیا ہے اور جس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ کو اس دنیا میں مختصر مدت کے لیے بھیجا گیا ہے کیا آپ نے اپنی زندگی اس مقصد کے لیے وقف کر دی ہے یا آپ کے سامنے آپ کی

زندگی کا وہ مقررہ مقصد رہا ہے؟ کیا آپ نے اپنی زندگی کا قبلہ مقصود درست کرلیا ہے؟ کیا آپ ہر روز اس مقصد کی تکمیل کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوشش کرتے ہیں؟ کیا آپ کے روز وشب کا ایک حصہ باقاعدگی سے اس مقررہ مقصد کی تکمیل میں خرچ ہوتا ہے؟ کیا آپ کی زندگی کے تمام معاملات اور معمولات اس مقصد حیات کے تابع اور زیر اثر ہیں؟ کیا آپ نے اپنی اولاد اور متعلقین کو یہ بتادیا ہے کہ ان کی زندگی کا بنیادی مقصد ومصرف اللہ کے دین کو تمام دنیا پر نافذ کرنا ہے؟ آپ نے اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے تعلیمی اور معاشی منصوبے ضرور بنائے ہوں گے۔ کیا آپ نے ان منصوبوں کو مذکورہ مقصد حیات سے مربوط اور ہم آہنگ کردیا ہے؟ اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے تو آپ یقین کرلیں کہ آپ نے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی ضائع کردی اور اپنی آخرت کو تباہ کرلیا۔ آپ کسی مُلّا کے مذہب کو غلطی سے دین اسلام سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسلام چند عبادات کا مجموعہ نہیں عالمگیر نظام کی ہمہ گیر تحریک ہے اور اس تحریک کا قرآنی نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جب تک آپ کی زندگی کا قبلہ مقصود درست نہ ہوگا اور جب تک اللہ کا مقرر کردہ مقصد حیات آپ کے ذہن وقلب اور آپ کی زندگی کے معمولات پر مسلط نہ ہوگا نہ آپ مومن کامل بن سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی زندگی کا حق ادا کرسکتے ہیں خواہ آپ زندگی بھر نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے اور طواف کعبہ کرتے رہیں۔ اللہ کو ایسی نمازیں اور عبادات مرغوب ہیں جنہیں آپ اللہ کے مقرر کردہ مقصد حیات کی جہد تکمیل کے دوران ادا کریں۔ جب آپ اللہ کا مقرر کردہ مقصد حیات ہی چھوڑ دیں گے تو پھر آپ کی عبادات میں حیات اور زندگی کی لہر کیسے پیدا ہوسکے گی۔ اب بھی وقت ہے آپ سنبھل جائیں اور اپنی بقیہ زندگی کو اس مقصد حیات کی تکمیل پر لگادیں جو مقصد حیات اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ یقین کریں جہنم بہت بری جگہ ہے اور آپ نے زندگی کا جو راستہ اختیار کیا ہے وہ سیدھا جہنم کو جاتا ہے۔ اللہ آپ کو خود فراموشی اور دنیا کے سحر سے نجات دے اور آپ کا ذہن وقلب اپنے مقصد حیات سے کبھی غافل نہ ہوسکے، آمین۔

❁

قرآن کے طفیل

سابق صحف سماوی میں بھی توحید کا درس دیا گیا تھا اور سابق انبیاء کرام بھی اپنی قوم اور امت کو یہی درس دیتے رہے کہ خدائے واحد و لاشریک کے علاوہ نہ کوئی کارساز ہے، نہ مشکل کشا، نہ خالق ہے نہ رازق و مالک۔ فی الحقیقت شرک ایک ایسی فکری اور عملی بنیاد ہے جو الہامی اور غیر الہامی مذاہب کے درمیان خط امتیاز اور حد فاصل قائم کر دیتی ہے۔ مشرکانہ مذاہب میں ایک خدائے برتر کا تصور قبول کرنے سے اس کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خدائے واحد و برتر کے وجود کو تسلیم کرنے کے باوجود مشرکانہ مذاہب مشرکانہ ہی رہتے ہیں۔ لیکن الہامی مذہب ایسا خالص ولطیف مذہب ہے کہ اگر اس میں شرک کی ذرا سی بھی نجاست شامل ہو جائے تو الہامی مذہب اپنی اصلیت اور اپنی ماہیئت کھو بیٹھتا ہے۔ تمام سابق امتوں نے اپنے الہامی مذہب کی قلب ماہیئت شرک کی آمیزش سے ہی کی اور بالآخر ان کا مذہب کلیتاً مشرکانہ مذہب بن گیا۔ یہود نے پوری نسل یہود کو خدا کی اولاد قرار دیا اور خدا کی ارضی املاک اور غیر یہودی نسل کے افراد کو اپنے خدا باپ کی میراث قرار دے کر اپنے مذہب کا مقصد و مقصود پوری دنیا اور ساری نوع بشر پر قبضہ کرنا قرار دے دیا۔ نصاریٰ نے اپنے نبی کو خدا کا بیٹا بنا ڈالا اور اقانیم ثلاثہ کے مشرکانہ عقیدہ پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ دی۔ اس طرح سابق امتوں کا الہامی مذہب کلیتاً مشرکانہ مذہب بن گیا۔ یہود و نصاریٰ کا الہامی مذہب کلیتاً مشرکانہ مذہب نہ بنتا اگر ان کی الہامی کتب اپنی اصل حالت میں رہتیں۔ اصل الہامی کتب کی موجودگی میں یہ تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کے کچھ افراد اور طبقات کی طرح گمراہ ہو کر کچھ لوگ مشرکانہ عقائد اختیار کر لیتے لیکن ایسا قطعاً نہ ہوتا کہ پوری امت کلیتاً مشرکانہ مذہب اختیار کر لیتی۔ پوری امت کے مشرک ہو جانے کا ایک ہی سبب ہے۔ وہ یہ کہ یہود اور نصاریٰ نے اللہ کے احکام اور شریعت کی پابندیوں

Marfat.com

سے گلوخلاصی کے لیے اپنی الہامی کتب کو متغیر اور نابود کر دیا اس کے بعد ان کے عقائد اور اعمال پر احکام الٰہی کی گرفت کا کوئی حتمی ذریعہ نہ رہا اور یہ لوگ خود ساختہ عقائد کو اپنا دین بنا بیٹھے۔

اگر قانون موجود نہ ہو تو قانون شکنی اور قانون کی خلاف ورزی کا عمل وجود میں نہیں آسکتا۔ سابق الہامی کتب کے متغیر، غیر معتبر اور نابود ہو جانے کے بعد روز حساب لوگ یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ جب اللہ کا قانون ہی نہ رہا تو ہم کس قانون کی پیروی کرتے اس لیے ہم نے اگر اپنی صوابدید پر عمل کیا تو گناہ نہ کیا۔ اس عذر کو ختم کرنے کے لیے رب کائنات نے اپنی آخری کتاب ہدایت نازل فرمائی اور پہلی بار یہ بھی کیا کہ اس آخری کتاب کے متن کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔ الہامی کتب کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ پچھلی الہامی کتب میں سے کوئی بھی کتاب اپنی اصل حالت میں پانچ سو سال بھی قائم نہ رہ سکی لیکن اللہ کی یہ آخری کتاب پچھلے چودہ سو سال سے اپنے اصل متن وحی پر قائم ہے اور تا قیامت قائم رہے گی۔ قرآن کے طفیل تمام اقوام عالم پر امت مسلمہ کو یہ امتیاز و فضیلت حاصل ہوئی کہ آج دنیا میں امت مسلمہ وہ واحد امت ہے جس کے پاس کلام ربانی اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ قرآن کے طفیل ہی امت مسلمہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آج توحید خالص کی علمبردار صرف امت مسلمہ ہے۔ دنیا میں کوئی بھی ایسی امت موجود نہیں جو شرک کے خلاف نہایت شدومد کے ساتھ آواز بلند کرتی اور توحید خالص کا درس دیتی ہو۔ یقیناً مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ مشرکانہ عقائد رکھتے اور مشرکانہ اعمال کرتے ہیں لیکن دوسری امتوں کی طرح امت مسلمہ نہ کلیتاً مشرک ہوئی ہے اور نہ ہی اس نے اپنے دین کو کاملاً مشرکانہ دین بنا دیا ہے۔ بحمد للہ آج بھی امت مسلمہ کا بڑا حصہ توحید خالص پر قائم ہے اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد راسخ العقیدہ ہے۔ یہ تمام اعزازات اور شرف صرف قرآن کے طفیل امت مسلمہ کو حاصل ہوئے ہیں۔

قرآن کے طفیل اہل ایمان پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ کائنات فانی اور نوع بشر لافانی ہے۔ خالق کائنات نے آدم کو فانی زمین پر نہیں لافانی عالم جبروت میں پیدا کیا تھا اور ملائک سے آدم کو تعظیمی سجدہ کروا کر رب کائنات نے واضح کر دیا تھا کہ نوع بشر اشرف المخلوقات ہے۔ عالم جبروت میں آدم سے اللہ کی نافرمانی کا گناہ صادر ہوا اور اس

Marfat.com

کی فرمانبرداری مشکوک ہوگئی۔ اللہ نے آدم کی حیات جاوداں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ آدم کی زندگی کا ایک مختصر ترین حصہ فرمانبرداری کا عملی ثبوت فراہم کرنے کے لیے مختص کیا گیا اور کرۂ ارض کو امتحان گاہ بنا کر آدم کو فرمانبرداری کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے اس امتحان گاہ میں اتار دیا گیا۔ بہشت کی ابدی زندگی میں آدم سے فرمانبرداری کا ثبوت طلب نہ کیا گیا تھا اس لیے وہاں آدم کو اللہ کے احکام و فرمان نہ دیے گئے بجز اس کے کہ آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، کھاؤ پیو صرف شجر ممنوع سے مجتنب رہو۔ لیکن آدم کو ارضی زندگی تو فرمانبرداری کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ہی دی گئی تھی اس لیے اسے نہ صرف متعدد احکام دیے گئے بلکہ پورا نظام حیات بھی مرتب کر کے دے دیا گیا اور اس نظام حیات کا مقصد بھی مقرر کر دیا گیا۔ آدم اور اولاد آدم کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ تمہارا کام صرف احکام الٰہی کی تعمیل کرنا ہے۔ تعمیل حکم کے نتائج کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ یہ تمہارا کام نہیں کہ تم یہ سوچو اور تردد کرو کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نتائج ہر حالت اور ہر صورت میں اللہ کے اختیار اور قبضہ میں ہیں۔ وہ جب بھی جو چاہتا ہے وہ نتیجہ پیدا کر دیتا ہے۔ تم اس دنیا میں صرف اور صرف اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کا امتحان دینے کے لیے بھجوائے گئے ہو۔ تمہاری ارضی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ تم اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا ثبوت فراہم کر دو۔ جو شخص فرماں برداری کا عملاً ثبوت فراہم کر دے گا اس کی بقیہ ابدی زندگی ابدی جنت میں گزرے گی اور جو ایسا نہ کرے گا وہ اپنی ابدی زندگی جہنم میں گزارے گا جہاں اس کی ایک ہی تمنا ہوگی کہ کسی طرح اسے موت آ جائے لیکن اسے کبھی بھی موت نصیب نہ ہوگی۔ اس وضاحت کے بعد صرف وہ لوگ صاحب ایمان اور دانشور قرار دیے جا سکتے ہیں جو اپنی ارضی زندگی کو اپنی فرماں برداری کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے وقف کر دیں اور اگر خوش قسمتی سے انہیں اللہ کی فرماں برداری میں اپنی جان دینے کا موقع میسر آ جائے تو وہ سمجھ لیں کہ از روئے قرآن اللہ کی فرماں برداری کی سند دنیا میں ہی حاصل کر لینے کا صرف یہی واحد ذریعہ اور طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دی جائے۔ جو اللہ کی راہ میں جان دے دیتا ہے اسے حشر تک مردہ رہنے اور یوم حساب کا انتظار کرنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ جوں ہی وہ اللہ کی راہ میں قتل ہوتا ہے اسی لمحہ وہ حیات جاوداں پا لیتا اور اپنے معبود کے دامن رحم و کرم میں پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کے طفیل

Marfat.com

امت مسلمہ کو شوق شہادت حاصل ہوا۔ شوق شہادت جہاد فی سبیل اللہ کا روح رواں اور قوت محرکہ بنا اور صرف پچیس سال کی قلیل مدت میں امت مسلمہ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اور سیاسی قوت کی مالک ہوگئی۔ شوق شہادت امت مسلمہ کا طرۂ امتیاز بن گیا اور پوری دنیا میں امت مسلمہ ایک ایسی امت کی حیثیت سے مشہور ہوگئی جس میں شوق شہادت پایا جاتا ہے اور جس کے لاکھوں افراد زندہ رہنے پر اللہ کی راہ میں جان دے دینے کو ترجیح دیتے رہے ہیں اور آج بھی ترجیح دیتے ہیں۔

قرآن کے طفیل خالق کائنات کی تلاش کا سلسلہ ختم ہوا۔ خالق ومخلوق، عابد و معبود کے درمیان دوری ختم ہوئی۔ قرآن نے اہل ایمان کو مقصد حیات دیا اور نفس کی اس گمراہی کا سد باب کیا جس گمراہی اور فریب میں مبتلا ہو کر لوگ اپنے رب کی تلاش میں اپنی زندگیاں تباہ کر دیتے تھے اور ان کے سامنے وہ مقصد حیات نہ رہتا تھا جس مقصد حیات کی تکمیل سے انسان کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا بلند مرتبہ نصیب ہوسکتا ہے۔ قرآن کے ذریعہ رب العالمین نے اولاد آدم پر واضح کر دیا کہ وہ ہر کافر اور مسلمان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے۔ قربت کی یہ ایسی انتہا ہے جس پر ایمان رکھنے کے بعد نہ اللہ کو تلاش کرنے کی حاجت رہتی ہے اور نہ ہی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کسی وسیلہ کی گنجائش پیدا ہوسکتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا جہاں تم دو ہوتے ہو وہاں تیسرا میں ہوتا ہوں، جہاں تم تین ہوتے ہو وہاں چوتھا میں ہوتا ہوں۔ تم مجھے زور سے پکارو یا دل میں ہی آواز دو میں تمہاری بات سنتا ہوں۔ اللہ نے اپنے بندوں سے اس قدر قرب کا اظہار اس لیے کیا کہ اس کے بندے اللہ کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے کی حماقت میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی اور توانائی کو ضائع نہ کریں اور اپنی تمام تر توجہ اور توانائی اللہ کے مقرر کردہ مقصد حیات کی تکمیل پر صرف کر کے اللہ کی فرمانبرداری کا ثبوت فراہم کردیں۔ یہی ان کی ارضی زندگی کا مقصد اصلی ہے۔

قرآن کے طفیل اولاد آدم کو اپنی تخلیقی حیثیت اور اپنی نوع کے مقام کا علم ہوا۔ الہامی کتب کو متغیر کر کے سابق امتوں اور مشرک اقوام نے اولاد آدم کو گناہوں کا پتلا، پیدائشی نجس اور ابلیس زدہ قرار دے دیا تھا۔ اللہ نے قرآن کے ذریعہ اعلان کیا کہ میں نے بہترین تقویم پر انسان کو تخلیق کیا ہے۔ انسان کو بہترین تقویم پر پیدا کرنے کا یقین دلانے

Marfat.com

کے لیے اللہ نے اکٹھی چار قسمیں کھائیں۔انجیر کی قسم،زیتون کی قسم،طور سینا کی قسم اور اس امن والے شہر (مکہ) کی قسم۔قرآن کے ذریعے اللہ نے یہ بھی بتادیا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے ہم نے انہیں نوع بشر کے لیے مسخر کردیا۔اولاد آدم کے لیے تسخیر کائنات کا ایسا دعویٰ کسی بھی مذہب کی کتاب میں نہیں ملتا۔اولاد آدم کو یہ تمام اعزازات و امتیازات قرآن کے طفیل ملے ہیں۔

قرآن کے طفیل نوع بشر کو خالق کائنات رب العالمین کی لامحدود اور ناقابل تصور ذات کا ایسا تصور ملا جو انسان کی محدود عقل وفراست میں سما سکتا ہے اور فکر انسانی کی ضرورت کے مطابق رب العالمین کے وجود کی صورت گری کرسکتا ہے۔انسان کی محدود اور ناقص عقل وفراست رب کائنات کے متعدد تصورات تخلیق کرتی رہی ہے۔لیکن اس کا تخلیق کردہ ہر تصور محدود ذات کی صورت گری کرتا اور دیومالائی قسم کے خدا بنا کر رکھ دیتا ہے۔قرآن نے رب کائنات کے لیے نوع بشر کو یہ تصور دیا کہ تمہارا رب نہ کسی شے کے مماثل ہے، نہ کوئی شے تمہارے رب سے مماثلت رکھتی ہے۔وہ یکتا ہے، جامع الصفات، لامحدود ہے۔زمان ومکاں کی حدود سے مبرّا اور بالا ہے۔وہی اکیلا پوری کائنات کا مالک اور خالق ہے۔وہ قادر مطلق ہے، اس کی قدرت، اختیار، منشا اور ارادے میں مداخلت کا کسی کو اختیار و قدرت حاصل نہیں۔عالم الغیب اور حاضر وناضر صرف اللہ کی ذات ہے۔اس کے علاوہ اور کوئی عالم الغیب اور حاضر وناظر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔کائنات کے تمام ذرات سے لے کر عظیم الجثۃ اجرام فلکی کا دائرہ کار اور طریقہ عمل اسی نے مرتب کیا اور انہیں اپنے اپنے کام پر لگادیا ہے۔اسی نے یہ ناپیدا کنار کائنات تخلیق کی ہے، وہی ہر شے کی تعداد اور استعداد کا علم رکھتا ہے اور وہ جب چاہے گا اس پوری کائنات کو ایک لکھے ہوئے کاغذ کی طرح لپیٹ کر رکھ دے گا۔قرآن نے رب کائنات کا جو تصور پیش کیا ہے انسانی فہم وشعور کے حق میں اس تصور سے اعلیٰ، مفید اور بہتر رب کائنات کا اور کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔اس میں شک نہیں اللہ کی ذات لامحدود اور قائم بالذات ہے اور انسانی عقل و بصیرت محدود اور محدود الاصل ہے۔اس لیے وہ لامحدودیت اور لامحدود ذات کا ادراک نہیں کرسکتی۔اللہ کی ذات کی نوعیت اور اس کی ماہیت کی تفہیم و ادراک انسان اور ملائکہ کے بس کی بات نہیں لیکن قرآن کے طفیل نوع بشر کو رب کائنات کا جو تصور عطا ہوا ہے وہ

Marfat.com

نوع بشر کی محدود عقل و بصیرت کی فکری اور عملی کفالت کے لیے کافی اور مکتفی ہے۔

قرآن کے طفیل نوع بشر کو انبیاء اور ملائک کی ذات کا صحیح تصور ملا۔ ملائک خواہشات نفس نہیں رکھتے انہیں یہ قدرت واختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے ہٹ سکیں اور نافرمانی کا ارتکاب کرسکیں۔ اجرام فلکی کی طرح ان کی نوعیت بھی خودکار مشینوں کی سی ہے۔ جو کام اللہ ان کے سپرد کردیتا ہے اس کام میں ملائک کمی بیشی یا تساہل نہیں کرسکتے۔ مجبور محض مخلوق ہونے کے باعث ملائک اپنی طرف سے نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔

سابق امتوں نے انبیاء کرام پر یا تو نہایت رکیک تہمتیں لگا کر ان کی کردارکشی کی ہے یا انہیں الوہیت سے متصف کرکے انہیں ربانی قدرت وصفات کا حامل بناڈالا اور ان کے بت تراش کر اپنی عبادت گاہوں میں نصب کردیے۔ قرآن کے طفیل اہل ایمان کو انبیاء ورسل کی ذات اور ان کے مقام کا صحیح علم ہوا۔ قرآن نے بتایا انبیاء بھی ان تمام فطری صلاحیتوں، خوبیوں اور کمزوریوں کے حامل ہوتے ہیں جو اللہ نے ہر بشر کی سرشت میں رکھی ہے۔ انہیں بھی بھوک پیاس لگتی ہے، وہ بھی درد و تکلیف محسوس کرتے ہیں، بیمار پڑتے، مرتے اور قتل ہوتے ہیں۔ وہ بھی کھاتے پیتے سوتے چلتے پھرتے اور مباشرت کرتے ہیں۔ ان تمام فطری تقاضوں کے ساتھ وہ زندہ رہتے اور اپنی زندگی کے ہر عمل کو اطاعت کے سانچے میں ڈھالتے ہیں۔ وہ اللہ کے فرمانبردار غلام اور عبدیت کا کامل اور مثالی نمونہ ہوتے ہیں۔ خشیت الٰہی سے ان کے کلیجے کانپتے اور ان کے دل و دماغ پر اللہ کے خوف کے علاوہ اور کسی کے خوف کا غلبہ نہیں ہوتا۔ وہ نہ علم غیب رکھتے ہیں نہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور نہ ہی نفع حاصل کرنے اور نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت انہیں حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے معاملات کی تکمیل اور اپنی مشکلات کی مشکل کشائی کے لیے اللہ کے اتنے ہی محتاج ہوتے ہیں جتنے اللہ کے اور تمام بندے محتاج ہوتے ہیں۔ اس محتاجی، بے اختیاری کے ساتھ اللہ کی طرف سے انبیاء کو ایک غیر معمولی شرف و امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ وہ امتیاز ہے انبیاء کا صاحب وحی ہونا۔ اسی امتیاز کی بنا پر انبیاء مرتبہ رسالت پر فائز ہوتے اور اولاد آدم میں وہ مقام شرف پاتے ہیں جو غیر نبی کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتا اور نہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نبوت اکتسابی مرتبہ و مقام نہیں۔ کوئی بھی شخص خواہ کتنی ہی

عبادت وریاضت کر لے لیکن وہ مقام نبوت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ شرف صرف اور صرف اللہ جل شانہ کی نظر انتخاب اور عطا پر منحصر ہوتا ہے۔ اولاد آدم میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نبوت اور رسالت کے لیے جسے بھی منتخب فرمالے وہ نوع بشر کے عروج وشرف کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کی تعظیم وتکریم اہل ایمان پر فرض ہو جاتی ہے۔ انبیاء کرام بنی آدم کے لیے اللہ کے پیغام رساں اور اللہ کے سفیر کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے انبیاء کے ہر قول وعمل کی ذمہ داری بھی اللہ پر عائد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کسی نبی سے کسی غلطی یا سہو کا صدور ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بذریعہ وحی اس کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ اس طرح انبیاء کے عمل غلطی سے پاک ہو جاتے اور وہ معصوم عن الخطا قرار دیے جاتے ہیں۔ ہر امت پر ان کے انبیاء کی اطاعت واتباع فرض کی گئی ہے۔ انبیاء کے کردار وعمل کو اللہ کی طرف سے اسوۂ حسنہ کی سند حاصل ہے۔ اللہ نے انبیاء کی سنت کے اتباع اور ان کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کا درجہ دیا ہے۔ اس لیے شریعت کا ماخذ ثانی اسوۂ رسول پر مبنی ہوتا ہے۔ قرآن نے انبیاء ورسل کا یہ ایسا تصور پیش کیا ہے جو ہر شرک اور مبالغ سے پاک اور سراسر فلاح اور بہبود کا حامل ہے۔

قرآن کے طفیل علمی ارتقا

قرآن عربی زبان میں اور خطہء عرب میں نازل ہوا۔ اس خطہء ارض میں قرآن سے قبل کبھی کوئی الہامی کتاب نازل نہ ہوئی تھی۔ اصطلاحاً ایسے خطے کے باشندوں کو اُمّی یعنی ان پڑھ کہا گیا ہے جس خطے کے باشندوں میں کوئی الہامی کتاب نازل نہ ہوئی ہو۔ نزول قرآن سے قبل عربوں کا تمام علم اور ادب لوگوں کے حافظوں میں محفوظ رہتا تھا۔ عربی زبان کے لاکھوں الفاظ کی لغت تحریری شکل نہ رکھتی تھے۔ سینکڑوں عرب شاعروں کے ہزاروں اشعار کتابوں کی بجائے لوگوں کے حافظوں میں نقش تھے۔ عربی زبان کی جامعیت اور عربی کلام کی فصاحت وبلاغت معروف اور مسلم ہونے کے باوجود زبان و بیان کے قواعد اور صرف ونحو کے اصول تحریری صورت میں موجود نہ تھے۔ غرض عربی لغت۔ شاعری۔ زبان وبیان کے قواعد۔ مشاہیر کے واقعات۔ قصص وافسانے۔ قبائل کے طویل شجرہء نسب جو کچھ بھی نزول قرآن سے قبل عربوں کے پاس تھا وہ تحریر میں نہ تھا صرف

حافظوں میں تھا اور نسلاً بعد نسلٍ یہ سرمایہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔ نزول قرآن سے قبل خطہء عرب میں لکھنے پڑھنے کے فن سے واقف افراد کا تناسب نصف فیصد بھی نہ تھا۔ عربوں کے اس حال اور اس علمی کیفیت میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا اور محض قرآن کی وجہ سے عرب مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے کا فن اس تیزی کے ساتھ پھیلا کہ صرف نصف صدی کے قلیل عرصے میں عرب مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے والے افراد کی تعداد کا تناسب اپنی ہمعصر تمام ترقی یافتہ اقوام کے تعلیم یافتہ لوگوں کے مقابل کئی گنا بڑھ گیا۔ جس قوم کے علم وادب کا سرمایہ تحریر اور کتب سے محروم تھا صرف چار صدیوں میں اس قوم کی کتب کی تعداد دیگر اقوام کی کتب کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہوگئی۔ چنانچہ پانچویں صدی ہجری یعنی گیارہویں صدی عیسوی کے دوران دنیاء کی متمدن اقوام میں رائج۔ عبرانی۔ سریانی۔ یونانی۔ لاطینی اور فارسی زبان کی کتب کی مجموعی تعداد عربی کتب سے کم نظر آتی ہے اُس دور اور اس کے بعد کم از کم دو سو سال تک مختلف علوم کا ذریعہ اظہار عموماً عربی زبان بنی رہی۔ یہ عظیم تغیر صرف قرآن کے طفیل ہوا۔ مسلمانوں کے عقائد اور ضابطہء حیات کا منبع قرآن تھا۔ مسلمانوں پر قرآن پڑھنا قرآن سننا اور قرآن کو سمجھنا مذہباً فرض تھا اس فریضہ کی تکمیل کے لئے مسلمانوں نے قرآن حفظ کیا اور قرآن کو حیطہء تحریر میں لانا شروع کیا۔ اسلامی سلطنت بہت جلد خطہء عرب سے متصل ایران اور رومی علاقوں تک پھیل گئی اور اس علاقے کے باشندے لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ ان مسلمانوں پر بھی قرآن پڑھنا اور قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنا اسی طرح فرض تھا جس طرح صحابہ کرام پر فرض تھا مسلمانوں کی اس دینی ضرورت نے قرآن کے تحریری نسخوں کی طلب غیر معمولی طور پر بڑھا دی اور بہت سے مسلمانوں نے قرآن کے نسخے تیار کرنا اپنا ذریعہء معاش بنالیا۔ چنانچہ ۵۰ھ ہجری تک قرآن کے ایک لاکھ نسخوں کی تعداد کا ذکر متقدمین کی کتب میں کیا گیا ہے اس تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۵۰ھ ہجری تک مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد کس قدر غیر معمولی ہوگئی تھی۔

قدیم عربی رسم الخط۔ نبطی خط سے ماخوذ تھا یہی رسم الخط مکہ اور مدینہ میں بھی رائج تھا۔ اس خط میں سادگی تھی۔ تحریر کی سطور اونچی نیچی ہوتی تھیں عمودی حروف سیدھے ہونے کی بجائے کسی طرف جھکے ہوتے تھے۔ الف کا بالائی سرا بائیں جانب شاخ دار ہوتا

تھااور زیریں سرا سیدھے ہاتھ کی طرف (ﻟ) مڑا ہوتا تھا۔اس رسم الخط میں نہ نقطے استعمال ہوتے تھے نہ علامات نمرہ اور رموز اوقاف استعمال کئے جاتے تھے۔لفظوں اور علامات نمرہ وغیرہ کا استعمال اس دور میں کسی بھی زبان کے رسم الخط میں رائج نہ تھا۔چھٹی صدی عیسوی کے اواخر اور پہلی صدی ہجری کے ابتدائی سنین میں یہود کے چند کاتبوں نے توراۃ اور دیگر مذہبی کتب جو عبرانی زبان میں تھیں ان کی درست قراءت کے لئے نقطے ایجاد کئے تھے اس رسم الخط کو ماثوری رسم الخط کا نام دیا گیا۔

عرب اپنی مادری زبان کے حروف کی ادئیگی اور الفاظ کے ہر محل سے واقف تھے اس لئے عربوں کو عربی پڑھنے کے لئے نقطوں اور اعراب وغیرہ کی ضرورت نہ پڑتی تھی لیکن دین اسلام خطہ عرب کی حدود سے ہزاروں میل آگے تک پہنچ چکا تھا اور مختلف نسل وزبان کی اقوام حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھیں ان لوگوں کے لئے عربوں کی طرح عربی الفاظ پڑھنا اور صحیح تلفظ کرنا مشکل تھا۔اس فطری رکاوٹ اور مشکل نے ایک ایسی صورت بھی پیدا کردی جو مسلمانوں کے لئے نہایت پریشان کن اور ناقابل برداشت تھی اور وہ تھی ناواقف عجمیوں کی قراءتِ قرآن ۔یہ لوگ تلاوت میں ایسی غلطی کر جاتے تھے جس سے عبارت کا مطلب بالکل بدل جاتا اور بعض اوقات کفر کے کلمات کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔اس قسم کا ایک واقعہ مشہور ماہرفنِ تجوید و کتابت ابوالاسود الدؤلی متوفی ۶۹ ھ کو بھی پیش آیا۔روایت میں ہے کہ والی بصرہ زیاد نے عجمی لوگوں کی قراءت سے غیر مطمئن ہو کر ابوالاسود سے فرمائش کی کہ وہ کتابت کا کوئی ایسا طریقہ بنائے جس سے حروف اور الفاظ کی ادائیگی میں غلطی کا صدور نہ ہو سکے۔ابوالاسود نے قرآن کی کتابت میں نیا طریقہ اختیار کرنا بدعت سمجھا لیکن چند ہی یوم بعد ابوالاسود نے ایک عجمی کو سورۃ التوبہ کی آیت تین کو اس طرح پڑھتے سنا جس سے آیت کا مفہوم نہایت قابل اعتراض ہو جاتا ہے۔آیت کا متن ہے۔

یعنی اللہ مشرکوں سے بیزار ہے اور رسول بھی عجمی نے ۔رَسُولَہٗ ۔کے ل کو زیر کے ساتھ پڑھ دیا قراءت کی اس غلطی سے آیت کا مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ مشرکوں اور رسول سے بھی

Marfat.com

بیزار ہے۔ (نعوذ باللہ) یہ قراءت سن کر ابولاسود کو اس کام کی اہمیت کا احساس ہوا اور وہ الفاظ کی درست ادائیگی کے لئے علامات مقرر کرنے میں مشغول ہوگیا اس نے والی بصرہ زیاد سے کاتبوں کی ایک جماعت طلب کی اور تیس کاتبوں میں سے ابوالاسواد نے قبیلہ عبدالقیس کا ایک کاتب منتخب کیا اس نے کاتب سے کہا کہ جب میں قرآن کی قراءت کروں تو تم میرے منہ کو بغور دیکھتے رہو۔ جب تم دیکھو کہ میں نے کسی حرف کی ادائیگی کے وقت پورا منہ کھولا ہے تو تم اس حرف کے اوپر ایک نقطہ لگا دو۔ اگر میں منہ بند کرلوں تو تم اس حرف کے آگے ایک نقطہ لگا دو اور اگر میں کسی حرف کو کسرہ کے ساتھ پڑھوں تو اس حرف کے نیچے نقطہ لگا دو۔ اس طرح ابوالاسود نے پورا قرآن پڑھا اور کاتب حسب ہدایت نقطے لگا تا گیا۔ چنانچہ اعراب کی جو پہلی شکل نقطوں کی صورت میں وجود میں آئی اسے نقاط اسود کہا گیا۔ اس کے بعد ابو الاسود کے شاگرد نصر بن عاصم بصری متوفی ۸۹ھ اور نصر بن عاصم کے بعد یحیٰ بن یعمر عدوانی قاضی خراسان (متوفی ۱۲۹ھ) نے اعراب کی الگ الگ صورتیں مقرر کیں اور اعراب کے قواعد و ضوابط مقرر کئے اس اہم کام کی تکمیل حجاج بن یوسف کے زمانے میں اُس کی سرپرستی سے ہوئی تھی اس لئے غلطی سے حجاج بن یوسف کو اعراب کا موجد سمجھ لیا گیا۔ قرآن کے لئے خلیل بن احمد متوفی ۱۷۰ء نے رموز وقوف اختراع کیں اور خلیل بن احمد کے زمانے میں اعراب اور رموز وقوف کے ساتھ قرآن کی کتابت کی جانے لگی یہ بھی قرآن کا طفیل ہے کہ ایسی قوم جو لکھنا پڑھنا نہ جانتی تھی اس قوم نے نہ صرف لکھنا پڑھنا سیکھ لیا بلکہ کتابت کے ایسے ضابطے علامتیں اور رموز بھی اختراع کرلیں قرآن دنیا کی پہلی ایسی کتاب بن گیا جس میں ہر حرف اور الفاظ کے تلفظ کا طریقہ بھی کتابت کردیا جاتا تھا۔

قرآن میں ابوالاسود نے اعراب کے طور پر نقطے لگائے تھے جب کہ نصر بن عاصم بصری وہ پہلا شخص تھا جس نے موجودہ مروجہ نقاط والے حروف پر نقطے لگائے۔ لیکن عربی حروف میں نقطوں کے استعمال کے لئے ایسی شہادتیں بھی ملی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور سے قبل بھی عربی حروف پر نقطے لگائے جاتے تھے ماہر آثار قدیمہ۔ جی۔ سی۔ مبس (G.C.MIBS) نے ۱۸۴۸ء کے دوران طائف کے ایک قدیم بند کے آثار دریافت کئے تھے اس بند پر ایک کتبہ نسب تھا جس پر ۵۸ ہجری کندہ تھا۔ یہ حضرت امیر معاویہ کا دور خلافت تھا۔ اس کتبہ کی عبارت قدیم مدنی رسم الخط میں ہے دائرے والے حروف مسطح ہیں لیکن

Marfat.com

نقطوں والے حروف پر نقطے لگے ہوئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی حروف میں نقطے لگانے کا رواج رسول اللہ ﷺ کے دور سے قبل بھی تھا۔ اس سلسلہ میں دو روایتیں بھی منقول ہیں ایک روایت خطیب بغداد نے نقل کی ہے کہ کاتب وحی حضرت معاویہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حروف پر نقطے لگاؤ۔ دوسری روایت فن قراءت وتجوید کے امام ابن جزری نے نقل کی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ عہد عثمانی میں جب مصحف تیار کیا گیا تو حروف نقطوں سے خالی کردئے گئے۔ علاوہ ازیں مصر سے بردی کاغذ پر تحریر ۳۳ ہجری کا ایک خط برآمد ہوا ہے جو آج کل وائینا (VIENNA) کے عجائب گھر میں محفوظ ہے اس خط میں الف گرچہ عمودی ہے لیکن اس میں خم نظر آتا ہے اور اس خط میں حروف پر نقطے لگے ہوئے ہیں۔

قرآن کے طفیل خطاطی نے ایک باقاعدہ فن کی صورت اختیار کرلی اور اس فن کے بانی مسلمان ہوئے مسلمانوں نے متعدد انداز خط ایجاد کئے ان میں خط طغرہ بھی شامل ہے جو عمارات اور دیگر اشیاء کی زیبائش کے لئے بکثرت استعمال کیا گیا۔ نستعلیق خط ایجاد ہوا جس میں سطر پر لیٹے ہوئے۔ ن۔ ق۔ اور ی وغیرہ حروف کو مبسوط طریقہ کتابت کی بجائے دائروں کی صورت میں لکھا گیا اور مبسوط۔ ن۔ ق۔ اور ی مدور صورت اختیار کرگئے۔ حروف کی لمبائی کے لئے پیمانہ مقرر کیا گیا۔ عبدالملک بن مردان کے کاتب قطبہ بن سبیب الطائی نے حروف کی پیمائش اور ساخت کے لئے۔ مذک۔ یعنی قلم کے قط کی چوڑائی کو پیمانہ مقرر کیا اور ہر حرف کی لمبائی کا تعین قلم کے قط کی چوڑائی سے کیا۔ آج بھی قطبہ بن سبیب کے مقرر کردہ اس پیمانہ پر کاتب عمل پیرا ہیں۔

دور قدیم میں عربی زبان کثرت الفاظ۔ اشعار اور فصاحت و بلاغت سے مالا مال ہونے کے باوجود تحریری مواد سے محروم رہی یہ وسیع اور فصیح زبان نہ تحریر شدہ لغت رکھتی تھی اور نہ ہی الفاظ اور جملوں کے درست استعمال کے لئے تحریر شدہ قواعد وضوابط تھے۔ قرآن کے طفیل جب یہ ناخواندہ قوم دنیا کی سب سے زیادہ خواندہ قوم کی صورت اختیار کرگئی اور عربی زبان خطۂ عرب سے باہر دور دراز علاقوں میں پڑھی جانے لگی تو عربی کے طالب علموں کو عربی الفاظ کی اقسام۔ ان کے استعمال کے ضوابط اور جملوں میں الفاظ کی درست اور بلیغ نشست کے اصول سمجھانے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس ضرورت نے ایک طرف مختلف اصولوں پر عربی لغات مرتب کروائیں اور دوسری طرف صرف ونحو اور اشتقاق کے علم وفن کو باقاعدہ مدون کروادیا۔ اس

Marfat.com

میں شک نہیں کہ لغت کی تصنیف وتالیف کا کام غیر عرب اقوام میں پہلے ہوا اور عربی زبان علم لغت کی مالک نزول قرآن کے بعد بنی۔

جدید تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے لغت آشوریوں نے مرتب کی۔ آشوریوں کو جب اپنی زبان کے ضائع اور ختم ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تو انہوں نے مفرد الفاظ پر مبنی لغت تیار کی۔ آشوری قدیم عرب نسل سے تعلق رکھتے تھے اس نسبت کی بنا پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عرب نسل کے لوگوں نے ہی لغت نویسی کا آغاز کیا۔ آشوریوں کے بعد چین میں محدود طور پر مرتب لغت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ لغت جس کا نام۔ شوووان (Shwowan) تھا ۱۵۰ء قبل مسیح میں۔ ہوشن (Hu Shin) نے مرتب کی تھی یونانی زبان کی قدیم لغت۔ یولیوس پولکس (Yulius Pollux) نے معنیٰ اور موضوعات کی ترتیب کے مطابق تالیف کی نعت کی دوسری کتاب۔ ھلاودیوس (Helladius) نے چوتھی صدی عیسوی میں مرتب کی۔ جدید انداز کی لغت روم کے بادشاہ آغطیس (Augutus) کے عہد میں۔ فالیریوس فلکوس (Valerus Flaccus) نے مرتب کی تھی (بحوالہ برٹش انسائیکلوپیڈیا جلد نو)۔

عربی لغت کی تالیف کا آغاز پہلی صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔ لغت نویسی کی داغ بیل ابن عباس سے منسوب تفسیر کبیر کے حواشی پر درج مفردات اور الفاظ غریبہ اوران کے معنیٰ ومطالب سے پڑی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تفسیر کبیر اور غریب القران دونوں کتب ابن عباس سے غلط طور پر منسوب کی گئی ہیں ان کتب کے مصنف اور لوگ تھے بہر نوع مصنف کوئی بھی ہو لغت نویسی کا ابتدائی خاکہ ان ہی کتب سے مرتب ہوا۔ ابان بن تغلب بن ریاح الجریری ابوسعید البکری متوفی ۱۴۱ء ایک فقیہ۔ قاری۔ عالم اور لغوی تھا اس نے غریب القران کے نام سے کتاب لکھی جس میں قرآن میں مستعمل غیر مانوس اور غیر مشہور الفاظ کی تشریح کی اوران الفاظ کے قدیم شعراء عرب کے اشعار میں استعمال کی نظائر پیش کیں۔ اس کتاب کو عربی کی لغت کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد خلیل بن احمد الفراھیدی متوفی ۱۷۵ھ نے۔ کتاب العین۔ لکھی جو لغت کے مروج معنی میں لغت کی پہلی کتاب تھی۔ اس طرح خلیل بن احمد پہلا لغت نویس قرار پاتا ہے۔ لغت کی ایک شاخ طبقات کی فہرست وتفصیل کی صورت میں بھی مرتب ہوئی۔ یہ ان مردوں اور عورتوں کے ناموں کی فہرست تھی جو کسی مخصوص طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً طبقہ شعراء۔ طبقہ القراء۔ طبقہ الصحابہ۔ طبقہ التابعین۔ طبقہ المحدثین اور طبقہ حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ۔ مختصر یہ کہ پہلی صدی ہجری میں عربی

Marfat.com

لغت نویسی کا آغاز ہوا اور دوسری صدی ہجری میں لغت نویسی عام ہوگئی۔

لغت۔ زبان کا سرمایہ ہے اور علم صرف ونحو اس سرمائے کو درست طور پر استعمال کرنے کا ضابطہ قرآن کے طفیل جہاں عربی لغت مرتب ہوئی وہاں عربی زبان کے قواعد وضوابط یعنی علم صرف ونحو کی تدوین بھی ہوئی علم صرف لغت کی بھی ایک ضرورت پوری کرتا تھا۔ علم صرف سے الفاظ کی ہیئت اور بناوٹ کا پتہ چلتا ہے جب کہ علم نحو سے کلمات کی باہمی ترتیب اور ان کی اعرابی حالت کا علم ہوتا ہے۔ ابتدا میں علم صرف ونحو جزواں علم تھے بعد میں علم صرف اور علم نحو الگ ہوئے ان دونوں علوم پر الگ الگ کتب لکھی گئیں۔

عربی قواعد مرتب کرنے والا پہلا شخص بھی ابوالاسود تھا جس نے قرآن میں اعراب لگائے تھے۔ اس کے بعد علم صرف ونحو یا عربیت کے قواعد کی تشکیل میں بہت بڑا نام خلیل بن احمد متوفی ۱۷۵ھ کا آتا ہے اس کی مشہور تصنیف ''کتاب العین'' تھی جس میں الفاظ کے لغوی معنی کے علاوہ ان کی نوعیت اور ہیئت پر بھی علم صرف کے ضوابط کی روشنی میں تشریح اور بحث کی گئی تھی۔ ابوعثمان المازنی (متوفی ۲۴۹ھ) نے سب سے پہلے علم الصرف کو نحو سے الگ کیا اور تصریف المازنی کے نام سے علم صرف پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ اس کتاب کی شرح ابوالفتح عثمان بن جنی (متوفی ۳۹۳ھ) نے۔ المصرف۔ کے نام سے لکھی۔ اس شرح پر شیخ یعیش بن علی النوی متوفی ۶۴۳ھ نے مکمل حاشیہ تحریر کیا اس طرح ابوعثمان المازنی کو علم صرف کا بانی تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کے بعد صرفیوں میں ایک بہت بڑا نام ابن الحاجب کا آتا ہے اس کا پورا نام ابوعمرو عثمان بن عمر المعروف بابن الحاجب النحوی المالکی تھا یہ ۵۷۰ھ میں پیدا اور ۶۴۶ھ میں فوت ہوا اس نے علم نحو پر الکافیہ اور علم صرف پر الشافیہ کتب تحریر کیں۔ علم صرف پر ابن الحاجب کی کتاب ''الشافیہ'' کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد علماء نے اس کتاب کی شرحیں لکھیں۔ علم صرف پر یہ کتاب آج بھی مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

علم صرف کے ساتھ ہی علم نحو کی ابتدا ہوئی۔ عربی میں نحو کے معنیٰ سمت۔ راستہ اور قصد کے ہیں بعد میں لفظ نحو کو عربی زبان کے قواعد کے طور پر اصطلاحاً استعمال کیا جانے لگا۔ لفظ نحو مذکورہ اصطلاحی معنی میں استعمال کب۔ سے اور کیوں ہوا۔ اس سوال کا معتبر جواب نہیں ملتا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابوالاسود کو حضرت علی نے بتایا کہ وہ اس موضوع کی تقسیم کیوں کر کرے اور یہ بتا کر کہا۔ اُنح علیٰ ھذا النحو۔ یعنی اسی طریقہ یا سمت میں آگے چلو، اس جملہ کو سن کر ابوالاسود نے اس

Marfat.com

علم کا نام علم نحو رکھ دیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ابولاسود نے خود عربی قواعد مرتب کی تھی اور لوگوں کو زبان کے قواعد بتا کر کہا۔ انحوانحوہ۔ یعنی اسی طریقہ پر چلے چلو۔

علم صرف یا تصریف میں فعل کے حروف اصلیہ کی شناخت فعل کی گردان۔ افعال موضوع۔ اسماء ذات وصفات بنانے اور ان کی جمع اور تانیث وغیرہ کے قاعدوں سے بحث ہوتی ہے۔ علم نحو میں جملوں کی اقسام۔ جملوں میں الفاظ کی نشست اور مقتضاع عبارت کے مطابق الفاظ کی درست قرات سے بحث ہوتی ہے اس علم کا بانی بھی ابولاسود کو کہا گیا ہے۔ متقدمین کی روایات یہی بتاتی ہیں کہ ابوالاسود ہی علم نحو کا بانی تھا لیکن علم نحو پر ابوالاسود کی کوئی کتاب نہیں ملتی۔ ابوالاسود کے بعد نحویوں میں بڑے نام ابوعمرو بن العلاء اور اس کے شاگرد ابوعبیدہ اور الاصمعی کے آتے ہیں۔ ان حضرات کے ذریعہ دور جاہلیت کی معلومات پہنچی ہیں۔ ان کے بعد سیبویہ کا نام آتا ہے جس نے نحو پر کتاب لکھی اور اس کتاب کی شہرت۔ الکتاب۔ کے نام سے ہوئی۔ علم عروض کے بانی خلیل کا نام بھی نحویوں میں آتا ہے ان حضرات کے علاوہ بہت سے علماء نے صرف ونحو پر کتب لکھیں اور بصرے اور کوفے کے الگ الگ دبستان علم صرف ونحو قائم ہو گئے۔

علم لغت کے ضمن میں جہاں علم صرف وجود میں آیا وہاں علم الاشتقاق بھی تولد ہوا۔ کسی لفظ کا اصل مادہ معلوم کرنا ہو تو علم لغات سے رجوع کرنا ہوگا۔ دوہم اصل لفظوں کی ہیئت اور صورت کے اعتبار سے مناسبت اور ایسے دولفظوں کے صیغے کے اعتبار سے فرق کا پتہ علم صرف سے چلتا ہے۔ اور اگر ایک لفظ کی نسبت مادہ کے اعتبار سے دوسرے لفظ کی طرف ہو تو یہ علم الاشتقاق کا مسئلہ قرار پائے گا۔ اشتقاق کے معنیٰ۔ پھاڑنے۔ پھوٹنے اور ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے نکالنے کے ہیں۔ علم اشتقاق میں ایک کلمہ کے دوسرے کلمہ سے نکلنے کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے اور مصدر اور مشتق کے درمیان جوہر اور مادہ کے اعتبار سے اصل اور فروع کی نسبت کا پتہ چلایا جاتا ہے۔

قرآن کے طفیل سب سے زیادہ وسیع اور جامع علم جسے کئی علوم کا مجموعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ علم حدیث وجود میں آیا۔ قرآن میں متعدد بار خاتم الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم صادر ہوا ہے اور قریباً سولہ آیات کے ذریعہ نہایت سختی کے ساتھ امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی تعمیل اور آپؐ کے اسوہء حسنہ کا اتباع کریں۔ ان احکام کی بنیاد پر امت مسلمہ پر نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے بلکہ شریعت اسلامی

کے تعین کے لئے سنت نبوی کا درجہ ماخذ ثانی کے حیثیت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ ترک اطاعت و اتباع رسول احکام الٰہی سے بغاوت کا حکم رکھتی ہے اس لئے کوئی بھی مسلمان ترک سنت نبوی ﷺ کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ وہ براہ راست احکام رسول کے سامع اور اسوہ رسول کے شاہد تھے انہیں دین کا علم اور تربیت براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ملی تھی اس لئے صحابہ کرام احکام اور اسوہء رسولؐ کی معرفت کے لئے روایت اور حدیث کے محتاج نہ تھے لیکن بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے سنت رسولؐ کی معرفت اور اس کا تعین ایک مسئلہ بن گیا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ یہودی خفیہ تنظیم کے ارکان جو نہایت منظم طور پر مجوسیوں کی معاونت سے دین اسلام اور ملت مسلمہ کے خلاف ہمہ گیر مہم چلا رہے تھے انہوں نے پہلی صدی ہجری میں ہی ہزاروں احادیث گھڑ کر مشہور کر دی تھیں اس لئے مسلمانوں کے لئے یہ جاننا مشکل ہو گیا تھا کہ فی الحقیقت کون سی روایات احکام و سنت کی صحیح ترجمان ہیں اور کون سی جعلی اور گھڑی ہوئی روایات ہیں۔ روایات کی تحقیق کے لئے ایک مبسوط اور نہایت جامع علم تخلیق کیا گیا اس علم کے مختلف تحقیقی شعبوں نے اس قدر فروغ پایا کہ علم حدیث کے یہ ضمنی شعبے بجائے خود مستقل علوم کی صورت اختیار کر گئے ان علوم و فنون کی کسی قدر تفصیل ہم تدوین حدیث۔ کے باب میں بیان کریں گے۔ بہر نوع قرآن کے طفیل علم حدیث وجود میں آیا روایات کے تحقیق کا یہ ایک ایسا وسیع الاطراف علم ہے۔ جس کی نظیر کسی بھی قوم کی علمی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس علم و فن کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی اور اس علم و فن کو مسلمانوں نے ہی نقطہ کمال تک پہنچایا۔ یہ تمام فکری علمی تحقیقی کارنامے اور امتیازات امت مسلمہ کو قرآن کے طفیل ہی نصیب ہوئے اور قرآن کے طفیل ہی امت مسلمہ نہ صرف انسانی تاریخ کے سیاسی عروج پر پہنچی بلکہ امت مسلمہ نے دنیائے علوم میں نمایاں مقام بھی حاصل کیا۔

❁

Marfat.com

Marfat.com

قرآن کے متعلق قرآن کا بیان

قرآن کلام الٰہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کے متعلق کیا کہا ہے یہ قرآن میں موجود ہے۔ قرآن کے کلام وکتابِ ربانی ہونے کے دلائل وثبوت۔ اس کے نزول کا ذریعہ وطریقہ۔ اس کتاب کا مقصد نزول۔ اس کتاب کے متن کے تحفظ کی ذمہ داری۔ اس کتاب کی عظمت وشرف۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ۔ اس کتاب کی تلاوت کا حکم۔ اس کے سمجھنے کی تلقین غرض ہر وہ بات جو کسی کتاب کے متعلق پوچھی جاسکتی ہے اُس کا جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ ہم تمام موضوعات کا احاطہ نہیں کر رہے چند اہم موضوعات کے متعلق قرآنی آیات کا ترجمہ درج کر رہے ہیں۔

۱۔ قرآن پڑھنے کا حکم اور طریقہ

سورۃ النحل، آیت:۹۸

ترجمہ: جب (آپ) قرآن پڑھنا چاہیں تو (پہلے) شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔

سورۃ الاعراف، آیت:۲۰۴:

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ کیساتھ سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

سورۃ المزمل، آیت ۲۰

ترجمہ: تو جتنا ممکن ہو قرآن سے پڑھ لیا کریں۔

درج بالا آیات میں قرآن پڑھنے کا طریقہ بتا کر قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر تلاوت سننے اور جتنا ممکن ہو اتنا قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح ہر مسلمان پر قرآن پڑھنا اور قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا فرض ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

۲۔ نزول قرآن کی تصدیق اور طریقہ نزول

سورۃ الفرقان، آیت: ٦

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سورۃ طٰہٰ، آیت: ۴

ترجمہ: (قرآن) اسی ذات کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے۔

سورۃ النساء، آیت: ١٦٦

ترجمہ: اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جو آپ کی طرف اتارا گیا ہے اس کو اللہ نے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہی کے لئے صرف اللہ ہی کافی ہے۔

سورۃ النحل، آیت: ۱۰۲

ترجمہ: کہہ کہ اس (قرآن) کو روح القدس (جبرائیل) نے آپ کے رب کی طرف سے دین حق کے ساتھ اتارا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت کا سبب بنے۔

سورۃ الشعراء، آیت: ۱۹۳۔۱۹۴

ترجمہ: (اے نبی) قرآن رُوح الامین (جبرائیل) نے آپ کے قلب پر اتارا تاکہ آپ اللہ کے عذاب اور عقوبت سے ڈرانے والوں (یعنی انبیاء) میں سے ہو جائیں۔

سورۃ الشعراء، آیت: ۲۰۹۔۲۱۲

ترجمہ: اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں آئے اور نہ ان کے لئے یہ ممکن ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں وہ تو وحی قرآن کو سننے سے ایک طرف ہٹا دئے گئے ہیں۔

Marfat.com

سورۃ النحل، آیت:٦

ترجمہ: (اے رسول) بلاشبہ آپ پر قرآن حکمت والے جاننے والے کی طرف سے القا کیا جاتا ہے۔

سورۃ النجم، آیت:٥

ترجمہ: اس (قرآن) کی تعلیم (رسول کو) بہت بڑی طاقت والے (یعنی جبرئیل) نے دی ہے

۳۔قرآن کے کلام اللہ ہونے کا دعویٰ اور ثبوت

سورۃ یونس، آیت:٣٧

ترجمہ: یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اسے اپنی طرف سے بنالائے لیکن یہ تو اُن کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور کتاب (توراۃ) کی تفصیل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ (یہ) تمام جہاں کے رب کی طرف سے ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل، آیت:٨٨

ترجمہ: (اے نبی) اس امر کا اعلان کردو کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہوکر چاہیں کہ اس قرآن کی مانند کوئی کلام پیش کردیں تو (وہ) کبھی پیش نہ کرسکیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔

۲۹۲سورۃ یونس، آیت:٣٧

ترجمہ: کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے۔ آپ کہئے اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو قرآن کی مانند ایک سورۃ بنا کر پیش کرو اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتے ہو بلا لو۔

(سورۃ البقرہ۔ آیات ۲۳۔۲۴، سورۃ الھود۔ آیات ۱۳۔۱۴، اور سورۃ الطّور۔ آیت ۳۴ میں بھی یہی بات خفیف سے تغیر کے ساتھ بیان کی گئی ہے)

سورۃ التکویر، آیت:۲۵

ترجمہ: وہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں ہے

سورۃ الحاقہ، آیت ۴۱

ترجمہ: یہ (قرآن) کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ یہ کسی کاہن کی کرشمہ سازی کا نتیجہ بھی نہیں ہے۔

۴۔ کلام اللہ میں تبدیلی کے مجاز انبیاء بھی نہیں

سورۃ یونس، آیت: ۱۵

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جنہیں ہماری ملاقات کی اُمید نہیں ہے۔ یوں کہتے کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آ۔ یا (کم از کم) اس میں ہی تبدیلی کر دے۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کر دوں۔ بس میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

۵۔ قرآن واضح الدلائل کھلی ہوئی قابل فہم کتاب ہے

سورۃ الرعد، آیت: ۳۷۔

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن) کو صاف اور واضح حکم کی صورت میں نازل کیا ہے۔

سورۃ یوسف، آیات: ۱۔۲

ترجمہ: یہ واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیات ہیں۔ یقیناً ہم نے اس کو فصیح اور واضح قرآن بنا کر نازل کیا ہے۔

سورۃ مریم، آیت: ۹۷

ترجمہ: ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ متقی لوگوں کو بشارت دیں اور جھگڑنے والے گروہ کو ڈرائیں۔

سورۃ النحل، آیت: ۸۹

ترجمہ: ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی اور

مسلمانوں کے لئے سراسر ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

سورۃ القمر، آیت: ۱۷

ترجمہ: ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ کیا کوئی ہے جو سوچے سمجھے۔

سورۃ حم السجدہ، آیات: ۳۔۴

ترجمہ: قرآن عربی زبان میں ہے۔ جس کی آیات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ قرآن عربی ان لوگوں کے لئے ہے جو جانتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا۔

سورۃ یٰسین، آیت: ۶۹

ترجمہ: وہ (قرآن) تو صرف نصیحت اور کھول کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے۔

درج بالا آیاتِ شریفہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن ایسی کتاب نہیں جسے معمولی علم اور ذہانت والا شخص سمجھ نہ سکے۔ جو حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن کسی ماہر زبان اور صرف ونحو پر عبور رکھنے والے عالم کے بغیر پڑھنا گمراہی میں مبتلا ہونا ہے۔ یا یہ کتاب عام آدمی کی سمجھ سے بالا ہے۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مذکورہ بیان کی تکذیب کرتے ہیں۔

قرآن ہر دور کے انسانوں اور عام وخاص ہر طبقہ کے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے اس کتاب میں درج احکام وہدایت نہایت واضح طور پر بیان ہوئے ہیں ایک عام علم وفہم کا مالک شخص بھی بلا دقت ان احکام اور ہدایات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ صرف وہ لوگ جن کے دلوں اور دماغوں میں کجی اور طغیان ہے وہ اس کتاب کے احکام وہدایات اور دیگر فرمودات میں معنوی تحریف وانحراف پیدا کرتے ہیں اور گمراہ ہوتے ہیں ایسے لوگ نہ تو کم فہم اور کم علم ہوتے ہیں اور نہ ہی عامی قسم کے جنہیں گمراہ ہونا ہے۔ وہ گمراہی کی راہ ہر جگہ اور ہر وقت پیدا کر لیتے ہیں۔ قرآن سورج کی طرح سرچشمہ نور ہے۔ عام آدمی آفتاب کی روشنی سے زندگی کے معمولات میں استفادہ کرتا اور فیض یاب ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے روشنی کی ماہیت اور اس کی صلاحیتوں اور صفات پر تحقیق کی ان لوگوں نے سورج کی اسی عام روشنی کے متعدد فیض اور کرشمات کا پتہ لگا لیا اور اُس سے برقی رو بھی پیدا کی۔ عکسی نقوش بھی حاصل کئے۔ حرارت کو ایک

Marfat.com

مرکز پر مرکوز کر کے اُس سے بھاپ کے انجن بھی چلائے۔ یہی انداز قرآن کے فیوض کا ہے جس شخص کا دامن علم و دانش جتنا وسیع ہے وہ اتنا ہی فیض اپنے دامن میں بھر لیتا ہے۔

۶۔ قرآن کی عظمت و توقیر

سورۃ الزخرف، آیت: ۴۴

ترجمہ: یقیناً یہ (قرآن) آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور عنقریب تم سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

سورۃ الحجر، آیت: ۸۷

ترجمہ: اے (نبی) ہم نے آپ کو سات آیات (سورۃ فاتحہ) دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا کیا

سورۃ الواقعہ، آیات: ۷۷۔۷۹

ترجمہ: یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا) اس کو وہی (لوگ) ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔

سورۃ الحشر، آیت: ۲۱

ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو اُس کو بھی آپ دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا ہوا پھٹا ہوا ہے

قرآن کی عظمت و شرف کا یہ عالم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کئی بار قرآن کی قسم کھائی ہے اور خود اپنی ذات گرامی کی قسم کھا کر اس کے قابل یقین و ایمان ہونے کا اظہار کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات۔

سورۃ ق، آیت: ۱ ق، والقران المجید

ترجمہ: قسم ہے بزرگی والے قرآن کی۔

سورۃ الدخان، آیت: ۱

ترجمہ: حٰم۔ قسم ہے کھول کر اور واضح طور سے بیان کرنے والی کتاب (قرآن) کی۔

سورۃ۔ حٰم السجدہ، آیت: ۴۱

ترجمہ: بلاشبہ (قرآن) عزت والی کتاب ہے۔

Marfat.com

سورۃ الذریات، آیت: ۲۳

ترجمہ: آسمان اور زمین کے رب کی قسم وہ (قرآن) ایسا ہی قابل یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔

سورۃ عبس، آیات: ۱۳ تا ۱۶

ترجمہ: (قرآن) عزت والے صحیفوں میں ہے۔ جو بلند مقام پر رکھے ہوئے اور پاک ہیں۔ ایسے لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہیں جو بزرگ نیکوکار ہیں۔

۷۔ قرآن حق ہے اور باطل و کجی سے پاک ہے

سورۃ البقرۃ، آیت: ۱

ترجمہ: یہ (قرآن) ایسی کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ متقیوں کے لئے یہ ذریعہ ہدایت ہے۔

سورۃ البقرۃ۔ آیت۔ ۹

ترجمہ: وہ (قرآن) خود بھی حق ہے۔ ان (کتب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان (اہل کتاب) کے پاس ہیں۔

سورۃ المائدہ، آیت: ۴۸

ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی جو اپنے سے پہلی کتب کی تصدیق کرتی اور ان پر نگہبان ہے تو آپ اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے اور اس حق سے جو آپ کے پاس ہے۔

سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵

ترجمہ: یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والے کھلے دلائل ہیں۔

سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۱۰۵

ترجمہ: (اے نبی) ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور وہ حق ہی کے لئے اترا ہے۔

Marfat.com

سورۃ حم السجدہ، آیت:۴۲

ترجمہ: اس (قرآن) میں باطل نہ اس کے آگے سے آتا ہے نہ پیچھے سے حکمت والے قابل تعریف (رب) کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

سورۃ الزمر، آیت:۲۸

ترجمہ: قرآن عربی زبان میں ہے اور اس میں کسی قسم کی کجی نہیں تاکہ لوگ پرہیزگار بن جائیں۔

سورۃ الکہف، آیت:۱

ترجمہ: سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی۔

سورۃ سبا، آیت:۶

ترجمہ: جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اور وہ (اللہ) غالب قابل تعریف کی راہ پر لگاتا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل، آیت:۹

ترجمہ: بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی راہ ہے اور ایمان والوں کو جو نیک عمل میں سرگرم ہیں بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے۔

۸۔ قرآن پر غور کرنے کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بتا دینے کے بعد کہ قرآن کے احکامات اور مطالب کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے یہ حکم بھی دیا ہے کہ قرآن پڑھیں اور اس پر غور کریں۔ قرآن پر غور کرنے کا حکم درج ذیل آیات سے ثابت ہے۔

سورۃ محمد، آیت:۲۴

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔

Marfat.com

سورۃ الانعام، آیت: ۶۵

ترجمہ: ہم نے ان لوگون کے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیاں کردی ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھیں۔

سورۃ النساء، آیت: ۸۲

ترجمہ: یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔

۹۔ قرآن کا مقصد نزول

سورۃ ابراھیم، آیت: ۱

ترجمہ: یہ ایسی کتاب ہے جو ہم نے اس لئے آپ پر نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں ان کے رب کے حکم سے (ان کو) غالب قابل تعریف (اللہ) کی راہ پر چلائیں۔

سورۃ ص، آیت: ۸۷

ترجمہ: قسم ہے قرآن کی جو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔

سورۃ طٰہٰ، آیت: ۱۱۳

ترجمہ: اسی طرح ہم نے یہ قرآن عربی نازل کیا ہے۔ اور اس میں بار بار وعید (تنبیہ) بیان کی ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ پرہیزگار بن جائیں۔ یا اللہ ان کے لئے نصیحت پیدا کردے۔

سورۃ الانعام، آیت: ۵۵

ترجمہ: یہ ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے اس لئے نازل کی ہے کہ تم اس کا اتباع کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

سورۃ العنکبوت، آیت: ۵۱

ترجمہ: بلاشبہ اس (قرآن) میں ایمان والوں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔

سورۃ لقمان۔ آیات۔ ۲۔ ۳

ترجمہ: یہ حکمت اور دانائی والی کتاب کی آیات ہیں۔ جو نیک لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔

Marfat.com

سورۃ الجاثیہ، آیت: ۲۰

ترجمہ: یہ (قرآن) لوگوں کے لئے بصیرت کی باتیں ہیں اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

سورۃ الزمر، آیت: ۵۵

ترجمہ: اتباع کرو اِس (احسن) نہایت خوبیوں والی کتاب کی۔ جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

سورۃ یونس، آیات: ۵۷۔۵۸

ترجمہ: لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور ان (عوارض) کی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں شفا آچکی اور ایمان والوں کے لئے وہ ہدایت اور رحمت ہے (اے نبی) کہہ دیجیے کہ (یہ قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی وجہ سے ہے۔ پس اس سے انہیں خوش ہونا چاہیے۔ یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

سورۃ النساء، آیت: ۱۷۵

ترجمہ: اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے قطعی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور اتارا ہے۔

سورۃ المائدہ، آیت: ۱۵

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب آچکی ہے۔

سورۃ سبا، آیت: ۵۰

ترجمہ: (اے نبی) کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو گیا تو میری گمراہی کا وبال مجھی پر رہے گا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس فرمان الٰہی (قرآن) کے باعث جو رب میری طرف وحی کرتا ہے بیشک وہ سننے ولا ہے بہت قریب ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۸۹

ترجمہ: اور ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں مگر اکثر

Marfat.com

لوگوں نے انکار کرنے کے سوا قبول نہ کیا۔

۱۰۔قرآن اور گمراہی

سورۃ آل عمران، آیات: ۷۔۸

ترجمہ: جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان آیات کے پیچھے پڑتے ہیں جو متشابہات ہیں تا کہ (لوگوں میں) فتنہ کھڑا کردیں اور جو چاہیں من مانی تاویل کریں (جو صاحب ایمان ہیں وہ کہتے ہیں) اے ہمارے رب جب تو نے ہمیں ہدایت دی ہے تو ہمارے دلوں کو کج بینی سے محفوظ رکھ۔

سورۃ بنی اسرائیل، آیت: ۴۵

ترجمہ: (اے نبی) جب تم قرآن پڑھتے ہو۔ہم تمہارے اوران لوگوں کے درمیان جو آخرت کونہیں مانتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کردیتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں کہ وہ (قرآن) کو نہ سمجھیں اوران کے کانوں میں ثقل ڈال دیا ہے۔

سورۃ مائدہ، آیت: ۱۰۱

ترجمہ: اُن چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

۱۱۔متن قرآن کا تحفظ:۔

سورۃ الحجر، آیت: ۹

ترجمہ: بے شک ہم نے اس نصیحت (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

سورۃ الکھف، آیت: ۲۷

ترجمہ: اور پڑھ دیجے جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے تمہارے رب کی کتاب (قرآن) سے۔اس کے کلمات کوئی نہیں بدل سکتا۔

۱۲۔قرآن کا اتباع رسول اللہ ﷺ پر بھی فرض ہے

سورۃ الانعام، آیت: ۵۰

ترجمہ: کہہ دو کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا حال جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف جو مجھ پر وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں۔

سورۃ یونس، آیت: ۱۵

ترجمہ: میرے اختیار میں نہیں کہ میں اپنی طرف سے اسے (قرآن کو) بدل دوں۔ نہیں پیروی کرتا میں سوائے اس کے جو میرے طرف وحی کی گئی ہے۔ بیشک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے (بھی) بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

Marfat.com

باب پنجم

قرآن اور دیگر الہامی کتب کا تدوینی فرق

Marfat.com

Marfat.com

سابق کتب الہامی کی موجودہ کیفیت

ہم قرآن اور دیگر الہامی کتب کے موجودہ متون کا تقابلی جائزہ دو زاویوں اور اصولوں پر لینے کی سعی کرتے ہیں۔اول یہ کہ انداز تحریر اور مواد کے اعتبار سے کیا کتاب یا کتب کو کلام ربانی اور الہامی قرار دیا جا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ جن کتب کے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے ان کتب کے متن کس حد تک خالص، غیر محرف اور غیر الحاقی ہیں اور ان کے موجودہ نسخے کس حد تک قدیم الاصل اور معتبر ہیں۔

بہتر ہوگا کہ ہم ان اصول و شرائط کا تعین کر لیں جن کی کسوٹی پر کس کر کسی کلام کو ربانی اور الہامی قرار دیا جا سکے۔ ہمارے خیال میں کلام ربانی اور الہامی میں درج ذیل خصوصیت اور شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

کلام ربانی کی خصوصیات

یہ عام سا قاعدہ ہے کہ صرف اس کلام کو مقرر کا کلام اور اس تحریر کو مصنف کی تحریر قرار دیا جاتا ہے جس کے الفاظ میں ردوبدل نہ کیا گیا ہو اور جو کلیتاً مقرر یا مصنف کے الفاظ پر مبنی ہو۔ اگر آپ کسی کتاب کی حرف بہ حرف نقل کرتے ہیں تو نقل کردہ کتاب اپنے مصنف کی کتاب تسلیم کی جائے گی اور آپ کو اس کتاب کا کاتب قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر آپ اپنی تصنیف میں کسی اور شخص کی تصنیف سے کوئی اقتباس درج کرتے ہیں تو وہ اقتباس بھی آپ ہی کی تصنیف کا حصہ بن جائے گا اور آپ کی ذمہ داری ہوگی کہ آپ ثابت کریں کہ وہ اقتباس اسی تصنیف کا حصہ ہے جس کا حوالہ آپ نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ اس عام اور معروف اصول کے مطابق کتاب ربانی یا الہامی اسی کتاب کو قرار دیا

Marfat.com

جا سکتا ہے جس کا ایک ایک حرف الہامی اور ربانی کلام و کتاب کا حصہ ہو۔ جس کے تمام و کمال الفاظ کلام ربانی قرار دیے جا سکیں اور جس کا انداز کلام، واحد متکلم کے کلام کا نمونہ ہو۔ اگر آپ اپنی تقریر یا تحریر میں کتاب ربانی کا کوئی جملہ دہراتے ہیں تو عام اصول کے مطابق ربانی کلام کا وہ جملہ بھی آپ کی تحریر و تقریر کا حصہ بن جائے گا۔ لیکن کلام ربانی کے چند جملے نقل و بیان کرنے سے آپ کا پورا کلام ربانی کلام قرار نہ دیا جا سکے گا۔ ایسے کلام کو آپ ہی کا کلام تسلیم کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں کلام ربی سے ماخوذ جملے کو بیان کرنے کے بھی دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ ربانی کلام کو اس کے اصل الفاظ میں حرف بہ حرف نقل کر دیں۔ مثلاً آپ نے کلام ربانی میں درج یہ جملہ اصل الفاظ میں اس طرح لکھا ''جو میری نافرمانی کرے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا''۔ اس جملہ کی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو ذات اس کی نافرمانی کرنے والے کو جہنم میں ڈال سکتی ہے۔ یہ کلام واحد متکلم کے صیغہ میں کیا گیا ہے اور یہ براہ راست متکلم کے الفاظ میں ادا ہوا ہے۔ اسی بات کو آپ اگر اپنے الفاظ میں اس طرح ادا کریں کہ ''رب الافواج ہمارا خدا کہتا ہے کہ جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا اس شخص کو وہ جہنم میں ڈال دے گا۔ اس قسم کا جملہ کلام ربانی نہیں بلکہ آپ کا کلام ہے۔ آپ نے ربانی کلام کے الفاظ سے جو کچھ اخذ کیا وہ اپنے الفاظ میں بیان کر دیا۔ بات اور اس کا مطلوب و مقصود گرچہ ایک ہی ہے لیکن الفاظ کا تعلق کلام ربانی سے کٹ کر آپ کے کلام سے جڑ گیا۔ اسی لیے ایسے جملوں کو کلام ربانی قرار نہ دیا جائے گا۔

درج بالا شرائط پر اگر متن قرآن کو پرکھا جائے تو پورا متن قرآن ان شرائط کی کسوٹی پر ربانی اور الہامی کلام ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دیگر الہامی کتب کے موجودہ متون قرآن کے انداز کلام سے بالکل مختلف ہیں۔ اسی لیے وہ ان شرائط پر پورے نہیں اترتے جو کسی کلام کے ربانی یا الہامی ہونے کے لیے ضروری ہیں۔

قرآن میں احکام و ہدایات براہ راست واحد متکلم کے صیغہ میں دیے گئے ہیں۔ قرآن میں ایسی عبارات بھی موجود ہیں جنہیں پڑھنے کا حکم قُل کہہ کر اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے۔ اللہ نے کفار کے اعتراضات کا جواب بھی اپنے الفاظ اور دلائل کے

Marfat.com

ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے دلوایا ہے اور ان سوالات کا جواب بھی بتایا ہے جو اہل ایمان رسول اللہ ﷺ سے کرتے تھے۔ ایسے تمام کلام کا انداز واضح طور پر ثابت وظاہر کرتا ہے کہ یہ بات اللہ اپنے رسول سے براہ راست کہہ رہا ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے رسول کا کلام نہیں۔ سابق انبیاء کا ذکر قرآن میں بھی ہوا ہے لیکن صرف ان کے چند سبق آموز واقعات کا۔ کسی نبی کی سوانح قرآن میں درج نہیں کی گئی۔ قرآن میں مختلف انبیاء کی امتوں اور ان امتوں کی سرکشی اور پھر اس سرکشی کے عبرتناک انجام کا ذکر بھی کیا گیا ہے لیکن کسی نبی کی کردارکشی نہیں کی گئی۔ کسی نبی کو اللہ سے سرکشی یا زنا، قتل اور فریب کاری سے متہم نہیں کیا گیا۔ قرآن سے انبیاء کا جو کردار مرتب ہوتا ہے وہ اللہ کے نہایت فرماں بردار، متقی اور اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کے حامل شخصیات کا سا کردار ثابت ہوتا ہے۔ ایسا کردار جو لوگوں کے لیے مثالی اور قابل تقلید ہو۔ انبیاء کو مبعوث کرنے کا مقصد بھی یہ ہی تھا کہ لوگ انہیں دیکھ کر ان کی تقلید کریں اور راہ ہدایت ونجات پائیں۔

قرآن محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اگر اس میں آپ کی ولادت، موت اور دیگر واقعات اور مکالمات کا ذکر کیا جاتا تو یہ نہایت غیر موزوں اور لاحاصل بات ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حالات زندگی کی تفصیل بتانا بے تکی بات ہوتی۔ خود آپ اور آپ کے اصحاب کبار حتیٰ کہ کفار مکہ و مدینہ بھی آپ کے حالات زندگی سے واقف تھے۔ اگر قرآن میں آپ کے حالات زندگی کا ذکر آنے والی نسلوں کو باخبر کرنے کے لیے کیا جاتا تو بھی یہ امر فضول ہوتا۔ آپ کے اقوال اور احوال سے آنے والی نسلوں کو آگاہ کرنے کے لیے صحابہ موجود تھے۔ انہوں نے اور ان کی اولاد در اولاد نے یہ کام بخوبی انجام دے دیا۔ اس کام کے لیے وحی جیسے اہم معجزاتی عمل کو استعمال کرنا کسی طور درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے چند اہم حالات کا ذکر اشاروں کنایوں میں کر کے اس واقعہ کے حوالہ سے یا تو اللہ نے آپ کو کوئی ہدایت وحکم دیا ہے یا پھر اپنی خوشنودی یا ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ قرآن کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ سیرت و کردار آپ کی زندگی کے مقصد مصرف آپ کی عبدیت اور خشیت الٰہی کی کیفیت اور آپ

Marfat.com

کے اعزازات، خطابات اور آپ پر اللہ کی نوازشات کا تو پورا پورا خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے لیکن آپ کی زندگی کی تاریخ یا سوانح مرتب نہیں کی جاسکتی۔ یہ عیب دیگر الہامی کتب کے موجودہ متن میں پایا جاتا ہے کہ جس نبی پر جو کتاب نازل ہوئی اس کتاب میں اس نبی کی پیدائش سے موت تک کے تمام حالات نبی کے مکالمات کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔

قرآن میں اللہ کی ذات اور صفات کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ تصور ہر عیب اور ہر پستی سے پاک ایک ایسے خدا کا تصور ہے جس نے یہ ناپیدا کنار کائنات تخلیق کی اور اس وقت تخلیق کی جب نہ فرشتے تھے نہ زمان ومکاں کا وجود تھا۔ نہ کوئی شے تھی اور نہ ہی کسی شے کا تصور مطلق نفی اور کامل عدم کے عالم میں اللہ نے اپنے علم مطلق کے ذریعہ اس کائنات کو تشکیل کیا اور وہ بلا شرکت غیرے اس کائنات کا خالق و مالک بن گیا۔ اس نے لاکھوں کروڑوں ضوابط اور قوانین فطرت تخلیق کیے اور کائنات کے ذرات سے لے کر عظیم الجثہ اجرام فلکی کو ان ضوابط اور قوانین کا پابند بنا دیا جبکہ وہ خود ہر قانون اور ہر ضابطہ کی پابندی سے آزاد اور بے نیاز رہا۔ ایسے عظیم، حکیم اور لامحدود خدا کا تصور صرف قرآن دیتا ہے کوئی اور کتاب نہیں دیتی۔ ایسے قادر اور لامحدود خدا کے لیے یہ نہایت عجیب اور تحقیر کی بات ہوگی کہ وہ اپنی تخلیق کردہ کسی ذات میں حلول کر جائے یا وہ صاحب اولاد ہو کر مزید خدا یا خداؤں کو جنم دے ڈالے۔ اسے کسی بھی چھوٹے بڑے خدا کی معاونت درکار نہیں۔ وہ واحد ہے اور اس نے واحد رہ کر ہی لامحدود کائنات کو تخلیق کیا تھا۔ کائنات کے تخلیق کے بعد ایسی کیا ضرورت لاحق اور مصلحت لازم ہوسکتی تھی کہ دوسرے خداؤں کو جنم دیا جاتا۔

دوسری الہامی کتب کا موجودہ متن قرآن کے درج بالا انداز اور نہج سے بالکل مختلف ہے۔ یہود کے عہد نامہ عتیق میں جو انتالیس کتب شامل ہیں ان میں سے توراۃ اور زبور ان دو کتب کا ذکر بطور الہامی کتاب قرآن میں ہوا ہے اس لیے ہم پہلے ان دو کتب کے موجودہ متن کی عام حالت پر تبصرہ کرتے ہیں۔ توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس کتاب کے موجودہ متن میں حضرت موسیٰ کی پیدائش سے لے کر موت اور موت کے بعد کے بھی کچھ حالات کا مفصل ذکر موجود ہے۔ اس کتاب میں خود حضرت

Marfat.com

موسیٰ اور ان کے حواریوں وغیرہ کے مکالمات اور حالات بھی درج ہیں اور آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام، ان کے بیٹوں، حضرت موسیٰ کے جانشین حضرت یشع کے اقوال واحوال کا بھی تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں بنی اسرائیل کا شجرہ نسب بھی تفصیل سے موجود ہے اور مردم شماری کے اعداد بھی۔ اس کتاب کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ اس میں کلام ربانی کون سا ہے اور کلام الحاقی کون سا۔ بظاہر تمام کا تمام کلام کسی مورخ اور تاریخ نویس کا بیان نظر آتا ہے اور یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اس کتاب کے متن کو حضرت موسیٰ کے بہت بعد کسی ایک یا کئی تذکرہ نگاروں نے تحریر کیا ہے۔

توراۃ کے موجودہ متن سے خدا کا جو تصور مرتب ہوتا ہے وہ نہایت خام اور دیومالائی خداؤں کا ہے۔ یہود کا خدا دن کو بادل کے اور رات کو آگ کے میناروں کی صورت میں خیمہ اجتماع یا خیمہ عبادت میں آتا جاتا رہتا ہے۔ وہ جنگ میں راستہ بتانے والے رہبر کی خدمات انجام دیتا اور یہود کے لشکر کے آگے چلتا رہتا ہے۔ اس کتاب کا خدا کافی جذباتی اور کم فہم بھی نظر آتا ہے۔ وہ یہود کی نافرمانیوں پر بار بار یہود کو فنا کر ڈالنے کا قصد کرتا ہے لیکن حضرت موسیٰ اسے سمجھاتے ہیں کہ تو نے بنی اسرائیل کو فلسطین کا جنت نظیر علاقہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر تو انہیں آج فنا کر ڈالے گا تو کفار کہیں گے کہ خدا اپنے عہد سے پھر گیا۔ موسیٰ کے سمجھانے پر اس جذباتی اور کم عقل خدا کی سمجھ میں بات آ جاتی ہے اور وہ یہود کو فنا کر ڈالنے سے رک جاتا ہے۔

توراۃ کے موجودہ متن کا سب سے زیادہ قابل اعتراض بلکہ ناقابل برداشت حصہ وہ ہے جس میں قریب قریب تمام انبیاء کرام پر نہایت غلیظ اور رکیک ترین تہمتیں لگائی گئی ہیں۔ یہ سب بنی اسرائیل کے ہی انبیاء تھے۔ کسی نبی پر تہمت لگائی گئی کہ اس نے اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا اور اس زنا سے بیٹیاں حاملہ ہو گئیں اور ان کے بیٹے پیدا ہوئے جن سے اس نبی کی نسل چلی۔ کسی پر تہمت لگائی کہ اس نے جھوٹ بول کر اپنی بیوی کو بادشاہ کے حرم میں بھجوا دیا اور اس بنا پر بہت سا مال مویشی حاصل کیے۔ خود حضرت یعقوب جن کا لقب اسرائیل تھا ان پر تہمت لگائی کہ انہوں نے اپنے نابینا باپ حضرت اسحٰق کو دھوکا دے کر خود کو حضرت اسحٰق کا بڑا بیٹا عیسو ظاہر کر کے ان سے خلافت اور برکت حاصل کر لی۔ کسی

Marfat.com

نبی پر اپنی بہو کے ساتھ زنا کرنے اور اس زنا کا بھرے مجمع میں بھانڈا پھوٹ جانے کی تہمت لگائی گئی۔ ان تہمتوں کو توراۃ جیسی مقدس کتاب میں پڑھ کر یہ ہی اثر مرتب ہوسکتا ہے کہ جب ایسے برگزیدہ انبیاء زنا، فریب اور قتل وغیرہ گناہوں سے پاک نہ رہ سکے تو ہم کیسے بچ سکتے ہیں۔ اس لیے ان گناہوں کو سنت انبیاء سمجھو اور بلا جھجک انہیں اختیار کرلو۔ ایسا غلیظ جھوٹا بیان جو انبیاء کرام کی شخصیت کو مسخ کرڈالے نہ تو خدا کا ہی ہوسکتا ہے اور نہ ہی ایسے بیانات کو وحی اور الہام کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ خدا نے انبیاء کو ہدایت دینے اور لوگوں کی اصلاح کرنے کے لیے دنیا میں بھیجا تھا خلق خدا کو گمراہ کرنے اور انہیں جہنم کا راستہ دکھانے کے لیے نہیں۔ خدا عدو الناس نہیں مالک الناس ہے۔ انسانوں کو گمراہ کرنے اور ان کا کردار تباہ کر کے جہنم بھجوانے کا کام نوع بشر کے دشمنوں کا ہوسکتا ہے اور نوع بشر سے دشمنی کا اعلان ابلیس نے کیا تھا خدا نے نہیں۔ اس لیے یہود کی کتب مقدسہ میں انبیاء کی کردار کشی کا کام ابلیس اور اس کے مخصوص کارندے ہی کرسکتے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ یہود ہمیشہ ابلیس کے سب سے زیادہ سرگرم کارکن رہے ہیں۔ انہوں نے ہی کلام ربانی کو بدلا، من پسند قصے اور قابل اعتراض اقوال گھڑ کر اپنی کتب مقدسہ میں داخل کیے۔ اس حقیقت کو سب سے پہلے قرآن نے ظاہر کیا تھا بعد میں دور جدید کے محققین نے ان کتب میں تحریف و الحاق کی تصدیق کی۔ قرآن میں کئی جگہ کتب الہامی میں تبدیلی اور الحاق کا ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیات کا ترجمہ:

سورۃ البقرۃ، آیت ۷۵

ترجمہ: ان (یہود) میں ایک طبقہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا اور پھر اسے بدل ڈالتا تھا جانتے بوجھتے ہوئے۔

سورۃ النساء، آیت ۴۶

ترجمہ: یہ (یہود) لوگ (اللہ کے) کلام کو اس کی اصل جگہ سے بدل دیتے تھے۔

سورۃ البقرۃ، آیت ۷۹

ترجمہ: وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ (کتاب) اللہ کی طرف سے (آئی) ہے۔

Marfat.com

قرآن میں یہود و نصاریٰ کے علماء سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم اپنی الہامی کتب کو چھپاتے کیوں ہو انہیں ظاہر کیوں نہیں کرتے اور یہ کہ تم اپنی الہامی کتب کے احکام کے مطابق فیصلے کیوں نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے دور تک یہود و نصاریٰ کے پاس اصل الہامی کتب کے کچھ حصے یا اوراق موجود تھے جنہیں ان کے علماء عام یہود و نصاریٰ پر ظاہر نہ کرتے تھے۔ یہ حال تو اس وقت تھا جب قرآن نازل ہو رہا تھا۔ نزول قرآن کے بعد چودہ سو سال اور گزر گئے۔ ان چودہ سو سال میں یہود و نصاریٰ نے وہ رہے سہے اوراق بھی تلف اور تبدیل کر ڈالے۔ اب جو کچھ ہے الحاقی کلام ہے اس میں الہامی کلام تلاش کرنا ممکن نہیں۔

توراۃ اور زبور کی تدوین کن اندھیروں اور روایات و قیاسات کے کن کن دھندلکوں میں مستور ہے یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے جس پر مختلف دور میں مختلف محققین نے اپنی تحقیق کی تفصیل لکھی ہے اور ان کا تحقیقی کام مختلف سنین میں شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا برٹینکا وغیرہ میں چھپ چکا ہے۔ اس موضوع پر کچھ تحریر کرنے سے قبل ہم اپنے قارئین کو موجودہ عہد نامہ عتیق میں شامل کتب سے متعارف کرا دینا چاہتے ہیں۔

کتب توراۃ

موجودہ عہد نامہ عتیق میں شامل کتاب تورات کو پانچ حصوں میں منقسم کیا گیا ہے انہیں صحائف خمسہ (PENTATEUCH) کہا جاتا ہے ان صحائف کے نام اور ان کے موضوعات درج ذیل ہیں۔

ا۔ تکوین یا پیدائش (GENESIS)

اس کتاب میں آفرینش آدم سے لے کر حضرت موسیٰ کی پیدائش سے قبل کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں اخلاق کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے ساتھ ایسا مواد بھی شامل کیا گیا ہے جس سے نوع بشر میں بنی اسرائیل کا سب سے افضل اور اشرف ہونا ثابت ہوتا ہے۔

Marfat.com

۲۔ کتاب خروج (EXODUS)

اس کتاب میں حضرت موسیٰ کی پیدائش سے لے کر کوہ طور پر اللہ کے بعض احکام نازل ہونے۔ صحرائے سینا میں خیمہ اجتماع قائم کرنے فرعون مصر کی غلامی سے بنی اسرائیل کو آزاد کرانے اور حضرت موسیٰ کے معجزات کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

۳۔ کتاب احبار یا لاویین (LEVITICUS)

اس کتاب میں حرام وحلال اشیا کی تفصیل۔ زمین اور زراعت وغیرہ کے متعلق شرعی احکام۔ قربانی اور عبادات کے طریقے اور کاہنوں کے لئے ہدایات درج ہیں۔

۴۔ کتاب گنتی (NUMBERS)

اس کتاب میں بنی اسرائیل کے صحرائے سینا سے خروج کا ذکر کیا گیا ہے اور حضرت یعقوب جن کا لقب اسرائیل تھا ان کی اولاد کے شجرے۔ حضرت ہارون کی وفات اور اردن کی فتح کے متعلق بشارۃ اور میراث وغیرہ کے متعلق شرعی احکام درج ہیں۔

۵۔ کتاب استثنا یا تقشینہ (DEUTERONOMY)

اس کتاب میں شریعت کے بہت سے احکامات اور مشہور دس احکام ربانی (TEN COMMANDMENTS) درج ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل کے تاریخی پس منظر پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے یہ کتاب حضرت موسیٰ کی وفات کے ذکر پر ختم ہو جاتی ہے۔

تورات کے درج بالا پانچ ابواب کے مضامین میں احکام شریعہ بھی شامل ہیں لیکن مجموعی مواد کا بمشکل پانچ فیصد حصہ احکام شریعہ پر محیط ہے باقی تمام مواد تاریخی واقعات۔ مکالمات اور غیر ضروری تفصیلات پر مشتمل ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ شرعی احکامات کو الہامی کلام کہہ سکتے ہیں باقی جو کچھ ہے وہ یہود کا خود ساختہ الحاقی کلام ہے۔

Marfat.com

عہد نامہ عتیق کی دیگر کتب

تورات اور زبور یہ دو کتب قرآن کے مطابق الہامی کتاب ہیں لیکن یہود نے ان کتب کے علاوہ مزید سینتیس کتب کو بھی الہامی اور مقدس قرار دے کر عہد نامہ عتیق میں شامل کیا ہے۔ اس طرح عہد نامہ عتیق میں کل انتالیس کتب ہیں ان انتالیس کتب کو دو بڑے حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں انبیاء کی کتب ہیں اور دوسرے حصے میں صحف مقدسہ ہیں (HAGIOGRAPHIA) ان دو اقسام کی کتب کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ میں دور اول کے انبیاء کی کتب ہیں اور دوسرے میں دور آخر کے انبیاء کی کتب ہیں۔ انبیاء اول کے حصہ میں یہ چار کتب شامل ہیں۔

(۱) کتاب یشوع (JOSHUA) (۲) کتاب قضاۃ (JUDGES)

(۳) کتاب سموئیل (SAMUEL) (۴) کتاب سلاطین (KINGS) حصہ اول اور دوم۔

آخری دور کے انبیاء کی کتب کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ انبیاء اکابر اور انبیاء اصاغر کی کتب کی تدوین الگ الگ کی گئی ہے آخری دور کے انبیاء اکابر کی کتب تین ہیں۔

(۱) کتاب حزقی ایل (EZKIEL) (۲) کتاب یسیعاء (ISAIAH)

(۳) کتاب یرمیاہ (JEREMIAH)

انبیاء اصاغر کی کتب (MINOR PROPHETS) دانی ایل۔ عزرا۔ یوایل۔ یوحنا اور زکریا وغیرہ انبیاء کی کتب ہیں۔ کتب مقدسہ (HAGIOGRAPHIA) کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ ان کے ایک حصہ کو صحف اشعار یعنی منظوم کلام کا نام دیا گیا ہے۔ دوسرے حصہ کو نثر و نظم کی کتب خمسہ (MEGILLOTH) کہا جاتا ہے اور تیسرے حصے میں عہد نامہ عتیق کی بقیہ کتب ہیں۔ پہلے حصہ میں شامل کتب یہ ہیں۔

(۱) زبور (PSALMS) یہ ڈیڑھ سو مناجات پر مشتمل کتاب حضرت داؤد علیہ

Marfat.com

السلام سے منسوب ہے۔لیکن یہ وہ الہامی کتاب نہیں جس کا ذکر قرآن میں ہے۔اس کتاب میں درج منظوم کلام حضرت داؤد علیہ السلام کا بتایا گیا ہے جبکہ مغربی ممالک کے محققین نے ثابت کیا ہے کہ یہ کلام مختلف دور کے مختلف شعراء کا ہے۔ بہ ہر نوع یہ کلام اللہ نہیں ہے۔

(۲) جزوی طور پر منظوم کلام کا نام عہد نامہ عتیق میں۔یوب (JOB) تحریر کیا گیا ہے۔

(۳) تیسری منظوم کتاب کو امثال (PROVERB) کہتے ہیں۔

کتب مقدسہ کے دوسرے حصے کی پانچ کتب (MEGILLOTH) میں یہ کتب شامل ہیں۔

(۱) کتاب نوحہ یا مراثی (LAMENTATION) دیوار گریہ کے سامنے کتاب نوحہ کو پڑھکر یہود گریہ وزاری کرتے ہیں۔

(۲) غزل الغزلات یا نشید الانشاء (SONG OF SONGS) اس کتاب میں درج غزلیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی بتائی گئی ہیں۔ان غزلوں میں عورت کے نسوانی اعضاء کی تعریف نہایت عریاں طور پر کی گئی ہے ایسا کلام کسی نبی کا نہیں ہوسکتا۔

(۳) روت یا راعوت (RUTH) یہ کتاب روت نامی عورت سے منسوب ہے جس نے داؤد علیہ السلام کے جد کو جنم دیا تھا۔

(۴) کتاب جامع سلیمان (ECCLESIASTS) اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی پند ونصائح اور دیگر باتیں درج ہیں۔

(۵) آستر (ESTHER) اس کتاب میں آستر نامی یہودی عورت جو اخمسو یرس بادشاہ کی ملکہ تھی اور یہودی عالم مردکی کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

عہد نامہ عتیق کی درج بالا تمام کتب کی زبان عبرانی تھی صرف عزرا اور دانیال کے درمیان چند مکالمے قدیم آرامی زبان میں درج ہوئے تھے۔تیسری صدی قبل مسیح سے پہلی صدی قبل مسیح تک قریباً دوسو سال تک ان کتب کا عبرانی سے یونانی زبان میں

Marfat.com

ترجمہ کیا جاتا رہا۔

تدوین توراۃ

عہد نامہ عتیق کی انتالیس کتب میں سے سب سے زیادہ قدیم اور ضخیم کتاب توراۃ ہے۔ اس کی شہرت کے باعث لوگ عہد نامہ عتیق کو بھی توراۃ کہہ دیتے ہیں۔ یہ الہامی کتاب حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی۔ توراۃ کتاب استثنیٰ، باب ۳۱، آیت ۲۴ تا ۲۹ میں لکھا ہے:

ترجمہ: اور ایسا ہوا جب موسیٰ ان شریعت کی باتوں کو ایک کتاب میں لکھ چکا اور وہ ختم ہو گئیں تو موسیٰ نے لادیوں سے جو خداوند کے عہد (کتاب) کے صندوق کو اٹھایا کرتے تھے کہا کہ اس شریعت کی کتاب کو لے کر خداوند کے عہد کے صندوق کے پاس رکھ دو تا کہ یہ تمہارے مقابل گواہ رہیں۔ کیونکہ میں تمہاری بغاوت اور سرکشی کو جانتا ہوں۔ دیکھو ابھی تو تم میرے جیتے جی خداوند سے بغاوت کرتے رہے ہو۔ میرے مرنے کے بعد تم کتنا زیادہ نہ کرو گے۔ تم اپنے قبیلوں کے تمام سرداروں اور منصب داروں کو جمع کرو تا کہ میں یہ باتیں ان کے کانوں میں ڈال دوں اور آسمانوں اور زمین کو ان کے مقابل گواہ بناؤں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد تم خود کو بگاڑ لو گے اور اس راہ سے جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے پھر جاؤ گے۔ تب آخری ایام میں تم پر آفت ٹوٹے گی کیونکہ تم اپنے عمل سے خداوند کو غصہ دلانے کے لیے ایسے کام کرو گے جو اس کی نظر میں برے ہیں۔

کتاب استثنیٰ کی ان آیات سے دو باتوں کا تعین ہوتا ہے۔ اول یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کتاب لکھی تھی وہ صرف شریعت کے احکام پر مشتمل تھی۔ غالباً یہی وہ کتاب تھی جسے قرآن میں توراۃ کہا گیا ہے جو بذریعہ وحی حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ توراۃ کے موجودہ نسخے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب غیر الہامی اور الحاقی کلام ہے۔ کتاب استثنیٰ کی یہ آیات بھی الحاقی ہیں کیونکہ ان آیات میں حضرت موسیٰ کا بیان نقل

Marfat.com

کیا گیا ہے۔ شریعت کی وہ باتیں نقل نہیں کی گئیں جو حضرت موسیٰ نے کتاب میں لکھی تھیں۔ دوسری بات یہ کہ یہود کی سرکشی سے حضرت موسیٰ بھی واقف او نالاں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی امت نے خدا سے بغاوت اور سرکشی ان کی زندگی میں بھی کی ہے۔ ان کے مرنے کے بعد یہ امت حد سے زیادہ سرکشی کرے گی اور بالآخر خود کو بگاڑ کر قہر الٰہی میں مبتلا ہو جائے گی جیسا کہ بعد میں ہوا۔ ان آیات سے ایسا لگتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو احساس تھا کہ ان کی امت احکامات الٰہی کو بھی متغیر کر دے گی۔ اس لیے انہوں نے تمام قبائل کے سرداروں اور منصب داروں کو بلانے اور ان کے سامنے شریعت الٰہی کی یہ کتاب رکھ کر ان کے اور اپنے درمیان آسمانوں اور زمین کو گواہ بنانے کی بات کی۔ یہ گواہی اس امر کی تھی کہ حضرت موسیٰ بحیثیت نبی اللہ کے احکام اپنی امت تک لکھ کر اور زبانی دونوں طرح پہنچا چکے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے فرض منصبی کو پورا کر چکے۔ اب اگر ان کی امت سرکشی کرے گی اور احکام الٰہی کو بدلے گی یا ان کی تعمیل نہ کرے گی تو وہ اپنے کیے کی خود ذمہ دار ہوگی۔ اس کے نتیجہ میں خدا کا جو قہر نازل ہوگا وہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔

توراۃ کے متعلق یہود میں یہ روایت عرصہ سے چلی آ رہی ہے کہ خدا نے موسیٰ کو طور پر چالیس دن تک دو قسم کی تعلیم دی۔ ایک تعلیم احکام شریعت کی تھی جسے توراۃ میں درج کر دیا گیا اور طور پر پتھر کی سلوں میں خدا کے دس احکام بھی کندہ ہو گئے تھے۔ دوسری تعلیم ان عقائد و روایات کی دی جنہیں خدا نے لکھوایا نہیں بلکہ زبانی بتایا اور موسیٰ کے ذہن میں پوری طرح بٹھا دیا۔ یہود کے مشائخ نے بلا ثبوت محض قدیمی روایات کی بنیاد پر دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے موسیٰ کو توراۃ دی تھی تو توراۃ کے مفاہیم اور مطالب بھی سمجھائے تھے اور یہ حکم بھی دیا تھا کہ توراۃ کو لکھا جائے اور اس کی اس تفسیر کو جو خدا نے موسیٰ کو بتائی ہے صرف یاد رکھا اور زبانی بتایا جائے۔ اس حکم کے مطابق یہ تفسیر جو بیشتر روایات اور امثال پر مبنی تھی اس کی نسلاً بعد نسل زبانی تعلیم دی جاتی رہی اور ان روایات اور امثال کے بغیر توراۃ کی تفسیر کرنا غیر ممکن قرار دے دیا گیا۔ محقق آدم کلارک نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۷۵۱ء میں اور ہورن نے اپنی کتاب میں یہود کے ان دعوؤں اور متعلقہ روایات کی یہودیوں میں اہمیت کے متعلق تفصیل پیش کی ہے۔ آدم کلارک نے لکھا ہے کہ یہود کی کتب میں تحریر ہے کہ "لکھا

ہوا قانون سادہ پانی کی طرح ہے اور مثنا اور تالمود کی بیان کردہ روایات جو دونوں مذہبوں میں منضبط ہیں سیاہ مرچ والی شراب کی طرح ہیں۔'' ان کتب میں اس کی مثال یہ بھی دی گئی ہے کہ لکھا ہوا قانون یعنی توراۃ نمک کی مانند ہے اور مثنا اور تالمود سیاہ مرچ اور میٹھے پھل کی طرح ہیں۔ ان کتب سے واضح ہوتا ہے کہ یہود کا ایک طبقہ لکھے ہوئے قانون پر زبانی روایات کو فوقیت اور اہمیت دیتا تھا اور اللہ کے قانون کو ان زبانی روایات کے بغیر سمجھنا ناممکن اور گمراہ کن قرار دیتا تھا۔ ان کی نظر میں لکھے ہوئے قانون کی حیثیت مردہ جسم سے زیادہ نہ تھی اور وہ زبانی روایات کو روح کا درجہ دیتے تھے۔ ان شیوخ کا کہنا ہے کہ کوہ طور پر چالیس یوم تک موسیٰ نے خدا سے لکھے ہوئے قانون اور زبانی قوانین و روایات کی تعلیم لی اور طور سے واپس آ کر حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنے خیمہ میں بلا کر پہلے انہیں لکھا ہوا قانون سکھایا اور پھر وہ روایات سکھائیں جو لکھے ہوئے قانون کی شرح و تفسیر تھیں۔

یہود کا صدوقی فرقہ اور عیسائیوں کا پروٹیسٹنٹ فرقہ مذکورہ زبانی روایات کو تسلیم نہیں کرتا اور وہ کتب مقدسہ کی تفسیر الفاظ کے معنی کی حدود میں رہ کر کرتا ہے روایتوں اور امثال کے ذریعے نہیں کرتا جبکہ یہود کا فریسی فرقہ کتب مقدسہ کی تفسیر اور تعبیر ان کے الفاظ کی معنوی حدود میں رہ کر کرنے کی بجائے اپنے خیال اور ان روایات و امثال کے ذریعہ کرتا ہے۔ تفسیر کے اس اختلاف کے باعث یہود کے صدوقی اور فریسی طبقہ میں ایسی ہی مخالفت اور خونریزی صدیوں تک جاری رہی جیسے بعد میں عیسائیوں کے کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ فرقوں کے درمیان مخالفت اور خونریزی ہوتی رہی تھی۔ یہود کے فریسی اور صدوقی فرقوں کے درمیان خونریزی اور فساد کے باعث رومی افواج کو بار بار مداخلت کر کے نظم و نسق بحال کرنا پڑتا تھا۔ ان فرقوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے روم کے حکمران طیطوس (Taitus) نے اپنا ایک سفیر یروشلم بھجوایا جسے یہود نے قتل کر دیا۔ اپنے سفیر کے قتل کا انتقام طیطوس نے اس طرح لیا کہ یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس وقت موجود ہیکل سلیمانی کی نوتعمیر عمارت کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر اس جگہ اپنے دیوتاؤں کا بت کدہ تعمیر کرا دیا۔ یہودی قوم کے تابوت میں یہ آخری کیل تھی جو طیطوس کے ہاتھوں

ٹھونکی گئی۔

راقم کا اندازہ ہے کہ یہود میں سب سے زیادہ منفی اور ابلیسی لوگ فریسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی فرقہ کے لوگوں نے ابتدا میں درپردہ اپنے الہامی مذہب کو بدلنے اور خودساختہ نسلی مذہب تخلیق کرنے کی کوشش کی۔ اسی فرقہ کے لوگوں نے روایات گھڑیں اور روایات کو تحریری قوانین الٰہی پر ترجیح اور فوقیت دی حتیٰ کہ الہامی کتب کو ان روایات کا تابع بنادیا اور روایات کے ذریعہ کلام و احکام ربانی کو منسوخ کیا جانے لگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الہامی دین کو مشرکانہ دین بنانے والا سینٹ پال بھی فریسی مذہب سے تعلق رکھتا اور فریسی مذہب کا بہت بڑا عالم تھا۔ دین اسلام کی بیخ کنی کرنے اور عالم اسلام میں ذہنی اور سیاسی فساد بپا کرنے والا عبداللہ بن سبا بھی فریسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سینٹ پال اور عبداللہ بن سبا دونوں کا طریقہ واردات اور حکمت عملی ایک جیسی تھی۔ مسلمانوں میں معتزلہ فرقہ پیدا کرنے والے بھی وہ نومسلم یہودی تھے جو فریسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے عبرانی لفظ فریسی کا عربی ترجمہ معتزلہ کیا اور معتزلہ طبقہ کی بنیاد یونانی منطق اور فلسفہ کے افکار و انداز پر قائم کردی۔ آج بھی یہود کی خفیہ تنظیم کے سرکردہ افراد کی اکثریت شاید اسی فریسی فرقے سے تعلق رکھتی ہے۔ بہرکیف یہود کے قدیم مذہبی ادب سے واضح ہوتا ہے کہ یہود کے علماء اور مشائخ نے الہامی کتب کو روایات کے تابع مہمل بناڈالا تھا۔ بعد میں سینٹ پال کے ساختہ عیسائی مذہب کے علماء اور مشائخ نے بھی تحریری قوانین پر زبانی روایات کو فوقیت دی اور اپنی کتب کو بھی روایات کا تابع بنادیا۔ ان کی تحریروں اور مروجہ عقائد سے ثابت ہوتا ہے کہ تحریری احکام شریعت کی حیثیت رکھتے تھے اور علم ظاہر تصور کیے جاتے تھے اور غیر تحریری اور سینہ بہ سینہ روایات اور ہدایات کی حیثیت طریقت اور علم باطن کی تھی۔ شریعت اور طریقت اور علم ظاہر اور علم باطن کی جو تفریق ڈھائی ہزار سال قبل یہودی مفسدوں نے قائم کی تھی وہ تفریق پہلے عیسائیوں میں مروج ہوئی اور پھر مسلمانوں میں داخل ہوگئی۔ اسی تفریق نے یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں مذاہب میں تصوف کو جنم دیا۔ صوفیا کا سب سے پہلا طبقہ یہود میں پیدا ہوا جسے یہود کا مرتاض فرقہ کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

عہد نامہ عتیق میں شامل انتالیس کتب کی تدوین کے متعلق قابل اعتبار حقائق تقریباً مفقود ہیں۔ مختلف اور متضاد روایتوں نے مسئلہ کو اور زیادہ الجھا دیا ہے۔ ان کتب کی تدوین اور تاریخ سے متعلق زیادہ تر معلومات خود ان ہی کتب سے حاصل ہوئی ہیں۔ عہد نامہ عتیق کا کوئی قدیمی نسخہ آج موجود نہیں۔ ان کتب کے متعلق جو بھی نسبتاً قابل اعتبار روایات ملتی ہیں وہ ان کتب کے نسخوں کی تباہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ تاریخ اور عہد نامہ عتیق کی بعض کتب بتاتی ہیں کہ ۷۰۵ قبل مسیح سے لے کر ۱۳۵ قبل مسیح تک عرض فلسطین اور یہود کی سلطنت بڑے قاہر اور سفاک حملہ آوروں کی جولا نگاہ بنی رہی۔ سب سے پہلے آشوریوں نے سامری علاقہ کا محاصرہ کیا اور پھر سامریوں کے علاقوں کو فتح کر کے انہیں تاخت و تاراج کر دیا۔ یہود کی کتب مقدسہ کی حالت اس سے قبل بھی زیادہ بہتر نہ تھی۔ ان کتب کے نسخوں کی تعداد بہت کم تھی وہ قلیل تعداد بھی اس تباہی کا نشانہ بن گئی۔ آشوریوں کے حملے اور ان کی چیرہ دستی کی روداد عہد نامہ عتیق کی کتاب سلاطین حصہ دوم کے باب اٹھارہ کی آیات نو تا گیارہ میں یوں بیان ہوئی ہے:

ترجمہ: اور حزقیا بادشاہ کے چوتھے سال جو شاہ اسرائیل ہوسیع بن ایلہ کا ساتواں سال تھا ایسا ہوا کہ شاہ آشور سلمن سر نے سامریہ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ تین سال کے اختتام پر آشوریوں نے سامریہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہ آشور اسرائیلیوں کو قید کر کے لے گیا اور خلیج میں اور جوزان کی ندی خابور میں مادیوں کی آبادی میں انہیں رکھا۔

آشوریوں کے بعد ۵۸۶ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم پر چڑھائی کی۔ بخت نصر کے اس حملے اور یروشلم اور یہود کی تباہی کا مفصل ذکر بھی کتاب سلاطین کے حصہ دوم، باب ۲۴ اور ۲۵ میں درج ہے۔ اس تفصیل کے مطابق بخت نصر نے یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ شہر میں قتل عام کیا، گھروں کو جلا دیا، ہیکل سلیمانی کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا اور ہیکل کے نوادرات اور تبرکات نکال کر بابل منتقل کر دیے۔ جو یہودی زندہ بچ گئے انہیں مویشیوں کی طرح ہانک کر بابل لے گیا۔ اس ہیبتناک تباہی میں یہود کی کتب مقدسہ کے تمام نسخے سوخت اور تلف ہو گئے۔

کتب مقدسہ کے سوخت اور بالکل ناپید ہو جانے اور ان کتب کو از سرِ نو لکھنے کا ذکر کتاب عزرا، حصہ دوم، باب چودہ کی آیات ۲۰ تا ۲۲ اور باب ۳۸ کی آیات ۲۸ تا ۴۴ میں کیا گیا ہے۔ ہم اس کا اقتباس پیش کرتے ہیں:

''عزرا نبی نے خدا سے دعا کی۔ تیری ہدایات (کتابیں) جل چکی ہیں اس لیے کوئی بھی ان معاملات کا علم نہیں رکھتا جو گزر چکے۔ روح القدس کو مجھ میں داخل کرتا کہ میں پھر وہ سب کچھ لکھوں جو تیری شریعت کی کتاب میں لکھا تھا۔

دوسرے روز غیبی آواز نے مجھے بلایا اور کہا اے عزرا اپنا منہ کھول اور وہ کچھ پی جو میں تجھے پینے کو دیتا ہوں۔ تب خدا نے مجھے ایک پیالہ دیا جو پانی سے بھرا تھا لیکن اس کا رنگ آگ کی طرح تھا۔ میں نے اسے پی لیا اور جب میں نے اسے پی لیا تو مجھ میں فہم و فراست اور بصیرت پیدا ہو گئی اور میری روح نے میرے حافظہ کو قوی کر دیا۔ پھر میری زبان ایسی کھلی کہ بند نہ ہوتی تھی۔ لکھنے والے چالیس دن تک لکھتے رہے۔ وہ دن بھر لکھتے تھے اور صرف رات کو کچھ کھاتے تھے اور میں دن بھر لکھواتا تھا اور رات کو بھی میری زبان بند نہ ہوتی تھی۔ چالیس دن میں لکھنے والوں نے دو سو چار کتابیں لکھیں۔''

اس یہودی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عزرا کاہن کے دور تک تمام کتب مقدسہ ناپید ہو چکی تھیں۔ یہ روایت عہد نامہ عتیق کی کتب میں درج ہے۔ اگر یہ روایت غلط اور جھوٹی بھی ہو تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دور کے یہودی جانتے تھے کہ عزرا کے دور اول میں تمام کتب مقدسہ ضائع اور ناپید ہو چکی تھیں۔ بصورت دیگر وہ اس روایت کو تسلیم نہ کرتے بلکہ تمام کتب کے ضائع ہونے کی تردید کرتے لیکن ایسی تردید کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ایک معروف حقیقت تھی کہ بخت نصر کے حملہ میں نہ صرف ہیکل سلیمانی نیست و نابود ہوا بلکہ تمام کتب مقدسہ بھی سوخت اور ناپید ہو گئیں۔

محققین نے اس روایت کے مذکورہ معجزاتی حصہ کو باطل قرار دیا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں بے اصل روایات (Worthless Legend) کے عنوان کے تحت تحریر کیا گیا ہے کہ یہ روایت تیرھویں صدی عیسوی میں وضع کی گئی تھی۔

Marfat.com

ایلائیس لیواٹا (Elias Levita) متوفی ۱۶۳۸ء نے اس روایت کو شہرت دی۔ اس کے بعد بکسٹورف (Bucstorf) متوفی ۱۶۶۳ء نے اس روایت کو مستند ثابت کرنے کی کوشش کی۔

درج بالا تحقیق کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کہ یہود کی کتب میں ترمیم و الحاق کا سلسلہ تیرھویں صدی عیسوی تک چلتا رہا اور کتاب عزرا میں مذکورہ روایت کو تیرھویں صدی عیسوی میں داخل کیا گیا تھا۔ کتاب عزرا میں یہ بھی لکھا ہے کہ عزرا نے جو دوسو چار کتب املا کرائی تھیں ان میں ستر کتب مخفی بھی شامل تھیں۔ ان کتب کا علم موسیٰ کو براہ راست خدا سے ملا تھا اور موسیٰ سے یہ علم سینہ بہ سینہ انبیاء بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا ہوا عزرا نبی تک پہنچا اور عزرا نبی نے اس علم کو ستر کتب مخفی میں لکھوا کر منع کر دیا کہ یہ مخفی کتب عام لوگوں تک نہ پہنچیں۔

اکثر باطل مذاہب میں مخفی علوم کا تصور اور مذہب کے ایک حصہ کو چھپانے کا رواج ملتا ہے۔ خطہ ہند میں ہندو مذہب کے معلم پنڈتوں نے اپنے مذہب کی بنیادی اور اصل کتب وید کو مخفی رکھنے کی کوشش کی اور غیر برہمن نسل کے ہندوؤں پر وید کے اشلوک پڑھنا اور سنانا قابل تعزیر جرم قرار دے دیا۔ ان لوگوں نے بھی یہود کی طرح وید کی تعلیمات جو بڑی حد تک توحید پر مبنی ہیں ان کو دبایا اور روایات پر مبنی مہابھارت اور رامائن جیسی قصے کہانیوں پر مبنی کتابوں پر ہندو مذہب کی بنیاد رکھ دی۔ پنڈتوں کی طرح یہود کے طبقہ علماء نے بھی مخفی علم اور مخفی کتب کا تصور عام کیا اور شریعت کی کتب کو مردہ جسم سے مشابہت دی اور روایات پر مبنی عقائد کو مذہب کی روح قرار دیا۔ یہود کے بقول خدا نے موسیٰ کو کتاب شریعت کی تفسیر و تشریح بھی بتائی اور اس زبانی علم کو تحریر نہ کرنے کا حکم دیا یعنی وہ علم جو زیادہ تر مختلف روایات و امثال پر مبنی تھا وہ لکھا نہ جائے بلکہ سینوں میں محفوظ رکھا جائے۔ چنانچہ ایسا علم سینہ بہ سینہ علماء یہود میں منتقل ہوتا اور حسب موقع و ضرورت تبدیل کیا جاتا رہا۔ اسی مخفی علم نے بالآخر یہود کا موجودہ نسلی مذہب تخلیق کیا جس کا مقصد پوری دنیا اور تمام غیر یہود پر یہود کی عالمگیر بادشاہت قائم کرنا ہے۔ مسلمانوں میں فاطمی حکومت کے دور میں اسماعیلی فرقہ نے یہود کی سرکردگی میں اولیاء اور صوفیاء سازی کے کارخانے مصر

Marfat.com

میں قائم کیے اور ان تربیت یافتہ اولیاء اور صوفیاء کو بلاد اسلامی میں پھیلا دیا۔ ان اولیاء اور صوفیاء نے مسلمانوں میں شریعت و طریقت اور علم ظاہر اور علم باطن کا تصور پھیلایا۔ یہاں بھی خفیہ علم کو ظاہری علم پر فوقیت دی گئی اور طریقت کو شریعت کی روح قرار دیا گیا۔

باطل عقائد اور مذاہب کے پھلنے اور برگ و بار لانے میں بھی صدیوں کا وقت لگ جاتا ہے۔ لوگوں کو راہ سے بے راہ کرنے کے لیے عام طور پر انہیں صحیح راہ سے خفیف سا موڑ اور انحراف کرایا جاتا ہے۔ پھر یہ انحراف وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے بڑھتے زمین و آسمان کا سا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ یہود نے بھی دین حق اور کلام ربانی سے بغاوت کا اعلان نہیں کیا تھا انہوں نے بھی علوم مخفی کتب مخفی اور تشریح کتب الٰہی کی سینہ بہ سینہ روایات اور امثال کو ضروری اور ناگزیر قرار دینے کی بات کی تھی۔ اس ابتدائی انحراف نے بالآخر یہودی مذہب کو توراۃ سے ہٹا کر خود ساختہ کتاب مثنا اور تالمود پر قائم کر دیا۔

عزرا کاہن کی املا کرائی ہوئی کتب جیسی بھی تھیں وہ بھی ایشیاء قریب کے بادشاہ انتیوکس کے ہاتھوں ۱۶۸ قبل مسیح میں یروشلم کی تباہی کے دوران ضائع ہو گئیں۔ رہی سہی کسر پہلی صدی عیسوی کے آخر میں طیطوس کی انتقامی کارروائی میں پوری ہو گئی۔ انتیوکس بادشاہ کے حملے کی روداد یہود کی مکابیوں کی کتاب میں بیان ہوئی ہے۔ تباہی کی یہ صورت بھی بخت نصر کی کی ہوئی تباہی سے کم نہ تھی۔ عزرا کی لکھائی ہوئی کتب کے ضائع اور ناپید ہونے کے بعد کس نے ان کتب کو لکھا یا لکھوایا۔ اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس موضوع پر روشنی ڈالنے کی بجائے اسے نظر انداز کر دیا گیا اور یہ باور کر لیا گیا کہ عزرا کاہن کے تحریر کرائے ہوئے نسخے یہود میں موجود تھے۔ اس نسخے کی شرحیں ایک سو ساٹھ یہودی احبار نے چھ سو سال تک لکھیں۔ ان احبار کو یہودی مذہب کی تاریخ میں اموار تنائم کہا گیا ہے۔ عبرانی زبان میں تنائم کے معنی ایک کے دو یا دگنا کر دینے کے ہیں۔ گویا ان احبار نے مذکورہ کتب کو دگنا کر دیا۔ دوسری صدی عیسوی میں یہود کے مشہور عالم یہوہ القدس (یہودہ حق دوش) نے عہد نامہ عتیق کی تمام شرحوں اور مختلف کتب کے حوالوں اور خود اپنے اجتہاد سے ایک مجموعہ مرتب کیا جسے المشنا کہا گیا۔ یعنی دوسری کتاب۔ یہ گویا توراۃ اور دیگر کتب مقدسہ کی قائم مقام کتاب تھی۔ سولہویں صدی عیسوی تک ان کتب کی شرحیں لکھی جاتی

Marfat.com

رہیں ۔اس کے بعد یہودی احبار نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ شرحیں لکھنے اور اجتہاد کرنے کا سلسلہ بند کر دیا جائے ۔اس متفقہ فیصلہ کی بنیاد پر یہودی علماء کے چاروں طبقوں یعنی ربی، جر، صومعہ اور حاخام میں سے کسی بھی طبقہ کے عالموں کو اپنی رائے کی بنیاد پر فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے کا اختیار نہ رہا اور ہر مذہبی مسئلہ میں صرف مثنا اور تالمود سے فیصلہ کیا اور فتویٰ دیا جانے لگا۔

مثنا اور تالمود کی تشکیل

یہود کی قدیم روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خدا نے دو قسم کی تعلیم دی ۔ایک قانون شریعت کی جسے تحریر کر لینے کا حکم دیا گیا تھا دوسری تعلیم ان لکھے ہوئے احکام شرع کی تشریح وتفسیر پر مبنی تھی جو خدا نے زبانی دی اور امثال اور روایات کو اس تعلیم میں شامل کیا۔ یہ تعلیم زبانی دی گئی تھی ۔اس لیے تشریح وتفسیر کی تعلیم دینے کے لیے خدا نے موسیٰ کو بھی پابند کیا کہ وہ لوگوں کو اس کی تعلیم زبانی دے۔ یہود کی روایات کے مطابق موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔تحریری احکام بذریعہ تحریر پہلے اپنے بھائی ہارون تک پہنچائے اور تشریح وتفسیر کا علم زبانی منتقل کیا۔ ہارون کے بعد موسیٰ نے ان دونوں علم کو اپنے جانشین یوشع کو اور ستر مشائخ یہود کو سنایا۔ان روایت ساز یہودی عالموں کا دعویٰ ہے کہ موسیٰ نے تمام قبائل کے بزرگوں اور مصاحبوں سے جو عہد لیا تھا وہ تحریری احکام کے لیے نہیں بلکہ زبانی روایات کے لیے لیا تھا جبکہ توراۃ کتاب استثنیٰ ،باب ۳۱ میں جو عبارت تحریر ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موسیٰ نے شریعت کی تمام باتیں لکھ کر انہیں عہد نامہ کے صندوق کے پاس رکھوایا اور تمام مشائخ اور مصاحب کے سامنے انہیں پڑھ کر سنایا اور اس امر پر آسمانوں اور زمین کو گواہ بنایا۔لیکن یہود حقائق کو جھٹلانے اور روایات گھڑنے اور انہیں صداقت کا تقدس دینے کے ماہر اور عادی رہے ہیں ۔دراصل یہود کا مقصد ہمیشہ کتمان حق رہا ہے۔وہ حق پر باطل کو ترجیح دیتے رہے ہیں ۔ان کا بنیادی مقصد اپنے الہامی مذہب کو غیر الہامی مذہب میں تبدیل کرنا تھا۔اس مقصد کے لیے وہ آنکھ بند کر کے جھوٹ بولتے رہے اور بالآخر انہوں نے جھوٹ بولنے اور فریب دینے کو واضح طور پر عبادت کا درجہ دے

Marfat.com

کر یہود کے فرائض مذہبی میں شامل کر دیا۔

یہود کی کتب میں سلسلہ وار ناموں کی ایک فہرست دی گئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ روایات حضرت موسیٰ سے کن کن انبیاء اور مشائخ میں ہوتی ہوئی آخری دور میں کملائل تک پہنچی اور کملائل نے اپنے بیٹے پولس کو اور پولس نے اپنے بیٹے شمعون اور اس نے اپنے بیٹے کملائل کو اور کملائل نے اپنے بیٹے ربی یہوداحق دوش کو یہ علم سکھایا اور ربی یہوداحق دوش نے ان تمام زبانی روایات کو کتاب میں جمع کر دیا اور کتاب کا نام مثنا رکھا۔

محقق آدم کلارک اپنی تفسیر میں لکھتا ہے:

''یہودی مثنا کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ سب کا سب من جانب خدا ہے جسے خدا نے موسیٰ کو کوہ طور پر لکھے ہوئے کلام کی طرح وحی کیا تھا۔ اس لیے یہ کتاب مساوی طور پر واجب التعظیم ہے۔ جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے یہود نے اس کتاب کو درس وتدریس کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہود کے بڑے مشائخ نے اس کی دو شرحیں تحریر کی ہیں۔ پہلی شرح تیسری صدی عیسوی میں 'اورشلم' میں تحریر کی گئی اور دوسری شرح چھٹی صدی کے دوران بابل میں لکھی گئی۔ ان دونوں شرح کا نام 'گمرا' ہے۔ لغت میں گمرا کے معنی کمال کے ہیں۔ ان کے خیال میں ان دونوں شرحوں سے متن کی توضیح حد کمال تک ہوگئی۔ متن اور اس کی شرح دونوں کے مجموعے کا نام تالمود ہے۔ مذکورہ دونوں شرحوں کے درمیان امتیاز کے لیے انہیں 'تالمود اورشلیم' اور 'تالمود بابل' کہا جاتا ہے۔ یہ نسخے انبیاء کی کتب سے خارج ہیں لیکن یہود کا موجودہ مذہب کاملاً اور کلیتًا ان تالمود کے دونوں نسخوں پر مبنی ہے۔ تالمود اورشلیم زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس لیے موجودہ دور میں تالمود بابل زیادہ مقبول اور مروج ہے۔''

تقریباً ان ہی باتوں کا ذکر مفسر ہورن نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء میں کیا ہے۔

اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودہ حق دوش نے اس کتاب کی تصنیف پر بڑی محنت کی اور چالیس سال کی سعی کے نتیجہ میں یہ کتاب دوسری صدی میں تصنیف ہوئی۔ اس وقت سے

Marfat.com

یہود میں نسلاً بعد نسل یہ کتاب مستعمل چلی آ رہی ہے اور اس کتاب کی وقعت لکھے ہوئے قانون سے زیادہ کی جاتی ہے۔ بعض محققین کی رائے ہے کہ کمرا اور شلیم تیسری صدی میں لکھی گئی تھی۔ فادر مون نے لکھا ہے کہ اسے پانچویں صدی میں تحریر کیا گیا تھا اور کمرا بابل چھٹی صدی میں لکھی گئی تھی۔ یہ کمرا کلی طور پر بیہودہ قصوں کہانیوں سے بھری ہوئی ہے اور یہ ہی کمرا یہودیوں کے ہاں زیادہ مقبول و معتبر ہے۔ اسی کا پڑھنا اور پڑھانا یہود میں رائج ہے۔ یہودی ہر پیچیدہ معاملہ میں اس یقین کے ساتھ اس کمرا کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہ ان کی رہنمائی کرے گی۔

سید نواب علی نے اپنی تصنیف صحف سماوی میں لکھا ہے کہ تالمود اور شلیم اور تالمود بابل کے دو دو حصے کیے گئے ہیں۔ پہلے حصے کو ہلکہ اور دوسرے حصے کو ہجدہ کہا جاتا ہے۔ ہلکہ میں چھ سو تیرہ احکام ہیں اور ہجدہ میں روایات اور قصے تحریر ہیں۔

درج بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہود نے پہلے تو یہ روایت گھڑی کہ خدا نے طور پر موسیٰ کو تحریری شریعت کے علاوہ اس کی تفسیر و تشریح بھی سکھائی اور اس تشریح میں امثال واذکار سے بھی کام لیا۔ پھر یہود نے بلا سند اور ثبوت دعویٰ کیا کہ شریعت کا علم بمنزل جسم کے ہے اور زبانی تشریح و تفسیر جسم کی روح ہے جس طرح جسم روح کے بغیر مردہ ہو جاتا ہے اسی طرح ان زبانی تشریحات کے بغیر تحریری علم یا شریعت مردہ جسم کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے بعد یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ زبانی علم جو زیادہ تر قصے کہانیوں پر مبنی تھا وہ موسیٰ سے سلسلۂ انبیاء میں ہوتا ہوا عزرا کاہن تک پہنچا اور عزرا کاہن نے اس مخفی یا زبانی علم کو ستر کتب مخفی میں درج کرا دیا۔ اس علم کو یہود کے مشائخ نسلاً بعد نسل سینہ بہ سینہ زبانی حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ یہ زبانی علم جب دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں یہودا حق دوش کے پاس پہنچا تو اس نے چالیس سال صرف کر کے اس علم کو کتاب میں جمع کر دیا جسے مثنا کا نام دیا گیا اور اسے کمرا کہا گیا۔ یعنی حد کمال تک پہنچی ہوئی شرح۔ اس کتاب کی تصنیف کے بعد یہود نے الہامی تعلیمات اور الہامی کتب سے کلیتاً اپنا گلا چھڑا لیا اور ان کا مذہب مکمل طور پر یہودا حق دوش کی تصنیف پر قائم ہو گیا۔ یہود کا ایک ابلیسی طبقہ قبل مسیح سے ہی الہامی کتب اور الہامی مذہب سے گلو خلاصی حاصل کرنے

Marfat.com

اور اپنی پسند کے خود ساختہ مذہب کو الہامی مذہب کی جگہ رائج کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس طبقہ کی یہ کوشش بالآخر ایک ہزار سال بعد کامیابی کی منزل تک پہنچی اور یہود کا موجودہ مذہب توراتی مذہب کی بجائے کلیتاً تالمودی مذہب بن گیا۔ اس مذہب کا مقصد اولیٰ یہود کی عالمگیر بادشاہت قائم کرنا اور تمام غیر یہودی نسل کے انسانوں کو حیوان بنا کر ان حیوانوں کو یہود کی خدمت پر لگانا ہے۔

موجودہ عہد نامہ عتیق کے ماخذ

آج عہد نامہ عتیق کے جو مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے موجود ہیں انہیں تین قدیم نسخوں سے نقل کیا گیا ہے۔ ان نسخوں میں سے ایک نسخہ عبرانی، دوسرا سامری اور تیسرا یونانی کہلاتا ہے۔ سامری نسخہ بھی گرچہ عبرانی زبان میں ہے اور قدیم ہے لیکن عبرانی نسخے اور سامری نسخے میں سب سے بڑا اور نمایاں فرق یہ ہے کہ عبرانی نسخے میں انتالیس کتب شامل ہیں جبکہ سامری نسخے میں صرف سات کتب ہیں۔ پانچ کتب توراۃ کی چھٹی کتاب یشع کی اور ساتویں کتاب القضاۃ کی عیسائیوں کا فرقہ پروٹیسٹنٹ بھی ان ہی سات کتب کو الہامی تسلیم کرتا ہے۔ باقی کتب کو غیر الہامی قرار دیتا ہے۔ اس اہم اختلاف کے باعث یہودیوں میں سامری اور عیسائیوں میں پروٹیسٹنٹ بدعقیدہ اور کافر تصور کیے جاتے ہیں۔ مذکورہ غیر معمولی فرق کے علاوہ عبرانی اور سامری نسخوں میں متن کا بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض مقامات پر یہ اختلاف شدید نوعیت کا بھی ہے۔ مثلاً کتاب استثنیٰ، باب ۲۷ کی آیت ۴ عبرانی نسخے میں اس طرح درج ہے:

ترجمہ: جب تم یردن کے پار ہو کر ان پتھروں کو جن کی بابت میں تم کو آج کے دن حکم دیتا ہوں کوہ عیبال پر نصب کر کے ان پر چونے کی استر کاری کرنا۔

اسی عبارت کو سامری نسخہ میں اس طرح درج کیا گیا ہے:

ترجمہ: ان پتھروں کو جن کی بابت میں آج کے دن تم کو حکم دیتا ہوں کوہ جریزم پر نصب کرنا۔

یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پتھروں کو نصب کرنے کے لیے دیا تھا جن

Marfat.com

پر خدا کے احکام لکھے تھے۔ ان پتھروں کے نصب کیے جانے کے متعلق عبرانی اور سامری نسخہ میں پہاڑ جیسا فرق پیدا ہوگیا۔ عبرانی نسخہ کے مطابق ان پتھروں کو عیبال پہاڑ پر اور سامریوں کے نسخہ کے مطابق انہیں کوہ جریزم پر نصب کرنے کا حکم ملتا ہے۔ کوہ عیبال اور کوہ جریزم آمنے سامنے پہاڑ ہیں۔ ان کے متعلق کتاب استثنٰی، باب ۱۱، آیت ۲۹ میں یہ حکم بھی درج ہے ''تو کوہ جریزم سے لوگوں کو برکت اور کوہ عیبال سے لعنت سنانا''۔ اس حکم کے مطابق سامریوں کے نسخے کی عبارت درست معلوم ہوتی ہے۔ کوہ جریزم نہایت سرسبز و شاداب پہاڑ ہے جس پر کئی چشمے اور قدرتی باغات ہیں جبکہ کوہ عیبال خشک چٹیل پہاڑ ہے۔ متبرک پتھروں کو ایسے پہاڑ پر نصب کرنا زیادہ مناسب نظر آتا ہے جس پہاڑ سے خدا کی نعمت اور برکت کا اظہار ہوتا ہو اور جس سے لوگوں کو برکت سنانے کا حکم دیا گیا ہو۔ جو پہاڑ خشک ہو جس سے لوگوں کو لعنت سنانے کا حکم دیا گیا ہو اس پہاڑ پر خدا کے احکام لکھے پتھروں کو نصب کرنا درست نظر نہیں آتا۔

مذکورہ تینوں نسخے نسبتاً قدیم تصور کیے جاتے ہیں لیکن ان میں سے کون سا معتبر اور کون سا غیر معتبر ہے اس مسئلہ میں یہود نے بھی باہم اختلاف کیا ہے اور عیسائیوں نے بھی۔ اس اختلاف کی بنا پر عیسائیوں کے علماء اور محققین تین گروہ میں تقسیم نظر آتے ہیں۔ چنانچہ محقق پاری اور درشیو وغیرہ کا گروہ عبرانی نسخہ کو غیر معتبر اور یونانی نسخے کو معتبر قرار دیتا ہے۔ ان کے برعکس کنی کٹ اور آدم کلارک جیسے محققین وغیرہ کا گروہ عبرانی نسخہ کو معتبر اور یونانی نسخے کو غیر معتبر قرار دیتا ہے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے پندرہویں صدی میں کتب مقدسہ اور مذہب عیسائی کی اصلاح کی تحریک مارٹن لوتھر کی سرکردگی میں شروع کی تھی اور بعد میں یہ تحریک پروٹیسٹنٹ کے نام سے ایک مستقل عیسائی فرقے کی صورت اختیار کرگئی۔ تحقیق اور اصلاح کی اس تحریک کے محققین اور مبلغین نے سامریوں کی شامل کردہ سات کتب کو الہامی قرار دیا ہے باقی کتب میں سے کسی کو واجب التعظیم اور کسی کو غیر معتبر کہا ہے۔ اختلاف کی یہ وجہ بنیادی نوعیت کی ہے۔ عہد نامہ عتیق میں شامل تمام انتالیس کتب کو ایک گروہ کی طرف سے الہامی قرار دیا جانا اور دوسرے گروہ کی طرف سے ان کتب کے غالب حصے یعنی اکٹھی تیس کتب کو غیر الہامی قرار دینا فروعی اختلاف تصور نہیں

کیا جا سکتا۔ مسلمانوں میں آج تک کوئی ایسا مذہبی فرقہ پیدا نہیں ہوا جس نے قرآن کے ایک حصہ کو الہامی اور دوسرے حصے کو غیر الہامی یا الحاقی قرار دیا ہو اور اس فرقہ کی بنیاد ایسے غیر معمولی اختلاف پر قائم کی گئی ہو۔

مذکورہ قدیم ترین تینوں نسخوں میں باہمی طور پر ہر قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان نسخوں کے مابین اقوال و احوال کا بھی فرق ہے اور اعداد و شمار کا بھی۔ مثلاً حضرت آدم سے لے کر طوفان نوح تک کتنے سال کا فاصلہ ہے۔ اس کے متعلق عبرانی نسخے میں جو اعداد و شمار دیے ہیں ان کا میزان ۱۶۵۶ سال بنتا ہے جبکہ اسی مدت کا شمار یونانی نسخے میں ۲۲۶۲ سال اور سامری نسخے میں ۱۳۰۷ سال درج ہے۔ ان تینوں کے اعداد میں کتنا بڑا فرق ہے وہ تو ظاہر ہے ہی لیکن ان اعداد سے ایک اور انہونی بات بھی پیدا ہو جاتی ہے وہ یہ کہ سامری نسخہ میں درج مدت کے مطابق حضرت آدم اور حضرت نوح ہمعصر بن جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت درج ذیل حساب سے ہو جائے گی۔ یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ مذکورہ کتب میں متفقہ طور پر طوفان کے وقت حضرت نوح کی عمر چھ سو سال بتائی گئی ہے۔

حضرت آدم کی زمین پر کل عمر	۹۳۰ سال
جمع طوفان نوح کی آمد کا وقفہ حضرت آدم کے بعد	۳۷۰ سال
طوفان نوح کی آمد: میزان	۱۳۰۰ سال حضرت آدم کے زمین پر آنے کے بعد
منہا حضرت نوح کی عمر طوفان آنے کے وقت	۶۰۰ سال
سن پیدائش نوح	۷۰۰ سال حضرت آدم کے زمین پر آنے کے بعد

ان کتب کے مطابق حضرت آدم کا انتقال نو سو تیس سال کی عمر میں ہوا۔ اگر زمین پر آدم کے ورود کو آدم کی زندگی کا پہلا سال قرار دے کر سن آدم کا نام دے دیا جائے تو حضرت آدم کی وفات ۹۳۰ سن آدم میں ہوئی اور حضرت نوح سات سو سن آدم میں پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت نوح دو سو تیس سال تک حضرت آدم کی زندگی میں موجود رہے اور حضرت آدم اور حضرت نوح ہمعصر بن گئے۔ ظاہر ہے یہ بات سراسر غلط ہے۔

اسی طرح ان نسخوں میں درج حساب کے مطابق حضرت نوح اور حضرت ابراہیم بھی ہمعصر بن جاتے ہیں۔ طوفان نوح سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

Marfat.com

پیدائش تک کی مدت عبرانی نسخہ میں ۲۹۲ سال یونانی نسخے میں ۱۰۷۲ سال اور سامری نسخے میں ۹۴۲ سال درج ہوئی ہے۔ ان ہی کتب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح مزید ساڑھے تین سو سال زندہ رہے۔ عبرانی نسخہ کے مطابق اگر حضرت ابراہیم طوفان کے دوسو بانوے سال بعد پیدا ہوئے تھے اور حضرت نوح طوفان کے بعد مزید ساڑھے تین سو سال زندہ رہے تھے تو حضرت نوح کی وفات کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۵۸ سال ہونی چاہئے۔ یہ بات بھی صریحاً غلط ہے۔ ایسی فاش غلطیاں ان تینوں نسخوں میں متعدد جگہ موجود ہیں۔ یہ ہی نہیں کہ اختلاف صرف ان تینوں نسخوں کے درمیان پایا جاتا ہو بلکہ ایسا بھی ہے کہ ایک ہی نسخہ میں مختلف جگہ مختلف بات کہی گئی ہے۔ ایسے اختلاف کو تضاد بیانی اور تناقض کہا جاتا ہے جو ان تینوں کتب میں ملتا ہے۔

عہد نامہ عتیق اور جدید میں شامل کتب میں کس قدر اختلاف اور مختلف نوعیت کی کس قدر غلطیاں بھری پڑی ہیں اس کا صحیح اندازہ کرنا ہو تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ رحمۃ کی شہرہ آفاق تصنیف 'اظہار الحق' کا مطالعہ کیا جائے۔ یہ ضخیم کتاب مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے آگرہ میں میں منعقد اس مشہور مناظرہ کے بعد تحریر کی تھی جو مناظرہ ۱۸۵۴ء میں مولانا نے انگریز پادری فانڈرے سے کیا تھا۔ انگریز ڈپٹی کمشنر کے زیر نگرانی یہ مناظرہ چار اپریل ۱۸۵۴ء کو آگرہ میں ہوا۔ انگریز پادری فانڈرے مولانا کا مقابلہ صرف دو دن کر سکا تیسرے دن اس نے فرار کی راہ اختیار کر لی۔ مولانا عالم باعمل مسلمان تھے وہ جہاد کی اہمیت اور فرضیت سے واقف تھے اس لیے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انہوں نے شرکت کی اور شکست کے بعد ان کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی اور جنگی مجرموں کی فہرست میں ان کا نام بھی درج ہو گیا۔ کچھ عرصہ روپوش رہ کر وہ سرزمین حجاز چلے گئے اور مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں حجاز خلافت عثمانیہ ترکی کے زیر انتظام تھا۔ ترکی کے سلطان عبدالعزیز خان نے مولانا کو استنبول طلب کیا اور ان سے آگرہ کے مناظرہ پر مبنی کتاب لکھنے کی فرمائش کی۔ مولانا نے مکہ مکرمہ آکر چھ ماہ میں کتاب لکھ کر سلطان کو پیش کر دی۔ یہ کتاب مولانا نے عربی زبان میں لکھی تھی۔ اس کا ترجمہ ترکی، انگریزی، فرانسیسی، فارسی اور اردو میں ہو چکا ہے۔ گرچہ یہ کتاب مذکورہ مناظرہ کی بنیاد پر

Marfat.com

لکھی گئی تھی لیکن اس کتاب میں مناظرہ کا انداز قطعاً نہیں ہے۔ از اول تا آخر پوری کتاب تحقیق اور عقلی اور نقلی دلائل وثبوت پر مبنی ہے۔ اسے پڑھ کر عہد نامہ عتیق و جدید میں شامل ہر کتاب کی اصلیت اور حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ حقائق و دلائل کے اس سمندر کا عشر عشیر بھی ہم اپنے اس مختصر مضمون میں شامل نہیں کر سکتے۔ اس کتاب کا موضوع عیسائیت کا رد ہے جبکہ ہمارا موضوع سابق الہامی کتب کی تدوین کی تاریخ و حقائق ہیں۔

موجودہ نسخوں کی عمر

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آج موجود عہد نامہ عتیق کے تمام نسخوں کا ماخذ عبرانی، سامری اور یونانی نسخے ہیں اور ان میں قدیم ترین نسخہ عبرانی نہیں بلکہ یونانی ہے۔ چنانچہ مفسر ہورن نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ:

''یونانی ترجمہ بہت قدیم ہے جو یہود اور عیسائیوں دونوں میں یکساں مقبول اور معتبر ہے۔ عیسائیوں کے مشائخ خواہ وہ لاطینی ہوں یا یونانی انہوں نے صرف اسی ترجمہ سے نقول تیار کی ہیں اور ہر وہ ترجمہ جسے عیسائی کلیسا تسلیم کرتا ہے سوائے سریانی ترجمہ کے سب یونانی نسخہ سے ہی ترجمہ کیے گئے ہیں۔ مثلاً عربی ترجمہ، ایتھوپک ترجمہ، اٹالک اور لاطینی ترجمہ کہ جو جیروم سے قبل مستعمل تھا۔ آج بھی یونانی اور مشرقی کلیسا میں صرف یونانی نسخہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ ترجمہ مسیح کی پیدائش سے ۲۸۵ سال قبل کیا گیا تھا۔''

مفسر ہورن نے اپنے قیاس کے حق میں کوئی معتبر ثبوت نہیں پیش کیا لیکن اس کے مذکورہ دعوے کو اگر اس حد میں محدود کر دیا جائے کہ پہلی بار عبرانی سے یونانی زبان میں ان کتب کا ترجمہ ۲۸۵ سال قبل مسیح ہوا تھا تو اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ موجودہ یونانی ترجمے کا کوئی نسخہ ۲۸۵ قبل مسیح کا آج بھی موجود ہے۔ ہم قدیم ترین یونانی نسخہ کی عمر کا تعین بعد میں کریں گے پہلے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کیا مصلحت اور ضرورت تھی جس کی بنا پر یہود نے اپنی مذہبی اور مادری زبان عبرانی میں موجود مقدس کتب کا سب سے پہلے یونانی

Marfat.com

زبان میں ترجمہ کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ یونان میں نہ کبھی کوئی نبی مبعوث ہوا اور نہ ہی الہامی کتاب نازل ہوئی۔ یونان یہودی اکثریت کا اس طرح مستقر کبھی نہیں رہا جس طرح مصر اور بابل مستقر رہے تھے۔ بنی اسرائیل اور ان کے انبیاء کی مادری اور علاقائی زبان عبرانی تھی۔ یونانیوں سے اسرائیلیوں کا واسطہ ۳۳۲ قبل مسیح میں پڑا جبکہ سکندر مقدونی نے ایران کو شکست دے کر ایران کے دیگر علاقوں کی طرح فلسطین پر بھی قبضہ کر لیا تھا لیکن یہ قبضہ بہت قلیل مدت رہا اور بہت جلد فلسطین یونان کے تسلط سے آزاد ہو گیا۔ اس صورت میں جبکہ یہود اور فلسطین کی اکثریت یونانی زبان سے ناواقف تھی یہودیوں نے اپنی مقدس کتب کا ترجمہ یونانی زبان میں کیوں کیا؟ یہود میں غیر یہود پر تبلیغ دین کا رواج کبھی نہیں رہا اس لیے ان کتب کے ترجمہ کو تبلیغ دین کی ضرورت بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا ایک ہی قابل فہم سبب ہو سکتا ہے وہ یہ کہ یہود کا ایک طبقہ خدا سے اس کے انبیاء سے اور الہامی تعلیمات سے ہمیشہ بغاوت کرتا رہا ہے۔ اس طبقہ کے لوگوں نے یونانی فلسفہ اور منطق کا مطالعہ کیا اور یونانی فلاسفہ کے بعض نظریات کو الہامی تعلیمات کے خلاف پایا۔ ان فلسفیوں کے نظریات منطق کی ایسی شعبدے بازیوں کا سہارا رکھتے تھے جو اچھی خاصی فہم و فراست کے آدمی کو چکرا دینے کے لیے کافی تھے۔ یہود کے اس مخصوص مذہب دشمن طبقہ نے چاہا کہ ان کی قوم یونانی فلاسفہ کے ایسے پُر پیچ نظریات سے واقف ہو تاکہ وہ مذہب اور اس کی تعلیمات سے باغی ہو جائے۔ مثلاً یونانی فلاسفہ نے علم اخلاقیات میں خیر و شر کے تعین کو لذتیت کی بنیاد پر قائم کیا یعنی کسی فرد یا افراد کو جس عمل سے لذت حاصل ہو وہ کار خیر ہے اور جس کام سے لذت حاصل نہ ہو وہ شر ہے۔ لذتیت (Hadenisme) کے اس نظریہ پر بالآخر بیسویں صدی کے دوران مغربی معاشرے میں خیر و شر کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اسی طرح یونانی فلاسفہ نے مقصدیت کا نظریہ پیش کیا اور نفس عمل کی بجائے مقصد عمل کو بنیادی اہمیت دی یعنی یہ کہ اگر آپ کسی اعلیٰ اور اچھے مقصد کے حصول کے لیے برے سے برا عمل بھی کریں تو آپ کا ایسا عمل لائق تحسین اور بمنزل عبادت شمار ہوگا۔ اس نظریہ کے متعلق مؤرخ موشیم اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۳۲ء میں لکھتا ہے کہ:

Marfat.com

''افلاطون اور فیثا غورث کے نظریوں پر چلنے والوں میں ایک نظریہ بہت عام تھا کہ بھلائی اور سچائی پھیلانے اور خدا کی عبادت کے لیے جو بھی جھوٹ بولا اور فریب کیا جائے گا وہ نہ صرف جائز اور مباح ہے بلکہ لائق تحسین اور قابل تقلید بھی ہے۔ مذکورہ یونانی گروہ سے اس نظریہ کو سب سے پہلے مصر کے یہود نے مسیح کی پیدائش سے کئی صدی قبل قبول کیا تھا۔ اس حقیقت کی تصدیق بہت سی قدیم کتب سے ہوتی ہے۔ اس ناپاک غلطی کو یہود سے عیسائیوں نے لیا۔ اس حقیقت کا اندازہ ان بہت سی کتب سے ہوتا ہے جو مختلف گم نام لوگوں نے لکھیں اور انہیں مشاہیر کی طرف منسوب کر دیں۔''

یہود جو ہمیشہ خبث باطن میں مبتلا رہے ہیں اور انہوں نے خدا، انبیاء اور اعلیٰ مذہبی اقدار سے بغاوت اور اپنے نفس کی غلامی کی ہے یونانیوں کا یہ نظریہ ان کے مزاج سے مطابقت رکھتا تھا۔ ان کے ایک طبقہ نے مسیح کی پیدائش سے صدیوں قبل مخفی روایات کا سہارا لے کر ایک خود ساختہ نسلی مذہب کی بنیاد ڈال دی تھی۔ انہوں نے اپنی الہامی کتب کو متغیر کیا، ان میں الحاقی کلام داخل کیا اور پوری یہودی قوم کو خدا کی اولاد قرار دے دیا۔ خدا کی اولاد بن جانے کے بعد خدا کی تمام املاک کے واحد اور قانونی وارث یہود ٹھہرے اور ہر یہودی کا مذہبی فریضہ ہو گیا کہ وہ کرہ ارض پر موجود اپنے خدا باپ کی میراث پر قبضہ کر لے۔ اس مقصد کے لیے جھوٹ بولنا، فریب دینا اور جعل سازیاں کرنا عبادت کا درجہ حاصل کر گیا۔ بعد میں ان تمام عقائد و نظریات کو مشنا اور تالمود کی صورت میں مدون کر دیا گیا۔ آج تالمودی مذہب ہی یہود کا مذہب ہے۔ مقصدیت کے نظریہ اور عقیدے نے یہود میں یوم عہد کی عبادت کو جنم دیا۔ یہ عبادت ہر سال ایک مخصوص دن کی جاتی ہے۔ یوم عہد یہودی اپنے خدا سے عہد کرتے ہیں کہ آج سے اگلے تین سو پینسٹھ دن تک میں جو بھی وعدہ کسی غیر یہودی سے کروں گا اس وعدہ کو پورا نہ کروں گا۔ میں حتیٰ الامکان غیر یہود سے جھوٹ بولوں گا اور سچ کا اخفا کروں گا۔ یہ ہی وہ ابلیسی مذہب تھا جس مذہب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہو جانے سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور یہود حضرت عیسیٰ کو اپنے مذہب کا دشمن کہنے لگے تھے۔

Marfat.com

یہود نے نیک مقصد کی خاطر جھوٹ بولنے اور فریب دینے کے یونانی نظریہ کو اپنے دین کا حصہ بنالیا۔ یونانی فلاسفہ نے انسانی عقل کو انسانی دنیا کی تمام فکری اور عملی ضروریات کا کفیل قرار دے دیا تھا۔ یہ فلاسفہ اور ان کے پیرو کسی بھی عقیدے اور کسی بھی مذہبی روایت کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے تھے جب تک وہ عقل کی کسوٹی پر کھرا ثابت نہ ہو جائے۔ گویا یونانی فلاسفہ نے عقل کو انسانوں کا خدا اور نجات دہندہ بنا دیا تھا۔ منطق اور فلسفہ کی موشگافیوں سے کام لے کر انہوں نے فکری سراب تخلیق کیے اور ذہنی شعبدے بازی کا ایک بازار سجا دیا۔ یہ سب افکار و نظریات الہامی مذہب کے عقائد و تعلیمات کے خلاف تھے۔ یہود نے عبرانی زبان میں نازل اپنی الہامی کتب کو یونانی زبان میں اس لیے ڈھالا کہ عام یہودی یونانی زبان کی طرف راغب ہوں اور پھر انہیں یونانی فلاسفہ کے مخصوص افکار و نظریات کا علم ہو جائے۔ مسلمانوں میں ذہنی فساد پیدا کرنے کے لیے خلافت بنو عباس کے دور میں یہود نے خلیفہ مامون الرشید کو یونانی فلاسفہ کی کتب عربی میں ترجمہ کرانے کی ترغیب دی۔ ان کتب کے عربی میں منقلب ہو جانے کے نتیجہ میں فرقہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ ظہور میں آئے اور مسلمان ایسے فکری فساد میں مبتلا ہو گئے کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک سنائی دیتی ہے۔ یہود کے تین مذہبی فرقوں میں سے سب سے زیادہ مفسد اور ابلیس صفت لوگ فریسی فرقے میں پیدا ہوئے ہیں۔ صدوقی فرقہ کے لوگ مقدس کتب کے مفاہیم کی تشریح ان کے الفاظ کی معنوی حدود میں رہ کر کرتے تھے اور تشریح اور تفسیر کے لیے مروجہ روایات کو ضروری قرار نہ دیتے تھے۔ فریسی فرقہ تشریح و تفسیر کے لیے روایات اور امثال کو ناگزیر قرار دیتا تھا اور یونانی منطقی شعبدے بازی سے مضمون کا مطلب کچھ سے کچھ بنا ڈالتا تھا۔ اس اختلاف کی بنیاد پر یہود کے صدوقی اور فریسی فرقوں کے درمیان نہ صرف مناظرے ہوتے رہے بلکہ مسلسل خونریزی بھی ہوتی رہی۔ اسی فریسی فرقہ نے ہی اپنے مذہب کی الہامی تعلیمات و عقائد کو بدلا اور الہامی کتب کو متغیر کر ڈالا۔ عیسائی مذہب اور اس کی الہامی تعلیمات و عقائد کو بدلنے اور عیسائی مذہب کو کلیتاً مشرکانہ مذہب بنانے والا سینٹ پال بھی فریسی تھا۔ مسلمانوں میں فکری اور سیاسی فساد پیدا کرنے اور مشرکانہ عقائد تخلیق کرنے والا عبداللہ بن سبا بھی فریسی تھا۔ سینٹ پال اور

Marfat.com

عبداللہ بن سبا دونوں کے طریقہ واردات اور طرز عمل میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں فرقہ معتزلہ کو جنم دینے والے وہ نو مسلم یہودی تھے جو فریسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے عبرانی لفظ فریسی کا ترجمہ عربی لفظ معتزلہ سے کیا اور مسلمان ہونے کے بعد بھی اپنے فریسی ہونے کی نشانی کو قائم رکھا۔ موجودہ دور میں یہود کی عالمگیر خفیہ تنظیم کے گمنام ارکان کی اکثریت بھی شاید اسی فرقہ کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔

اس امر پر یہود و نصاریٰ کے علماء متفق ہیں کہ آج دنیا میں عہد نامہ عتیق و جدید کے جو نسخے پائے جاتے ہیں ان میں سب سے قدیم نسخہ عبرانی نہیں بلکہ یونانی ہے۔ آج کے یونانی نسخوں میں سب سے زیادہ قدیم یہ تین نسخے تسلیم کیے گئے ہیں:

۱۔ کوڈکس اسکندریانوس (Codex Elexander) یہ نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

۲۔ کوڈکس واطیکانوس (Codex Veticun) یہ نسخہ ویٹیکن اٹلی میں محفوظ ہے۔

۳۔ کوڈکس افریمی (Codex Ephraim) یہ نسخہ پیرس فرانس میں محفوظ ہے لیکن اس نسخہ پر عہد نامہ جدید لکھا ہے اور اس میں عہد نامہ قدیم کی کوئی کتاب شامل نہیں اس لیے یہ نسخہ یہود کے لیے نہیں صرف عیسائیوں کے لیے ہے۔

مذکورہ تینوں یونانی نسخوں میں سے کوڈکس سکندریانوس جو برٹش میوزیم میں ہے سب سے زیادہ قدیم تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اس نسخے کی قدامت اور عمر کا تعین کرنے میں محققین کے درمیان نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محقق ہورن نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''یہ نسخہ چار جلدوں میں ہے۔ پہلی تین جلدوں میں عہد عتیق کی سچی اور جھوٹی دونوں کتابیں موجود ہیں۔ جلد چہارم عہد جدید اور کلیمنٹ کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام اور جھوٹی زبور جو سلیمان سے منسوب ہے شامل ہے۔ کچھ لوگوں نے اس نسخہ کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے۔ بعض نے اس کی برائی کی ہے۔ اس کا سب سے بڑا مخالف وٹسٹین ہے۔ اس کی قدامت میں بہت زیادہ اختلاف کیا

Marfat.com

گیا ہے۔ کریب اور شلز کی نظر میں یہ نسخہ چوتھی صدی عیسوی کے آخر کا ہے۔ میکا ئلس نے کہا ہے یہ سب سے پرانا نسخہ ہے۔ اس سے زیادہ پرانا نسخہ کوئی نہیں۔ وٹسٹین کا قول ہے کہ یہ پانچویں صدی عیسوی کا تیار کردہ نسخہ ہے۔ وٹسٹین نے یہ رائے بھی دی ہے کہ یہ ان نسخوں میں سے ایک ہے جو ۶۱۵ ء میں سریانی نسخہ تیار کرنے کے لیے سکندریہ میں اکٹھے کیے گئے تھے۔ ڈاکٹر سملر اسے ساتویں صدی کا نسخہ قرار دیتا ہے۔ مونٹ فاکس کا کہنا ہے کہ کسی بھی نسخہ کے متعلق خواہ وہ سکندریانوس کا ہو یا کوئی اور نسخہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ چھٹی صدی سے قبل کا ہے۔ اوڈن نے کہا ہے کہ یہ نسخہ دسویں صدی عیسوی کا ہے کیونکہ اس میں اتھانائی شیس کا زبوروں کی خوبیوں کے متعلق خط موجود ہے اور یہ خط جھوٹا اور جعلی ثابت ہو چکا ہے۔ اس جھوٹے خط کا اتھانائی شیس کی زندگی میں اس نسخہ میں شامل کیا جانا ممکن نہیں۔ اس جعلسازی کا کیا جانا چھٹی صدی میں زیادہ ممکن نظر آتا ہے۔''

انسائیکلوپیڈیا ریس کی جلد چہارم میں عہد نامہ عتیق کے متعلق جو تحقیقی مقالہ شامل کیا گیا ہے اس میں ڈاکٹر کنی کاٹ کا یہ بیان بھی درج ہے:

''ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہد نامہ عتیق کے جو نسخے آج موجود ہیں وہ سن ایک ہزار اور چودہ سو عیسوی کے درمیان لکھے گئے تھے۔ وہ تمام نسخے جو ساتویں یا آٹھویں صدی میں لکھے گئے تھے انہیں یہود کی مجلس شوریٰ کے حکم پر تلف کر دیا گیا کیونکہ وہ ان کی نظر میں یہود کے معتبر اور مقبول نسخوں کے سخت خلاف تھے۔ اس واقع کے پیش نظر واٹسن بھی کہتا ہے کہ جن نسخوں کی کتابت پر چھ سو سال کا عرصہ گزرا ہے وہ بہت کم یاب ہیں اور جو نسخے سات سو یا آٹھ سو سال قبل کتابت کیے گئے تھے وہ تو بالکل ناپید ہیں۔''

❁

Marfat.com

تدوین زبور

عہد نامہ عتیق کی جن کتب کا ذکر قرآن میں ہوا ہے اور جنہیں الہامی کہا گیا ہے وہ توراۃ اور زبور ہیں۔ جس طرح موجودہ توراۃ وہ کتاب نہیں جسے قرآن الہامی کتاب قرار دیتا ہے اسی طرح موجودہ زبور بھی وہ کتاب نہیں جس کے الہامی ہونے کا مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں۔ زبور عہد نامہ عتیق کا حصہ ہے اس لیے اس کی تاریخ تباہی اور تدوین تو وہ ہی ہے جو توراۃ اور دیگر کتب عہد نامہ عتیق کی ہے۔

زبور عربی لفظ ہے۔ اس کی جمع زبر ہے۔ الزبر کے معنی لکھنا ہے اور زبور لکھی ہوئی عبارت کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ تحریر جو جلی حروف میں لکھی گئی ہو۔ قرآن کی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۵۵ میں نزول زبور کی تصدیق ان الفاظ میں کی گئی ہے ''و آتینا داؤد زبوراء'' اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔ مسلم علماء کا خیال ہے کہ زبور میں اللہ کا جو کلام نازل ہوا تھا اس میں احکام شریعہ شامل نہ تھے صرف پند و نصائح اور حمد و ثنا شامل تھیں کیونکہ قرآن میں صرف ان الہامی کتب کے لیے صحیفہ یا کتاب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جن میں احکام شریعہ موجود ہیں۔ جن میں احکام شریعہ شامل نہ ہوں ان کتب کے لیے لفظ صحیفہ یا کتاب استعمال نہیں کیا گیا۔ زبور کے لیے بھی قرآن میں یہ لفظ استعمال نہیں کیے گئے اس لیے زبور میں احکام شریعہ شامل نہیں تھے۔

عہد نامہ عتیق میں شامل کتاب زبور (Psalms) کا موجودہ نسخہ ڈیڑھ سو مناجات پر مشتمل ہے۔ یہود و نصاریٰ نے ان مناجات کو حضرت داؤد کی تصنیف کہا ہے۔ ان کا یہ دعویٰ اس کتاب کو غیر الہامی قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کسی انسان کا کلام خدا کا کلام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کلیسا نے ان کتب کے الہامی ہونے کی ایک عجیب توجیہ پیش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کتب کو لکھنے والے خواہ انبیاء تھے یا کوئی اور ان لکھنے والوں کے ہاتھ خدا

Marfat.com

کے ہاتھ تھے اور ان کے ہاتھ وہ ہی لکھ رہے تھے جو خدا ان سے لکھوار ہا تھا اس لیے یہ سب کتب الہامی ہیں۔کلیسا کی اس توجیہ کو صرف عقیدت سے اندھے لوگ ہی قبول کر سکتے ہیں۔کیا کلیسا کے علماء پر کوئی وحی نازل ہوئی تھی جس کی بنا پر انہوں نے اتنا بڑا دعویٰ کر دیا۔ ایسے ہی دعوؤں کو قرآن میں بے سند باتیں کہا گیا ہے۔کلیسا کے اس بے بنیاد دعوے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کلیسا کے پاس ان کتب کو کلام ربانی ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل و ثبوت نہ رہا تو اس نے حقائق کے میدان میں پسپائی اختیار کر کے لوگوں کے جذبات عقیدت کا سہارا لیا اور ایک بے بنیاد دعویٰ کر دیا۔کلیسا نے صرف اس دعوے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ لوگوں پر فرض کر دیا کہ اس دعوے کو وہ مذہبی عقیدہ کا درجہ دیں۔ جو اس عقیدے کو تسلیم نہ کرے گا وہ کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا اور سزا پائے گا۔

یہود اور عیسائی علمائے قدیم کے دعوے کی بنا پر یہ کتاب الہامی تو نہ رہی تھی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا کلام قرار دے دیا گیا تھا بعد میں یہود و نصاریٰ کے متقدمین اور متاخرین علماء اور محققین نے زبور کو حضرت داؤد کا کلام تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔اس کتاب کے مصنف یا مصنفین کے تعین پر بھی محققین کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہے اور اس کی تصنیف کے ادوار کے متعلق بھی زبور کے مختلف نسخوں میں مناجات کی تعداد بھی مختلف ہے۔ چنانچہ قدیم محققین آریجن، گریزاسٹم، آگسٹائن، انبردس اور یوتھی میس کا قول ہے کہ زبور کی تمام مناجات داؤد علیہ السلام کی تخلیق ہیں۔ان کے برعکس محقق ہلری، اتھائی تھیس، جیروم اور تیسری صدی عیسوی میں فلسطین کے بشپ ایوسی بیس (Eusebius) نے اس دعوے کی سخت مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت داؤد کی مناجات نہیں ہیں۔

یہ اختلاف تو ہوا زبور کی مناجات کو حضرت داؤد کا کلام قرار دینے اور نہ دینے کے متعلق۔دوسرا اختلاف یہ تحقیق ہونے کے بعد پیدا ہوا کہ اگر یہ مناجات کلی یا جزوی طور پر حضرت داؤد کی نہیں ہیں تو پھر یہ کس کی یا کن کن لوگوں کی مناجات ہیں۔اس سلسلہ میں اختلافی آراملاحظہ ہوں۔

متقدمین یہودی علماء کا دعویٰ ہے کہ یہ زبورین (مناجاتیں) حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، آصف، ہیمان، جدوتھن اور تورہ کے تینوں بیٹوں کی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے صرف انہیں جمع و مدون کیا تھا خود کوئی زبور نہیں لکھی۔ محقق

Marfat.com

کامتھ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ۴۵ زبوریں لکھی تھیں باقی زبوریں دوسرے لوگوں کی تصنیف ہیں۔ محققین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ ان میں دس زبوریں حضرت موسیٰ کی، ۷۱ زبوریں حضرت داؤد کی، زبور نمبر ۸۸ ہیمان کی، زبور نمبر ۸۹ اتھان کی، زبور نمبر ۷۲ سے ۷۷ احضرت سلیمان کی، تین زبوریں جدوتھن کی، ۱۲۰ ازبوریں آصف کی لکھی ہوئی ہیں اور تمیں زبوریں ایسی ہیں جن کے مصنف کا پتہ نہیں۔ متاخرین کا اس امر پر تقریباً اتفاق ہے کہ یہ زبوریں مختلف ادوار میں مختلف گمنام لوگوں نے لکھیں اور انہیں مشاہیر سے منسوب کر دیا۔ غرض یہ کہ زبور کے معاملہ میں اختلافات ہی اختلافات ہیں کسی بھی معاملہ میں اتفاق نہیں پایا جاتا۔ ایسی کتاب جس کی اصلیت کے باب میں اس قدر شکوک اور اختلافات ہیں وہ کتاب آج یہود اور نصاریٰ کی اہم اور معروف مذہبی کتاب کا مقام حاصل کیے ہوئے ہے۔

حاصل کلام

عہد نامہ عتیق میں شامل کتب کے متعلق پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ان کتب کے متعلق درج ذیل حقائق کا تعین ہوتا ہے:

۱۔ یہ کہ جس طرح وحی کے نزول کے فوری بعد قرآن کا متن تحریر اور حفظ کیا جاتا رہا اور تحریر و حفظ کا یہ سلسلہ بلا تعطل مسلسل جاری رہا ایسا کوئی انتظام عہد نامہ عتیق کی الہامی کتب کا متن محفوظ کرنے کے لیے نہیں کیا گیا۔ عہد نامہ عتیق کی سب سے قدیم اور ضخیم کتاب توراۃ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ آپ نے قوانین شریعہ تحریر کر کے انہیں تمام اکابرین یہود کو پڑھ کر سنائے اور اسے عہد نامہ کے صندوق میں رکھوا دیا۔ اس نسخہ کی تیرہ نقول بھی حضرت موسیٰ نے بارہ قبائل اور لادیوں میں تقسیم کرادی تھیں۔ اس کا ذکر کتاب استثنیٰ، باب ۳۱ میں کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کے تحریر کردہ اس نسخہ کو شریعت کی باتیں اور قانون الٰہی کہا گیا ہے۔ یقیناً یہ وہ ہی مواد ہوگا جو حضرت موسیٰ کو بذریعہ وحی پہنچا تھا۔ اس الہامی نسخہ کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب تک اور کس حال میں یہود کے پاس رہا۔ اس میں ابتداً کتنی تحریف و الحاق کیا گیا اور یہ کب ناپید ہوگیا۔ یہود کے دور زوال اور یروشلم کی بار بار تباہی میں جن نسخوں کے جلنے اور ناپید ہونے کا ذکر کیا گیا ہے ان نسخوں کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ موجودہ

نسخوں کے مطابق تھے۔ یعنی ان کا غالب حصہ قانون شریعہ کی بجائے لغو روایات، انبیاء پر غلیظ تہمتوں اور فحش قصے کہانیوں پر مبنی تھا اور ان میں حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور یشع کی زندگی کے حالات اور مکالمات بھی درج تھے۔ یقیناً ایسا مواد نہ تو الہامی قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی باتیں تحریر کی ہوں گی۔ کتاب استثنیٰ کے باب ۳۱ کی عبارت صاف طور پر واضح کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ نے صرف احکام شریعہ تحریر کیے تھے کہانیاں تحریر نہ کی تھیں۔ اگر یہود کا یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے کہ موجودہ نسخوں کا متن تباہ اور ناپید ہونے والی کتب کے مطابق ہے تو یہ باور کرنا ہوگا کہ ۵۸۶ قبل مسیح سے بھی بہت قبل ان کتب کا متن بدل دیا گیا تھا اور جو کتب بخت نصر کے حملوں میں ۵۸۶ ق م اور اس کے بعد سوخت و ناپید ہوئی تھیں وہ الحاقی کلام سے بھری ہوئی تھیں۔

۲۔ یہ کہ عہد نامہ عتیق میں شامل کتب عبرانی زبان میں تھیں لیکن آج ان کا سب سے قدیم نسخہ عبرانی کی بجائے یونانی زبان میں ملتا ہے اور یہ نسخہ بھی قبل مسیح کا نہیں بلکہ حضرت مسیح کی پیدائش کے ہزار آٹھ سو سال بعد کا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کم از کم توراۃ کا یہ نسخہ اس کے نزول کے تقریباً اٹھارہ سو سال بعد تیار کیا گیا۔ اٹھارہ سو سال میں اس نسخہ پر کیا گزری، اس میں کتنی تحریف و الحاق کیا گیا اس کے متعلق کچھ بھی کہنا قیاس کے گھوڑے دوڑانا ہے۔ جس کتاب کی تاریخ اندھیروں میں گم ہو اور جس کتاب کا اصل مسودہ سینکڑوں سال قبل گم اور ناپید ہو چکا ہو اس کتاب کی نقل کے متعلق یہ معلوم کرنا غیر ممکن ہے کہ وہ نقل اصل سے کس حد تک مطابقت رکھتی ہے اور پھر نقول کا یہ حال ہو کہ ایک نقل دوسری نقل سے مطابقت نہیں رکھتی ان کے مابین ہر قسم کا اختلاف موجود ہے۔ ایسی صورت میں موجودہ نسخوں کو الہامی یا نقل مطابق اصل قرار دینا آنکھوں میں دھول جھونکنا ہے۔

۳۔ یہ کہ ان کتب کا انداز کلام و تحریر تذکروں اور سوانح کا سا ہے۔ جس نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کتاب میں خود اس نبی اور اس کے ساتھیوں کے احوال اور اقوال بھی درج کیے گئے ہیں اور بنی اسرائیل کے خیمہ اجتماع میں خدا کی

Marfat.com

آمد و رفت کا حال بھی لکھا ہے۔ توراۃ عہد نامہ عتیق میں شامل تمام کتب میں سب سے زیادہ قدیم اور ضخیم کتاب ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی۔ اس کتاب میں خود حضرت موسیٰ کے حالات و مکالمات بھی درج ہیں اور ان کی موت اور تدفین کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب الہامی اور کلام الٰہی نہیں بلکہ اسے حضرت موسیٰ کے بہت بعد کسی تذکرہ نویس نے لکھا اور اسے خدا سے منسوب کر دیا۔

۴۔ یہ کہ موجودہ نسخوں کے متن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس امر پر تقریباً تمام محققین کا اتفاق ہے کہ ان کتب میں تحریف و الحاق سے کام لیا گیا ہے اور تحریف و الحاق کا یہ عمل قدیم دور سے شروع ہو کر دسویں گیارہویں صدی عیسوی تک مختلف ادوار میں ہوتا رہا۔ یہودی احبار نے ان نسخوں کو اعلانیہ جلا کر تلف بھی کیا جو نسخہ ان کے معتبر نسخوں کے خلاف تھے۔ ان کے معتبر نسخے وہ ہی ہیں جو آج موجود ہیں اور ان نسخوں میں ہر قسم کی اغلاط کثرت سے بھری پڑی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فی الحقیقت یہودی احبار کی مجلس شوریٰ نے غیر معتبر نسخوں کو نہیں بلکہ ان نسخوں کو سوخت اور تلف کیا جو ان کی مرضی اور منشا کے خلاف تھے۔ تقریباً ایسا ہی عمل بعد میں کلیسا کے عیسائی علماء نے بھی کیا اور انہوں نے برناباس جیسے حواری کی انجیل بھی تلف کر دی کیونکہ اس انجیل میں واضح طور پر حضرت عیسیٰ کے مصلوب کیے جانے کی تردید کی گئی تھی اور ان کے فرشتوں کے ساتھ آسمان پر جانے کا چشم دید حال لکھا تھا۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی الہامی یا مذہبی کتب ان کے علماء اور اکابرین کے منشا اور پسند و ناپسند کی تابع بنادی گئی تھیں۔ ان سے وہ مواد نکال دیا گیا جو ان علماء کو پسند نہ آیا یا جو ان کے خودساختہ عقائد کے خلاف تھا اور ایسا مواد ان کتب میں داخل کر دیا جو ان علماء کے منشا و مقصد کے مطابق تھا۔

۵۔ یہ کہ ان نسخوں کے متن میں ہر قسم کی اغلاط اور فاش غلطیاں ملتی ہیں۔ متن میں باہمی تضاد و تناقض بھی پایا جاتا ہے اور مسلمہ تاریخی حقائق کے خلاف باتیں بھی درج ہیں۔ ان کتب کے کوئی بھی دو نسخے ایسے نہیں ملتے جن میں کہیں نہ کہیں عبارت اور مضامین کا اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔ ان اغلاط اور تضاد بیانی کے

Marfat.com

باعث اس مواد کو خدا کا کلام کسی طور بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسے کسی بالغ نظر اور اعلیٰ مصنف کی بے نقص تصنیف بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۶۔ یہ کہ قدیم یہودی روایت کے مطابق کوہ طور پر خدا نے چالیس دن تک حضرت موسیٰ کو دو قسم کی تعلیم دی تھی۔ اول یہ کہ انہیں احکام شریعت تعلیم کیے، دوم یہ کہ ان احکام کی تشریح اور تفسیر امثال و روایات کے ذریعے تعلیم کی۔ ظاہر ہے احکام شریعہ صرف چند تھے جنہیں بتانے میں خدا کو ایک دن بھی نہ لگا ہوگا۔ چالیس یوم کا بقیہ وقت تشریح اور تفسیر میں ہی صرف ہوا ہوگا۔ چنانچہ احکام کے مقابلہ میں احکام کی تشریح کی طوالت انتالیس گنا زیادہ ہوگئی۔ اس روایت کا کوئی ذکر توراۃ میں نہیں ملتا۔ یہ بعد کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔ اس روایت نے ایک اور روایت اور عقیدے کو جنم دیا وہ یہ کہ خدا نے اپنے احکام کی تشریح کا جو درس موسیٰ کو دیا تھا وہ ہی تشریح احکام شریعت کی جان اور روح ہے اور اس روح اور علم کو خدا نے اور موسیٰ نے خلق خدا سے مخفی رکھا۔ اس مخفی علم کو موسیٰ نے پہلے اپنے بڑے بھائی ہارون کے گوش گزار کیا اور پھر اپنے خلیفہ یشع کو اس علم کی تعلیم دی۔ اس کے بعد یہ علم سینہ بہ سینہ انبیاء بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا ہوا عزرا نبی کے پاس پہنچا اور عزرا نے از سر نو جو دو سو چار کتب لکھوائی تھیں ان میں ستر کتب مخفی بھی شامل تھیں جنہیں عام لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی ہدایت عزرا نے دی تھی۔ یہ مخفی علم جو بیشتر روایات پر مبنی تھا اسے شریعت اور مذہب کی روح قرار دیا گیا اور اس مخفی علم کے عارفوں نے جو چاہا اسے کتب ربانی کی تفسیر و تشریح قرار دے دیا۔ اصل الہامی کتاب ان کی خود ساختہ تشریحات کی تابع مہمل بن گئی اور بالآخر ایسی ہی تشریحات پر مبنی مشنا اور تالمود وجود میں آئیں اور پوری یہودی قوم اپنی تمام الہامی کتب کو چھوڑ کر مشنا اور تالمود کو پکڑ کر بیٹھ گئی۔ آج یہودی صرف تالمود کو پڑھتے اور تالمودی مذہب پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے احبار نے صدیوں قبل متفقہ طور پر فیصلہ کر دیا تھا کہ یہود کے لیے آج سے توراۃ وغیرہ کتب انبیاء صرف واجب التعظیم ہوں گی واجب التعمیل نہ ہوں گی۔

یہ ہے اصلیت اور حقیقت یہود اور نصاریٰ کی موجودہ نام نہاد الہامی کتب کی۔

Marfat.com

عہد نامہ جدید کی تدوین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً پانچ سو سال قبل یہود نہ صرف اپنی الہامی کتب کو بدل چکے تھے بلکہ انہوں نے اپنے مذہب کی ہیئت اور مقصد کو بھی بدل ڈالا تھا۔ یہود کی قدیم مذہبی کتب ثابت کرتی ہیں کہ اس قوم کی اکثریت کا مزاج مفسدانہ اور اس کا رجحان باغیانہ رہا ہے۔ اس قوم میں ایک ایسا طبقہ ہمیشہ سرگرم رہا جسے دین حق اور انبیاء کرام سے طبعاً نفرت تھی۔ یہ طبقہ لوگوں کو خدا اور اس کے انبیاء کے خلاف بغاوت پر اکساتا تھا۔ اس ابلیسی طبقہ نے اپنے عالمگیر الہامی مذہب کو باطل نسلی مذہب میں بدلا اور پوری یہودی قوم کو خدا کی اولاد قرار دے دیا۔ یونانی فلاسفہ کے مقصدیت کے نظریہ نے یہود کے خودساختہ باطل مذہب میں ایک اہم عقیدہ کی حیثیت اختیار کی تھی۔ حصول مقصد کے لیے جھوٹ بولنا، فریب دینا، جعلسازی کرنا اس مذہب میں عبادت کا مقام حاصل کر چکا تھا۔ پوری یہودی نسل کو خدا کی اولاد قرار دینے کے بعد یہودی قوم اپنے خدا باپ کی تمام ارضی املاک کی واحد مالک بن گئی اور ہر یہودی کا مذہبی فریضہ ہوگیا کہ وہ پوری دنیا پر یہود کی دائمی بادشاہت قائم کرے اور تمام غیر یہودی نسل کے لوگوں کو بولنے والے جانور سمجھ کر انہیں اپنا غلام بنالے کیونکہ خدا نے ان بولنے والے جانوروں کو بھی صرف یہود کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہود کے ان ابلیس صفت لوگوں نے کوئی نیا مذہب یا کسی نئے مذہبی فرقہ کو تخلیق اور قائم نہیں کیا تھا اور نہ ہی انہوں نے کسی نئے عقیدہ کا اعلان کیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ الہامی کتب اور ان کی تعلیمات کو رفتہ رفتہ بدلتے رہے اور پھر اپنے اس باطل اور خودساختہ مذہب اور مذہبی عقائد کے لیے اپنی بدلی ہوئی الہامی کتب سے استدلال کرنے لگے۔ اس طرح انحراف کی منزلیں طے کر کے ان کا نسلی باطل مذہب

Marfat.com

غیر محسوس طور پر مروج ہوگیا۔ ان کے شیطان صفت طبقہ نے صدیوں کی کاوش کے بعد یہ کامیابی حاصل کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے اور ایک اور الہامی کتاب بھی نازل ہوگئی۔ ایسے باطل اور انسانیت کش مذہب کے لیے خدا کے رسول اور خدا کی کتاب سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہود کی کتب اور ان کے انبیاء نے بشارت دی تھی کہ ایک مہدی جوان ہی میں سے ہوگا اور جس کے سر پر سرداری کا تیل لگایا جائے گا یعنی وہ مسیح بھی ہوگا ظہور میں آئے گا۔ یہود صدیوں سے اس مسیح موعود کا انتظار کررہے تھے۔ اس بشارت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کی والدہ کے سرپرست حضرت زکریا علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کے فرد تھے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اللہ کے معجزے کا نتیجہ تھی اور آپ پہلے اور واحد نبی تھے جن سے گود میں اور ایام طفولیت میں بھی معجزات کا ظہور ہوا اور آپ گویا پیدائشی نبی ثابت ہوئے۔ ان تمام ثبوت اور معجزات کے باوجود یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح موعود اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کو کلام ربانی تسلیم نہیں کیا اور وہ آج بھی مسیح موعود کی آمد کا انتظار کررہے ہیں۔

قدیم تاریخی کتب اور عیسائیوں کی مذہبی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کو یہودی قوم اور ان کے مذہب کا دشمن قرار دیا تھا اور رومی حکمران سے یہ شکایت بھی کی تھی کہ یہ شخص ہمارے مذہب کو بدلنا اور تباہ کرنا چاہتا ہے اور اپنی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ کوئی نیا مذہب لائے تھے اور نہ ہی نئی شریعت۔ آپ سے قبل بھی انبیاء کا یہ ہی عمل رہا تھا کہ وہ کلام ربانی میں ملفوظ احکام الٰہی پر خود بھی عمل کرتے تھے اور اپنی امت کو بھی اس پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا اور توراۃ میں مرقوم احکام شریعہ کو نافذ فرمایا۔ آپ نبی اور صاحب کتاب رسول تھے۔ آپ سے یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی کہ سابق الہامی کتب میں کون سا کلام اللہ کا ہے اور کون سا الحاقی اور محرف۔ چنانچہ آپ نے جو بھی حکم دیے اور فیصلے کیے وہ خالصتاً کلام ربانی کے مطابق تھے۔ آپ کا یہ ہی عمل اور آپ کی ایسی ہی تعلیمات یہود کے اس مروجہ دین کے خلاف تھیں جو باطل دین صدیوں کی

Marfat.com

کاوش کے بعد یہودی تخلیق کر چکے تھے۔ یہود نے غیر یہودی نسل کے لوگوں کا دین یہود میں داخلہ بند کر دیا تھا اور حضرت عیسیٰ نسل، علاقہ اور زبان کے امتیاز کو ختم کر کے بلا امتیاز خلق خدا کو راہ نجات دکھا اور دین اللہ میں داخل فرما رہے تھے۔ دین اللہ میں داخل ہونے والے بنی اسرائیل کے لوگ بھی تھے۔ مقامی غیر یہودی نسل کے لوگ بھی تھے اور بت پرست بھی۔ یہود کے خود ساختہ نسلی مذہب کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عمل اور آپ کی تعلیمات نہایت درجہ خطرناک اور تباہ کن ثابت ہو رہی تھیں۔ اس لیے یہودی اکابر مذہب نے فیصلہ کر لیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے کانٹے کو اپنی راہ سے نکال پھینکیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر مراجعت فرما گئے۔ ان کی جگہ معجزاتی طور پر ان کا ہم شکل بن جانے والے یہودا کو مصلوب کر دیا گیا۔ بہر صورت یہود اپنی راہ کی اس سب سے بڑی رکاوٹ کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب یہود کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقیات یعنی انجیل مقدس، آپ کی زبانی تعلیمات اور آپ سے تعلیم و تربیت یافتہ حواری رہ گئے تھے۔ ان کو مٹانے، بدلنے اور غیر مؤثر بنانے میں یہود کی خفیہ تنظیم کو تین سو سال تک مشقت کرنی پڑی۔

اس حقیقت کی کسی بھی محقق یا عیسائی عالم نے تردید نہیں کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل کے کلام ربانی کو لکھوانے اور لوگوں سے حفظ کروانے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ آپ اپنی تبلیغی تقاریر میں کلام ربانی بھی سناتے تھے اور اس کی تشریح بھی فرما دیتے تھے۔ اس لیے آپ کے حواریوں نے بھی وحی الٰہی کا متن الگ سے قلمبند نہیں کیا۔ شاید انہوں نے اسے سنت عیسیٰ سمجھا اور وہ بھی اپنی تبلیغی تقاریر میں کلام ربانی سناتے رہے۔ ان کی ہدایات میں ایک اضافی صورت یہ پیدا ہوئی کہ حضرت عیسیٰ تو براہ راست خدا کا کلام سنا دیتے تھے لیکن حواری حضرت عیسیٰ کا حوالہ دے کر اور حضرت عیسیٰ کے کلمات شامل کر کے الہامی کلام سناتے تھے۔ اس طرح عام لوگوں کے پاس الہامی کلام کے الفاظ مجرد اور منفرد صورت میں پہنچنے کی بجائے حضرت عیسیٰ کے الفاظ اور حواریوں کے کلمات کے ساتھ پہنچتے تھے۔ ان ہی ملفوظات کو جن لوگوں نے انجیل کے نام سے تحریر کیا ان میں کلام ربانی، کلام عیسیٰ اور کلام حواری وغیرہ کے الفاظ بھی درج کر دیے گئے۔ اس طرح انجیل کا

کوئی بھی نسخہ خالصتاً کلام ربانی پر مشتمل نہ رہ سکا اور توراۃ وغیرہ کی طرح یہ الہامی کتاب بھی حدیث عیسیٰ بن کر رہ گئی۔ ظاہر ہے کلام ربانی اس صورت میں نازل نہ ہوا تھا۔ یقیناً ان الہامی کتب کا ربانی کلام بھی قرآن کی طرح نازل ہوا ہوگا لیکن اسے ملاوٹ و تحریف سے محفوظ نہ رکھا جا سکا اور اس کا حلیہ بگڑ گیا۔

قرآن واضح کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء کا رب ایک ہی ہے۔ تمام انبیاء کو ایک ہی تعلیم دی گئی تھی۔ ان سب کا دین ایک ہی تھا جسے قرآن میں دین اللہ اور دین اسلام یعنی سلامتی کا راستہ کہا گیا ہے۔ تمام انبیاء ایک ہی نوعیت کے عقائد اور احکام کی تعلیم دیتے رہے۔ ان پر نازل الہامی کتب میں منقول بنیادی عقائد اور تعلیمات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ہر نبی نے سابق انبیاء اور سابق کتب کی تصدیق و تائید کی ہے اور روز حشر دوبارہ زندہ ہو کر ہر شخص کو اپنے اعمال کا حساب دینے کے عقیدے کو دوہرایا ہے۔ اسی لیے مسلمان تمام سابق انبیاء اور تمام سابق الہامی کتب پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں اور ان سب کو اللہ کا نبی برحق اور اللہ کی کتب قرار دیتے ہیں۔ دین اللہ کے اس تسلسل پر ایمان نہ لانے کا ارتکاب سابق امتوں سے ہوا ہے۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اور انجیل کو کلام ربانی تسلیم نہ کیا اور وہ کفر میں مبتلا ہو گئے کیونکہ اللہ کے کسی برحق نبی اور اللہ کی کسی کتاب کو جھوٹا اور جعلی قرار دینا کتمان حق اور کفر ہے۔ یہ ہی کفر عیسائیوں نے آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو نبی اور آخری الہامی کتاب قرآن کو کتاب اللہ نہ مان کر کیا۔ اس طرح دنیا میں صرف مسلمان وہ واحد امت بن گئے جو تمام انبیاء اور تمام الہامی کتب پر ایمان رکھتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

سابق امتیں نہ اپنی الہامی کتب کو تحریف سے محفوظ رکھ سکیں نہ اپنے انبیاء کی تعلیم و ہدایت کو۔ الہامی کتب اور تعلیمات میں تغیر پیدا ہوا تو ان کے ادیان میں شرک داخل ہوتا چلا گیا اور بالآخر وہ صریح شرک پر قائم ہو گئے۔ اصلاح حال کے لیے اللہ نے انبیاء کو بھی بھجوایا اور الہامی کتب کو بھی لیکن ہر کتاب متغیر اور ہر نبی کی تعلیم مسخ کی جاتی رہی۔ بالآخر اللہ نے اپنی آخری کتاب اور اپنا آخری نبی بھیجا اور اس آخری کتاب کے متن کی حفاظت

Marfat.com

کا ذمہ خود لے لیا۔ اس لیے اس الہامی کتاب کا ایک حرف بھی تبدیل نہ کیا جا سکا۔

اللہ کی نازل کردہ پہلی کتاب سے لے کر آخری کتاب تک بنیادی عقائد اور بنیادی احکام و تعلیم یکساں اور مشترک صورت رکھتے تھے۔ تمام انبیاء بھی ایک ہی انداز کی ہدایت کرتے تھے۔ ہر نبی کی کتاب پچھلی الہامی کتاب میں داخل کردہ تحریف اور تغیر کی اصلاح کرتی تھی اور ہر نیا نبی بھی یہ ہی عمل کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایسا ہی کیا۔ ان سے قبل نازل کتب میں تحریف کر دی گئی تھی۔ آپ نے اس تحریف کو دور فرمایا اور اصل احکام و شریعت کو نافذ کیا۔ آپ صاحب وحی اور صاحب کتاب رسول تھے۔ آپ کی نظر سے پچھلی کتب میں کی گئی تحریف پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ اس لیے آپ نے سابق کتب میں کی گئی تحریف والحاق کو دور کیا اور اصل الہامی متن کے مطابق احکامات دیے۔ یہودی فتنہ پردازوں نے آپ کے اس اصلاحی عمل کو مروجہ یہودی مذہب وعقائد میں مداخلت اور تغیر کا عمل قرار دیا اور آپ پر الزام لگایا کہ آپ یہودی مذہب کو خراب اور تباہ کر رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ کوئی نیا دین لائے تھے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی نئے دین کے بانی تھے۔ انجیل مقدس میں احکام شریعہ بہت کم اور ہدایات زیادہ تھیں اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرعی امور میں توراۃ کے احکام نافذ فرماتے تھے۔ یہ عمل محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا۔ کسی مسئلہ میں جب تک قرآن میں کوئی حکم نازل نہ ہوتا آپ اس مسئلہ کا فیصلہ توراۃ کے مطابق فرما دیتے تھے۔ شریعت اسلامی میں آج بھی کچھ فیصلے توراۃ پر مبنی ہیں۔ مثلاً مرتد کی سزا کے متعلق قرآن میں وضاحت نہیں ہے لیکن توراۃ میں مرتد کو قتل کر دینے کا حکم موجود ہے۔ اس لیے اسلامی شریعت میں توراۃ کے اس حکم پر عمل کیا جاتا ہے جیسا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کو مرتد قرار دے کر انہیں قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ادیان حقہ میں باہمی ہم آہنگی اور مماثلت کا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ اس ہم آہنگی اور مماثلت کو یہودی فتنہ پردازوں نے عیب قرار دیا اور دعویٰ کیا کہ عیسائی مذہب یہودی مذہب کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ یہودی مذہب کا ایک ایسا فرقہ ہے جس نے اپنے موروثی مذہب کو بگاڑ لیا۔ اس تشہیر سے غیر یہودی نسل کے لوگ متاثر ہوئے اور

Marfat.com

وہ عیسائیوں کو یہودی مذہب کا ایک فرقہ تصور کرنے لگے۔ چنانچہ تاریخ میں بھی اس خیال کی چھاپ ملتی ہے اور مؤرخین نے ابتدائی دو عیسوی صدیوں کے دور کو یہودی عیسائیت کا دور قرار دیا ہے۔ عیسائی مذہب کو اس وقت الگ اور مکمل مذہب تسلیم کیا گیا جب عیسائیوں نے سینٹ پال کے ساختہ عقائد تثلیث، تجسم، تحلیل اور کفارے پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ دی اور وہ کلیتاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور الہامی کتب کی تعلیمات ترک کر بیٹھے۔

جہاں تک دور اول کے یہودی اور عیسائی مذہب کے درمیان امتیاز اور فرق کا تعلق ہے وہ اسی دن پیدا ہو گیا تھا جس دن یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اور مسیح موعود اور انجیل کو کتاب ربانی ماننے سے انکار کیا تھا۔ اللہ کے کسی نبی کو نبی اور اللہ کی کسی کتاب کو کتاب اللہ نہ ماننا صریح کفر ہے۔ یہود نے یہ کفر کیا اور نہ صرف وہ عیسائیوں کے بلکہ خود اپنے الہامی دین سے بھی جدا ہو گئے۔ اسی کفر کا ارتکاب بعد میں عیسائیوں نے بھی کیا اور وہ بھی نبی آخری الزماں محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کی کتاب نہ مان کر اسی طرح کافر ہو گئے جس طرح یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول نہ مان کر کافر ہو گئے تھے۔ امت مسلمہ وہ واحد امت ہے جو کسی بھی نبی اور کسی بھی الہامی کتاب کے برحق ہونے سے انکار نہیں کرتی اور وہ اللہ کے تمام انبیاء اور اللہ کی تمام کتب پر ایمان رکھتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی بھی نبی اور کسی بھی اللہ کی کتاب پر ایمان لانے سے انکار کر دے تو وہ صریحاً کافر ہے اور اسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ موجودہ کتب انبیاء وہ الہامی کتب نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہوا ہے۔ ان کتب کو بدلا اور متغیر کر دیا گیا ہے اور اس امر کی وضاحت قرآن میں کر دی گئی ہے اس لیے موجودہ کتب انبیاء کے متن کو قبول اور تسلیم کرنا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہودی اپنی الہامی کتب اور اپنے الہامی دین کو بدل چکے تھے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اس وقت تک یہود میں ان کا خود ساختہ نسلی مذہب بڑی حد تک مروج ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ نبی برحق تھے وہ ایسے نسلی اور انسان دشمن مذہب کی حمایت نہ فرما سکتے تھے۔ آپ نے اس کی مخالفت کی اور یہود نے آپ کو اور انجیل مقدس کو اپنی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھا اور وہ اس رکاوٹ کو دور

Marfat.com

کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد بھی آپ کا دین حق فروغ پاتا رہا۔ آپ کے حواری دن رات کلمہ حق بلند اور دین حق کی تبلیغ کرتے رہے۔ یہود نے اپنے دین میں غیر یہودی نسل کے لوگوں کا داخلہ بند کر دیا تھا لیکن عیسائی مذہب تمام نوع بشر کے لیے تھا اس کے دروازے سب کے لیے کھلے تھے۔ یہودی اور غیر یہودی اس مذہب میں داخل ہوتے رہے۔ یہودی اکابر کو جب یقین ہو گیا کہ ظلم و زیادتی اور خوف و دہشت سے اس دین کو ختم کرنا ممکن نہیں تو انہوں نے دین عیسیٰ کو ختم و مبدل کرنے کے لیے اپنا سب سے زیادہ مہلک اور کارگر ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ ہتھیار التباس شخصیت کا ہتھیار تھا۔ چند ذہین اور تعلیم یافتہ یہودی عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کو عیسائیوں کی صفوں میں گھس گئے اور انہوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کردی۔ ان یہودی فتنہ گروں میں سب سے زیادہ ذہین، تیز و طرار اور سب سے بڑا عالم ساول تھا جسے بعد میں پولس اور سینٹ پال بھی کہا گیا۔ یہ حضرت عیسیٰ سے سخت نفرت کرتا تھا جو یہودی عیسائیت قبول کرتے تھے انہیں مرتد قرار دے کر قتل کرا دیتا۔ اس نے عیسائیت کا بھیس بدلنے سے قبل تقریباً تین سال دمشق میں قیام کیا اور پھر دعویٰ کیا کہ مجھے عیسیٰ مسیح سورج سے زیادہ روشن نظر آئے۔ آپ نے مجھے ہدایت اور برکت دی اور مجھے اپنا شاگرد بنالیا۔ بعد میں اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اسے براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دین کا علم اور ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے وہ انجیل یا کسی حواری سے علم و ہدایت حاصل کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ اس نے ابتدائی چند سال حواریوں کا اعتماد اور ان کی رفاقت حاصل کرنے میں صرف کیے جبکہ حواری اس سے ڈرتے اور اس سے مشکوک رہتے تھے۔ سینٹ پال کے عیسائی بننے کا ذکر عہد نامہ جدید میں شامل کتاب اعمال کے باب ۲۶ میں ہوا ہے اور پولس پال سے حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے مشکوک رہنے کا ذکر کتاب اعمال کے باب ۹ کی آیات ۲۶ تا ۳۰ میں اس طرح کیا گیا ہے:

"پولیس نے یروشلم پہنچ کر شاگردوں (حواریوں) میں مل جانے کی کوشش کی لیکن وہ سب اس سے خائف تھے کیونکہ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد (عیسائی) ہے۔ برنباس حواری نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جا

Marfat.com

کران سے بیان کیا کہ اس نے راہ میں اس طرح خداوند کو دیکھا اور اس نے اس سے باتیں کیں اور اس نے دمشق میں بڑی دلیری سے یسوع کے نام کی منادی کی۔ پس وہ ان کے پاس یروشلم آتا جاتا رہا۔''

برناس جلیل القدر حواری تھے اور حواریوں میں آپ پہلے شخص تھے جنہیں سنٹ پال دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ آپ کی سفارش پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دیگر حواریوں نے پال کا اعتبار کر کے اسے تبلیغی سرگرمیوں میں شامل کر لیا۔ لیکن سینٹ پال کا مقصد دین عیسوی کی تبلیغ کرنا نہ تھا۔ اس کا مقصد دین عیسوی کو یکسر بدل کر اس کی الہامی تعلیمات وعقائد کو ختم کر ڈالنا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت جلد پَر پُرزے نکالنے شروع کیے اور اپنے خودساختہ نظریات کی تبلیغ واشاعت شروع کر دی۔ اس امر سے کسی بھی عیسائی محقق نے انکار واختلاف نہیں کیا کہ اقانیم ثلاثہ، حلول اور کفارے کے نظریات سینٹ پال کے تخلیق کردہ ہیں جن پر موجودہ عیسائی مذہب کی بنیاد قائم ہے۔ عیسائی محققین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے بانی حضرت عیسیٰ اور سینٹ پال دو الگ الگ شخص ہیں اور دین عیسوی کا غالب حصہ سینٹ پال نظریات پر قائم ہے۔

سینٹ پال نے صرف ان خودساختہ عقائد کی ہی تبلیغ نہیں کی بلکہ شریعت کے خلاف بھی علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس نے شریعت کو لعنت اور گناہ کی تخلیق کا سبب قرار دے کر اعلان کیا کہ ہم شریعت کی لعنت کو ختم کر ڈالیں گے۔ شریعت سے انکار فی الحقیقت توراۃ اور انجیل سے انکار ہے اور شریعت کو لعنت قرار دینا احکام الٰہی کو لعنت قرار دینا ہے۔ خلق خدا کو گمراہ کرنے ان کے اخلاق وکردار کو تباہ اور انہیں جہنم کا ایندھن بنانے کے لیے صرف ترک شریعت کا عمل ہی بہت کافی ہے۔ سینٹ پال تو صرف ترک شریعت کا ہی درس نہیں دے رہا تھا اسے لعنت بھی قرار دے رہا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود کتنا بڑا لعنتی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی امت کا کتنا خطرناک دشمن تھا۔ اس نے یونانی منطق کی شعبدے بازی کو استعمال کر کے نجات کی تمام تر بنیاد ایمان پر قائم کی۔ یہ ایمان خدا کی وحدانیت، انبیاء کی حقانیت اور الہامی کتب کی صداقت پر مبنی نہ تھا بلکہ پولس کے خودساختہ مشرکانہ اور نہایت پر پیچ نظریات پر ایمان لانا تھا۔ بلاشبہ ایمان کے بغیر عمل بیکار

اور بے روح ہے لیکن عمل صالح کے بغیر ایمان کا دعویٰ محض فریب اور جھوٹ ہے۔ انبیاء کرام جن حقائق پر ایمان لائے تھے انہوں نے اپنے عمل سے بھی اپنے ایمان کی تصدیق کی تھی۔ لیکن سینٹ پال کہہ رہا تھا کہ جن عقائد کو میں نے تخلیق کیا ہے ان پر ایمان لے آؤ عیسیٰ مسیح کا خون تمہارے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ اس کے بعد تمہیں نہ شریعت کے کسی حکم کی تعمیل کرنی پڑے گی اور نہ ہی کسی مشقت میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ تم خواہ کچھ بھی کرتے رہو جنت تمہارا مقدر بنی رہے گی۔ عہد نامہ جدید میں شامل پولس کے سترہ خطوط یہ ہی تعلیم دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سینٹ پال نے توراۃ وانجیل کی الہامی کتب اور حضرت عیسیٰ اور آپ کے حواریوں کی تعلیم کے خلاف ایک نیا خود ساختہ مذہب تخلیق کر ڈالا اور بالآخر ۳۲۵ عیسوی میں نیقہ کی مجلس علماء نے پولس کے ساختہ نظریات پر دین عیسوی کی بنیاد رکھ دی۔ اس کے بعد دین عیسوی وہ دین نہ رہا جس کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔

یقیناً اس سازش میں پولس کی طرح ہر دور میں یہودی سازشی گروہ کے افراد عیسائی علماء اور کلیسا کے سربراہوں کا روپ دھارتے رہے اور رفتہ رفتہ انہوں نے انجیل مقدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو مبدل اور غائب کر کے پولس کے ساختہ دین کو عیسائیت اور دین مسیح کا درجہ دلا دیا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہر دور میں اس دور کے مطابق اقدامات کیے گئے۔ سب سے پہلے انجیل کے الہامی متن کو مٹانے کے لیے اسے کتاب کی صورت میں الگ جمع نہ کیا گیا۔ انجیل کو بھی توراۃ کی طرح خالص الہامی کلام کی صورت میں جمع وتدوین کرنے کی بجائے اسے تذکرے کی شکل میں لکھا گیا۔ ایسے تقریباً ستر تذکرے مختلف لوگوں نے مختلف اوقات میں لکھے اور ہر لکھنے والے نے اپنی کتاب کو انجیل کا نام دیا۔ پھر کلیسا کے رہنما ایسی اناجیل کے تلف اور ناپید کرنے کی کوشش کرتے رہے جن سے واضح طور پر سینٹ پال کے معروف نظریات کی نفی اور مخالفت ہوتی تھی۔ ایسی کتب کو جلایا جاتا رہا اور کلیسا کی طرف سے ان کتب کو رکھنا اور پڑھنا گناہ عظیم اور قابل سزا جرم قرار دیا جاتا رہا۔

چوتھی صدی عیسوی میں عیسائیوں کے لیے عہد نامہ جدید کی تدوین کا سلسلہ

Marfat.com

شروع ہوا۔ اس مجموعہ میں ستر اسی اناجیل میں سے چھانٹ کر چار ایسی اناجیل شامل کی گئیں جن سے پولس کے خیالات وعقائد کی کم سے کم مخالفت ہوتی تھی اور ان میں ایسی تحریف بھی کی گئی جس سے پولس کے عقائد ونظریات کی تصدیق کا پہلو نکالا جاسکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صادق الایمان بارہ حواری تھے جنہیں بارہ شاگرد کہا گیا ہے۔ ان بارہ شاگردوں کے نام یہ تھے۔ یعقوب بن زبدی، یعقوب بن حلفی، یہودہ اسکریوتی، توما، برتلمائی، یہوداوتدا۔ تداؤس، فلپس، متی، پطرس، برناباس اور یوحنا۔ ان میں سے یعقوب بن زبدی اور یہودہ اسکریوتی یروشلم میں حواریوں کے اجتماع سے قبل ہی فوت ہوگئے تھے۔ باقی دس حواریوں کے حالات کی کوئی مفصل اور معتبر تاریخ نہیں ملتی۔ پولس کے شاگرد خاص نے حواریوں کے اعمال کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ کتاب چونکہ پولس کے شاگرد نے لکھی تھی اور پولس کو اہمیت دینے کے لیے لکھی تھی اس لیے کلیسا نے اس کتاب کو عہد نامہ جدید میں شامل کرلیا۔ یہ کتاب جو لکھی ہی گئی تھی حواریوں کے حالات اور خدمات کا اظہار کرنے کے لیے اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کے اکابر حواریوں کا ذکر صرف یروشلم میں منعقدہ حواریوں کے اجتماع تک ملتا ہے۔ اس کے بعد سب حواری معتوب اور غائب ہوجاتے ہیں۔ یروشلم کا اجتماع اس مسئلہ کے متفقہ فیصلہ کے لیے طلب کیا گیا تھا کہ غیر یہودی نسل کے جو بت پرست لوگ عیسائی ہونا چاہتے ہیں ان پر عیسائی مذہب اختیار کرنے کے لیے کم سے کم کیا شرائط لگائی جائیں۔ اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہ تھا کہ بت پرستی کو ترک اور توحید کے عقیدہ کو اختیار کیے بغیر کوئی بھی شرک سے نجات نہیں پاسکتا اور مشرک عیسائی نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ عیسائی مذہب اختیار کرنے والے کو لازمی طور پر خدائے واحد، اس کے انبیاء اور اس کی کتابوں پر ایمان لانا ہوگا اور زنا، قتل، قمار اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں کے گوشت سے کلی طور پر اجتناب کرنا ہوگا۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ ان لوگوں کی ختنہ کرائی جائے یا نہیں۔ توراۃ میں ختنہ کے لیے واضح حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بچہ آٹھ یوم کا ہوجائے تو اس کی ختنہ کردو۔ یہاں عیسائی ہونے والے آٹھ یوم کے بچے نہیں بلکہ بالغ اور عمر رسیدہ لوگ تھے۔ ان کے لیے اس عمر میں ختنہ کروانا تکلیف دہ اور خطرناک کام تھا اس لیے حواریوں نے فیصلہ کیا کہ عیسائی

Marfat.com

مذہب اختیار کرنے کے لیے ان پر یہ شرط وقید نہ لگائی جائے۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ یہ لوگ اپنے نومولود بچوں کی بھی ختنہ نہ کرائیں۔ ختنہ کے حکم کو کالعدم نہیں کیا گیا تھا۔ اس طرح صرف ان لوگوں کے لیے چند رعایتیں دی گئی تھیں۔ لیکن وہ رعایتیں یہودیت سے عیسائیت قبول کرنے والوں اور آئندہ نسلوں کے لیے نہ تھیں۔ حواریوں کے اس فیصلہ کو سینٹ پال نے شریعت کو کلیتاً ختم کر دینے کا فیصلہ قرار دیا اور اس نے اعلانیہ کہنا اور لکھنا شروع کر دیا کہ شریعت ایک لعنت ہے۔ ہم اس لعنت کو ختم کر دیں گے۔ شریعت کے خلاف پولس کے اعلان کی حواریوں نے سخت مخالفت کی اور سینٹ پال نے حواریوں کو منافق، گمراہ اور لالچی کہنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے خودساختہ نظریات اقانیم ثلاثہ، حلول اور تجسم اور کفارہ کی کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی۔ اس کے نظریات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف تھے۔ اس لیے حواریوں کو پولس کے خیالات ونظریات کی تردید بھی کرنی پڑی اور ان کا کام دگنا ہوگیا۔ ایک طرف وہ توحید اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی تبلیغ کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ سینٹ پال کے خودساختہ اور مشرکانہ عقائد ونظریا کو باطل ثابت کرنے کی مہم چلا رہے تھے۔ پولس سے تمام حواریوں کے اس کھلے اور عام اختلاف کے بعد پولس کا شاگرد رشید لوقا اپنی کتاب رسولوں کے اعمال میں حواریوں کا ذکر کیوں کرتا اس لیے لوقا نے اپنی کتاب سے حواریوں کا ذکر خارج کر دیا۔ چنانچہ یروشلم کے مذکورہ اجتماع کے بعد تمام حواری یکلخت اس کتاب سے غائب ہوجاتے ہیں۔ پولس کے ساتھیوں نے ایسے گروہ بنائے تھے جو قلم کو استعمال کرتے رہے۔ مؤرخوں اور تذکرہ نویسوں کا بیشتر طبقہ ان ہی لوگوں پر مشتمل تھا۔ چنانچہ قدیم ترین دور اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی ہمیں پولس کے مخالفین کا بہت کم ذکر ملتا ہے۔ پطرس جیسے اہم اور معروف حواری جس کے متعلق حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا ''تو ایک مضبوط چٹان ہے میں تجھ پر دین کی بنیاد قائم کروں گا۔'' اس پطرس کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں رہا، کہاں مرا اور کہاں مدفون ہوا۔ صرف قیاس آرائیوں اور غیر معتبر متضاد روایتوں پر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ وہ ایشیائے کوچک چلا گیا تھا اور وہاں بابل میں مقیم یہودیوں کے ساتھ رہا۔ اسکندری، آئرینوس، کلیمنٹ اور ٹرٹولین کا کہنا ہے کہ وہ روم میں

رہا۔ اریجن، یوسی بیس اور جیروم کا خیال ہے کہ وہ انطاکیہ میں مقیم رہا۔ پطرس کی موت کے متعلق بھی کوئی معتبر روایت نہیں۔ ٹرٹولین نے لکھا ہے کہ پطرس کو روم کے بادشاہ نیرو نے قتل کروایا تھا۔ اریجن کہتا ہے کہ اسے لوگوں نے صلیب پر الٹا لٹکا کر مار ڈالا۔ یہ تمام اقوال اور بیانات برٹینکا جیسی عالمانہ اور محققانہ کتاب کی جلد ۱۷ کے مقالہ پطرس میں درج ہوئے ہیں۔ دوسرے حواریوں میں سے کئی حواریوں کو ان لوگوں نے ہندوستان پہنچا کر گم کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان اکابر حواریوں کی کارکردگی اور قربانیوں پر پولس کے کلیسائی گروہ نے قصداً پردے ڈالے ہیں اور انہیں گم کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین حق اور آپ پر نازل انجیل مقدس کو بدلنے اور متغیر کرنے کی سازش میں صرف پولس نے ہی عیسائیت کا چولا نہیں پہنا تھا بلکہ اس کے ساتھ اور کئی یہودی سازش کار بھی تھے۔ التباس شخصیت کا یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ صدیوں تک چلتا رہا اور اس سازشی گروہ کے لوگ ہی کلیسا پر قابض ہوتے رہے۔ چنانچہ پولوسی گروہ نے روم کے شاہ قسطنطین کے دربار میں اثر و رسوخ پیدا کر کے ۳۲۵ء میں نیقہ کی تاریخی مجلس منعقد کی۔ اس مجلس کو منعقد کرانے میں اتھانیسوس نے اہم کردار ادا کیا اور اس مجلس میں اتھانیسوس نے پولیس کے ساختہ نظریات اقانیم ثلاثہ، حلول اور کفارہ پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم کروالی۔ خود شاہ قسطنطین نے بھی ان عقائد اور اس مذہب کو قبول کر لیا۔

عہد نامہ جدید کے لیے بھی اتھانیسوس نے ہی کتب وغیرہ کا انتخاب اور ایک خاکہ مرتب کیا تھا۔ کلیسائی دنیا میں اتھانیسوس تنہا نہ تھا اس جیسے پولوسی نظریات کے کارندے اور بھی تھے۔ چنانچہ اتھانیسوس نے عہد نامہ جدید کے لیے جو کتب اور خاکہ ۳۶۷ء میں مرتب کیا تھا اس کے وفات کے بعد اس خاکے کو ۳۸۲ء میں پوپ دماسیس (Damasus) نے روم میں منعقدہ مجلس کلیسا سے منظور کروالیا۔ اس مجوزہ عہد نامہ جدید میں اناجیل اربعہ سینٹ پال کے شاگرد لوقاس کی تحریر کردہ کتاب 'حواریوں کے اعمال' یوحنا کا مکاشفہ، یہودا، یعقوب اور پطرس ان تینوں حواریوں کے مجموعی طور پر چار خط اور یوحنا کے چار خط جبکہ اکیلے پولس کے تیرہ خط شامل کیے گئے۔ اس انتخاب سے ہی صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ انتخاب کرنے والے پولسی گروہ کے لوگ تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ

انتخاب کے وقت کلیسا کے سامنے ستر سے زائد اناجیل اور بہت بڑا علمی اور مذہبی اثاثہ موجود تھا۔کلیسا نے انتخاب کے لیے کوئی معیار اور کوئی اصول مقرر نہیں کیا محض اپنے پسند اور ناپسند کی بنیاد پر عہد نامہ جدید کے لیے کتب اور مواد منتخب کرلیا۔ ستر اناجیل میں سے ایسی چار اناجیل منتخب کیں جن سے واضح طور پر پولس کے نظریات کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ یوحنا کی انجیل جو ہمیشہ متنازعہ اور غیر معتبر رہی ہے اسے اس لیے شامل کیا کہ اس انجیل سے پولوسی خیالات کی تائید ہوتی ہے۔پطرس جیسے جلیل القدر حواری کے صرف وہ خط شامل کیے گئے اور ان دونوں خطوط کو محققین نے جعلی قرار دیا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا جلد ۱۷ کے مقالہ پطرس میں تحریر کیا گیا ہے:

''بہت سے ناقدوں نے ثابت کیا ہے کہ اس خط کے مضامین ایک ایسی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں جو پطرس کی وفات کے بعد کی تاریخ کا حصہ ہے۔ مثلاً اس خط میں جن مصائب اور آزمائشوں کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت عیسائی ایک خوفناک آزمائش سے گزر رہے تھے۔انہیں ملامتیں اور رسوائی برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔ یہ حالات ان حالات کے عین مطابق ہیں جو حالات پلینی نے ٹراجان کے نام خط میں بیان کیے ہیں۔اس مماثلت کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ پطرس کا پہلا خط پطرس کی وفات کے بہت بعد پلینی کے دور میں کسی نے لکھا تھا۔''

پطرس کے دوسرے خط کی حالت اور بھی بدتر اور مشکوک ہے۔ کیتھولک کے عہد نامہ جدید میں اس خط کو سب سے آخر میں جگہ دی گئی تھی۔ اسکندریہ میں اس خط کو تیسری صدی عیسوی میں قبول اور شامل کیا گیا۔روم میں چوتھی صدی میں اور سوریا کے کلیسا نے اسے چھٹی صدی عیسوی میں قبول کیا تھا۔اس خط کو پطرس سے منسوب کرنے والا پہلا شخص اریجن تھا۔ وہ خود اعتراف کرتا ہے کہ اس خط کی اصلیت متنازعہ ہے۔ بداخلاقی اور جھوٹی تعلیم کے جو حوالے اس خط میں دیے گئے ہیں وہ کسی ایسے دور سے تعلق رکھتے ہیں جو پطرس کے دور کے بہت بعد کا دور تھا۔اس خط میں پولس کے خطوط کو جس طرح الہامی طور پر قابل قبول قرار دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط دوسری صدی سے قبل نہیں لکھا

گیا۔

جعل سازی کا عمل صرف پولس سے منسوب خطوط میں ہی نہیں کیا گیا بلکہ اناجیل اربعہ بھی اس عمل سے محفوظ نہ رہیں۔ یہود نے یونانی فلاسفہ کے مقصدیت کے نظریہ کو مذہبی عقیدہ میں تبدیل کرڈالا تھا اس لیے ہر قسم کا جھوٹ، ہر قسم کی تحریف اور ہر قسم کی جعل سازی ان کے لیے جائز اور کارخیر بن گئی تھی۔ انہوں نے اس عمل کا استعمال الہامی کتب کو بدلنے اور ہر اس کتاب اور تحریر میں تحریف والحاق کرنے میں کیا جو تحریر ان کے خودساختہ مذہب اور مذہبی مقاصد کے خلاف نظر آئی۔ یہود کے اس قبیح عمل کا اتباع عیسائیوں نے بھی کیا اور کلیسا نے ان اناجیل کو تلف کرڈالا جو اناجیل واضح طور پر پولس کے ساختہ مشرکانہ عقائد و نظریات کے خلاف تھیں۔ نہ صرف یہ کہ ایسی قدیم اور مستند متعدد اناجیل کو جلایا اور تلف کیا گیا بلکہ عیسائیوں کے لیے ان اناجیل کا پڑھنا اور رکھنا گناہ عظیم اور قابل سزا جرم بھی قرار دے دیا گیا۔ اس کی نمایاں مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے برگزیدہ حواری برنباس کی انجیل کو تلف کرنے اور اس کا پڑھنا اور رکھنا حرام قرار دینے کی تاریخی شہادت سے ملتی ہے۔ پطرس کے بعد دوسرا درجہ برنباس حواری کا تسلیم کیا جاتا ہے۔ برنباس کی انجیل پولس کے نظریات کی کھل کر مخالفت کرتی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کے واقع کو غلط قرار دیتی ہے۔ اس انجیل کے متعلق عیسائی محققین نے کیا لکھا ہے اس کی تفصیل انسائیکلوپیڈیا امریکانا جلد ۳ مقالہ برنباس اور چیمبرس انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ مقالہ جیلاشیس میں دیکھی جاسکتی ہے۔ محولہ بالا مقالوں کے مطابق برنباس کی اس انجیل کو چھپانے اور تلف کرنے کی کوشش ابتدائی صدیوں میں کی گئی۔ پوپ جیلاشیس اول نے پانچویں صدی عیسوی میں حکم جاری کیا کہ انجیل برنباس کو پڑھنے اور رکھنے والا کافر اور مجرم قرار دیا جائے گا۔ سولہویں صدی عیسوی میں پوپ اسکٹس پنجم کے خفیہ کتب خانے سے اس انجیل کا ایک قدیم قلمی نسخہ برآمد ہوا۔ اس نسخہ کی ایک نقل امریکی کانگریس کی لائبریری میں اور دوسری برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ چونکہ اس انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کی بجائے آپ کے فرشتوں کے ساتھ آسمان پر چلے جانے کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے اور یہ بیان قرآن کے مطابق ہے اس لیے کلیسا نے انجیل

Marfat.com

برنباس کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے کی کوشش کی ہے جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ اس کتاب پر پابندی پوپ جیلاشیس نے پانچویں صدی عیسوی میں لگائی تھی اور اس وقت تک مسلمان تو کیا مسلمانوں کے رسول ﷺ بھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ مسلمانوں پر اس قسم کی الزام تراشی اور برنباس کی انجیل پر پابندی لگانا کلیسا کے پولوسی عقائد کو زندہ اور قائم رکھنے کے لیے ضروری تھا۔ کلیسا برنباس کی انجیل کو صرف اس صورت میں ہی قبول کرسکتا تھا کہ وہ پولس کے خودساختہ عقائد اقانیم ثلاثہ، حلول، کفارہ اور صلیب ان سب سے دست بردار ہو جاتا۔ برنباس کی انجیل کے پہلے ہی صفحہ پر آیات ۲ تا ۹ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

ترجمہ: اے بھائیو! خدا نے جو عظیم اور عجیب ہے اس آخری زمانے میں ہمیں اپنے نبی یسوع مسیح کے ذریعہ ایک عظیم رحمت سے آزمایا۔ اس تعلیم اور امتوں کے ذریعہ جنہیں شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے جو تقویٰ کا دعویٰ کرتے ہیں اور سخت کفر کی تبلیغ کرتے ہیں مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ ختنہ کا انکار کرتے ہیں جس کا خدا نے ہمیشہ کے لیے حکم دیا ہے اور ہر نجس گوشت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے زمرے میں پولس بھی گمراہ ہو گیا جس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر افسوس کے ساتھ اسی سبب سے میں وہ حق بات لکھ رہا ہوں جو میں نے یسوع مسیح کے ساتھ رہنے کے دوران سنی اور دیکھی ہے تاکہ تم نجات پاؤ اور تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے۔''

مندرجہ بالا عبارت صاف طور پر مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دینے والوں کو کافر قرار دیتی ہے اور آپ کو صرف خدا کا سچا نبی بتاتی ہے۔ یہ ہی عقیدہ مسلمانوں کا بھی ہے۔ مسلمان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول برحق تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ برنباس کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کی بھی تردید کی گئی ہے۔ برنباس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے متعلق آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے اور بتایا ہے کہ اس وقت دیگر حواریوں کے ساتھ میں بھی وہاں موجود تھا۔ عیسیٰ مسیح ہم سے رخصت ہوئے اور جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل جو آپ کو لینے آئے تھے ان کے ہمراہ ہمارے سامنے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ جب

مخبر کے ساتھ رومی سپاہی وہاں پہنچے تو انہوں نے اس گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ مخبر گھر میں داخل ہوا تو وہاں مسیح موجود نہ تھے۔ مخبر کی شکل، قد اور آواز ہو بہو مسیح جیسی ہوگئی۔ وہ گھر سے باہر نکلا تو رومی سپاہیوں نے اسے پکڑ لیا۔ وہ مسیح ہونے کا انکار کرتا رہا لیکن کوئی بھی اس کی بات ماننے پر تیار نہ ہوا۔ لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے اور سمجھے کہ موت کے خوف سے مسیح اپنے ہوش کھو چکا ہے۔ رومی فوجیوں نے اسے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔

قرآن میں بھی یہ ہی لکھا ہے کہ وہ لوگ نہ مسیح کو قتل کر سکے اور نہ صلیب پر چڑھا سکے بلکہ مغالطہ میں مبتلا ہو گئے اور ہم نے مسیح کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں آمد بھی اللہ کا معجزہ تھی اور آپ کی دنیا سے رخصتی بھی اللہ کے معجزے کے ذریعہ ہی ہوئی۔ لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے پولس کا بنایا ہوا جال ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اس لیے کلیسا کے کارپردازوں نے جو مسیح کی بجائے پولس کی نمائندگی کرتے رہے ہیں انہوں نے ہر اس انجیل اور ہر اس تعلیم و تبلیغ کو دبانے اور مٹانے کی کوشش کی جو پولس کی تعلیمات و عقائد کے مخالف تھی۔ فی الحقیقت یہودی خفیہ تنظیم پولس کی طرح نہ جانے کتنے یہودیوں کو عیسائیت کا لبادہ اُڑھا کر عیسائیوں کی صفوں میں داخل کر چکی تھی اور ہر دور میں وہ ایسے لوگ داخل کرتی رہی۔ ان لوگوں نے کلیسا پر قبضہ کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین حق کو مٹا کر پولس کے ساختہ باطل دین کو رائج کر دیا۔ کلیسا کے اس عمل کا ثبوت تاریخ کے صفحات پر جگہ جگہ ملتا ہے۔ پولس کے ساختہ باطل دین کے خلاف صرف مسیح کے حواریوں نے ہی سخت مزاحمت نہیں کی بلکہ پانچ سو سال تک عیسائیوں میں ایسے تبلیغی گروہ موجود رہے جو دین حق کی تبلیغ اور پولس کے نظریات کی مخالفت کرتے اور اس مخالفت میں اپنی جانیں قربان کرتے رہے۔ چنانچہ ہم اس حقیقت کے ثبوت میں چند محققین کے مقالات کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔

محقق جیمس میک کلن اپنی محققانہ تصنیف 'مسیح سے قسطنطین تک' (From Christ To Constantain) میں لکھتے ہیں:

''یہ سمجھنا غلط ہے کہ پولس یا انجیل یوحنا (جو پولس کے نظریات کی مبلغ ہے) کے خیالات حواریوں کے متصل بعد کے دور میں مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ

Marfat.com

نمایاں اور باا ثر معیار بنے ہوئے تھے۔ گرچہ پولس اس زمانہ کے ذہنوں کو متاثر کرنے میں مسلسل لگا ہوا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابتدائی کیتھولک چرچ کے اخلاقی مذہب نے بہت جلد پولوسی خیالات کو نکال باہر کیا تھا اور دوسری صدی عیسوی میں جہاں انجیل یوحنا کے عقائد کو ماننے والے موجود تھے وہاں اس کے مخالفین بھی بہت پائے جاتے تھے۔ پولس نے عیسائیت کا جو تصور پیش کیا تھا وہ حواریوں کے زمانہ میں بھی کسی طرح معیاری اور قابل قبول تصور نہ تھا۔''

عیسائیت کی تاریخ (History Of Christinity) کے مصنف ایم ایلسن نے عیسائیوں کے قدیم ترین فرقوں نصرانی (Nazarens) اور ابیونی (Ebionites) کے عقائد کے متعلق لکھا ہے:

''یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پولس کو رسول نہ مانتے تھے۔''

آریوس نے ابیونی فرقہ پر اپنے مقالہ میں جو انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں شامل ہے لکھا ہے کہ:

''ابیونیوں کا عقیدہ تھا کہ مسیح محض ایک انسان تھے جنہیں معجزات دیے گئے تھے۔ یہ لوگ پولس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین چھوڑ کر عیسائی ہوگیا تھا۔ یہ لوگ خود موسوی شریعت (توراۃ) کے احکام، رسموں اور ختنہ پر سختی کے ساتھ عمل کرتے تھے۔''

پولس کے عقائد و نظریات کی مخالفت کا سلسلہ مستقلاً جاری رہا۔ تیسری صدی عیسوی میں ۲۶۰ء سے ۲۷۲ء بارہ سال تک انطاکیہ کا بطریق رہنے والا پال آف سموسٹا بھی ہمیں توحید کا علم بردار اور پولس کے مشرکانہ عقائد کا مخالف نظر آتا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی جس میں سرکاری طور پر جبراً پولس کے نظریات و عقائد پر عیسائی مذہب کی بنیاد ڈالی گئی اسی صدی میں ان عقائد اور اس فیصلہ کے خلاف آریوس (Arius) کی سرکردگی میں زبردست تحریک چلی اور اس تحریک کی وجہ سے آریوس فرقہ وجود میں آیا۔ اس تحریک کے متعلق معروف و مقتدر عالم تھیوڈوٹ کی یہ تحریر جیمس میکلن کی مشہور تصنیف مسیح سے قسطنطین میں درج کی گئی ہے:

Marfat.com

''ہر شہر اور ہر گاؤں میں تنازعات اور اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے جو تمام تر مذہبی عقائد سے متعلق تھے۔ یہ ایک نہایت افسوسناک مرحلہ تھا جس پر آنسو بہائے جائیں۔ اس وقت کلیسا پر ماضی کی طرح بیرونی دشمنوں کی طرف سے حملہ نہیں ہو رہا تھا بلکہ اب ایک ہی ملک کے باشندے جو ایک ہی چھت کے نیچے رہتے اور ایک ہی میز پر کھاتے تھے ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار تھے۔ نیزوں سے نہیں بلکہ زبان سے۔''

کلیسا میں پولس کے حمایتی یا ادیان حقہ کے خلاف یہودی خفیہ تنظیم کے کارندے بہت بڑی تعداد میں داخل ہو چکے تھے اور بعد میں بھی کلیسا پر ان ہی لوگوں کا قبضہ رہا۔ اس ہی گروہ نے شاہ قسطنطین (Constantain) کے دربار میں اثر و رسوخ حاصل کیا اور اس کے عقائد کے خلاف چلنے والی تحریک کو کچلنے کے لیے حکومت کی طاقت کو ظالمانہ اور غیر منصفانہ طور پر استعمال کیا۔ ۳۲۵ء میں نیقہ کے مقام پر اتھانیسوس کی کاوش سے جو عیسائی علماء کی مجلس منعقد کی گئی تھی جس میں پولس کے عقائد پر سرکاری طور پر عیسائی مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے متعلق جیمس میک کنن نے لکھا ہے:

''یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس مجلس میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے۔ اس مجلس میں مغرب کے علاقہ کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے۔ زیادہ تر تعداد یونانی بشپ کی تھی۔ جوں ہی آریوس کا نظریہ پیش کیا گیا اسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور اسی لمحے اسے غلط اور جھوٹ قرار دے دیا۔

اتھانیسوس کے گروہ کو چونکہ شاہی حمایت اور سرپرستی حاصل تھی اس لیے وہ جیت گیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی حکومت کے تشدد، ایذارسانی، جبر و استبداد اور مذہبی عقائد کے اظہار پر سزائیں دینے کے عمل کو بھی فتح حاصل ہو گئی۔''

حکومت کی طاقت کو پولوسی مذہب کے مخالفین کے خلاف بے دریغ استعمال کرنے اور آریوس کو قتل کروا دینے کے باوجود دین مسیحا کے حمایتوں کی تحریک ختم نہ ہوئی۔

Marfat.com

خدا کے دین کے مبلّغ مسلسل تبلیغ کرتے اور شہید ہوتے رہے۔ ان کی تعداد گھٹتی رہی اور ایسے عیسائیوں کی تعداد بڑھتی رہی جو شریعت کے احکام اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی قیود سے آزاد اور بے نیاز رہ کر صرف مسیح کو خدا کا بیٹا تسلیم کر لینے سے نجات پالینے اور جنت حاصل کر لینے کی سہل ترین راہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ تاہم آج بھی عیسائی محققین کا ایسا طبقہ اور بہت بڑا طبقہ موجود ہے جو پولس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا مخالف اور ان کے دین کو مٹا دینے والا تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ پولس کے مشہور سوانح نگار والٹر دون لوئی وینک لکھتا ہے کہ:

''پال ڈی لاگارڈے کہتا ہے کہ پولس جو واقعی ابراہیم کی نسل سے تھا اپنے مذہب کی تبدیلی کے بعد بھی فریسی کا فریسی ہی رہا۔ اسے یسوع مسیح اور ان کی انجیل کے متعلق قابل اعتبار علم مطلق حاصل نہ تھا۔ چنانچہ یہ بات سننے کے قابل نہیں کہ جو لوگ تاریخ کا علم رکھتے ہیں وہ پولس نام کے اس شخص کو کوئی اہمیت دیں۔ آج بھی کلیسا اپنے پولوسی ورثے کی وجہ سے شدید مشکلات سے دوچار ہے۔ پولس نے ہی کلیسا میں عہد نامہ قدیم کو داخل کیا جس کے اثرات نے انجیل کو تباہ کر دیا۔ اسی نے یہودیوں کا قربانی اور تاریخی نظریہ ہم پر مسلط کیا۔''

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں پولس پر تحقیقی مقالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

''محققین کا ایک مکتبۂ فکر جس میں ڈبلو ریڈ بھی شامل ہے جو کسی بھی طرح پولس کا منکر نہیں ہے وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ پولس نے عیسائیت کو اس قدر بدل دیا تھا کہ وہ اس کا دوسرا بانی بن گیا۔ وہ درحقیقت اس کلیسائی عیسائیت کا بانی ہے جو یسوع مسیح کی لائی ہوئی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یا تو یسوع مسیح کا اتباع کرو یا پولس کا۔ ان دونوں پر بیک وقت عمل نہیں کیا جاسکتا۔''

رابرٹ کویس اور جوشوڈیوڈ رو جو ایک مشہور عیسائی بشپ کا بیٹا تھا۔ ان دونوں کی مشترکہ کتاب ۱۹۵۳ء میں امریکہ میں شائع ہوئی تھی جس کا نام Nazerence Gospel Restored ہے۔ اس کتاب میں دلائل و ثبوت کے ساتھ واضح کیا گیا

Marfat.com

ہے کہ حضرت عیسیٰ کے لائے ہوئے مذہب کو پولس نے بری طرح بگاڑ ڈالا۔ اس لیے پولس سے حضرت عیسیٰ کے حواری سخت ناراض تھے۔

اس تفصیل سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دین موسوی کی طرح دین عیسیٰ کی بھی صرف الہامی کتب ہی نہیں بلکہ پورا دین ہی کلی طور پر بدل دیا گیا۔ عہد نامہ جدید میں شامل کتب اسی بدلے ہوئے دین کی کتب ہیں جن کا صرف برائے نام الہامی کتب سے تعلق ہے۔ ان کتب کی تدوین کلام ربانی کے تحفظ کی نیت سے نہیں کی گئی بلکہ ایک غیر الہامی نیا دین بنانے کی نیت سے کی گئی تھی۔

اناجیل اربعہ کی تدوین

انجیل مقدس کے متعلق مسلمانوں کا تصور کچھ اور ہے اور عیسائیوں کا کچھ اور۔ مسلمان انجیل اس کتاب کو کہتے ہیں جو اللہ نے بذریعہ وحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی اور اس کتاب کا پورا متن کلام اللہ پر مبنی تھا۔ انجیل کے متعلق عیسائیوں کا تصور یہ نہیں ہے۔ وہ حواریوں اور ان کے شاگردوں کی تصنیف و تالیف کردہ ایسی کتب کو انجیل کہتے ہیں جو تبلیغ دین کے لیے لکھی گئی ہوں اور جس میں خدا کا کلام، حضرت عیسیٰ کا کلام، ان کا تذکرہ اور ان کے حواریوں وغیرہ کے واقعات درج کیے گئے ہوں۔ اس فرق سے خود بخود یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک انجیل کا صرف کلام اللہ پر مبنی ہونا ضروری نہیں۔ انجیل کا یہ تصور ہی بتا دیتا ہے کہ اناجیل میں کلام اللہ کے ساتھ اللہ کے بندوں کا کلام بھی بھر دیا گیا ہے اور عیسائیوں کے نزدیک یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ کلام ربانی کے ساتھ الحاقی کلام سے بھری ان کتب کو منزل من اللہ قرار دینے اور انسانوں کے کلام کو بھی خدا کا کلام ثابت کرنے کے لیے کلیسا نے ایک عجیب مفروضہ کا سہارا لیا ہے۔ کلیسا کا دعویٰ ہے کہ ان کتب کو لکھنے والے خواہ حواری تھے یا کوئی اور لیکن ان لکھنے والوں کے ہاتھ خدا کے ہاتھ میں تھے اور وہ وہی کچھ لکھ رہے تھے جو خدا ان سے لکھوا رہا تھا۔ اس لیے ان کتب میں جو کچھ ہے وہ خدا کا ہی کلام ہے۔ کلیسا کی یہ بے سند دلیل زبان حال سے اقرار کر رہی ہے کہ یہ کتب وہ کتب نہیں جو وحی کے ذریعہ خدا نے اپنے انبیاء پر نازل کی تھیں۔

Marfat.com

یہود نے توراۃ کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ انجیل کا معاملہ اس سے بھی زیادہ حیران کن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادری اور علاقائی زبان عبرانی اور قدیم آرامی تھی۔ ہر نبی پر اس کی مادری زبان میں ہی اللہ کی کتاب نازل ہوئی ہے۔ اس لیے انجیل بھی عبرانی زبان میں ہی نازل ہوئی تھی۔ لیکن خود لفظ انجیل بھی عبرانی نہیں بلکہ یونانی زبان کا لفظ ہے۔ اس لفظ کی یونانی املا اس طرح ہے EM-ANGELLION ۔ اس لفظ کی اصل پر انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کی جلد دس صفحہ ۵۳۶ مطبوعہ ۱۹۵۰ء میں تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اسے یونانی زبان کا لفظ قرار دیا ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں بھی لفظ انجیل کو یونانی لفظ ANGGLELLIOS سے مشتق بتایا ہے۔ جس کے معنی بشارت اور خوشخبری کے ہیں۔

آسمانی کتاب انجیل یقیناً عبرانی زبان میں تھی اور اس کتاب کا نام بھی لازماً عبرانی زبان میں ہی ہوگا۔ حضرت عیسیٰ پر نازل عبرانی زبان کی اصل الہامی کتاب ہی گم نہیں ہوئی بلکہ اس کتاب کا عبرانی نام بھی گم ہوگیا۔ قرآن حضرت عیسیٰ کے چھ سو سال بعد نازل ہوا تھا۔ اس وقت تک انجیل کا عبرانی نام گم ہو چکا تھا اور لوگ اس کتاب کو انجیل کے نام سے ہی جانتے تھے۔ اس لیے قرآن میں بھی اس کتاب کا وہی نام استعمال کیا گیا جس نام سے یہ کتاب مشہور ہوگئی تھی۔ توراۃ کا یونانی زبان میں ترجمہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے ڈھائی سو سال قبل کیا گیا تھا۔ اس وقت یونانی زبان سے فلسطین کے مقامی لوگ بہت کم واقف تھے لیکن توراۃ کا یونانی زبان میں ترجمہ ہونے کے ڈھائی سو سال بعد یعنی حضرت عیسیٰ اور ان کے حواریوں کے دور میں اس علاقہ میں یونانی زبان جاننے والوں کی تعداد نسبتاً بڑھ گئی تھی۔ پھر بھی علاقائی زبان عبرانی، آرامی اور سریانی ہی رہی اس لیے انجیل کو عبرانی سے یونانی زبان کے قالب میں ڈھالنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ بہر نوع توراۃ کی طرح انجیل کا بھی قدیم ترین نسخہ عبرانی کی بجائے یونانی زبان میں ہی ملتا ہے۔

پہلی اور دوسری تیسری صدی عیسوی میں متعدد معروف اور غیر معروف لوگوں نے ستر سے زیادہ تبلیغی کتب لکھیں جنہیں انجیل کا نام دیا گیا۔ ان ستر کتب میں سے چند

Marfat.com

کتب کے نام یہ ہیں:

(۱) پطرس کی انجیل (۲) انجیل توما، طفولیت اول (۳) انجیل توما طفولیت دوم (۴) انجیل یہودیہ (۵) انجیل اندریاس (۶) انجیل متی (۷) انجیل برنباس (۸) انجیل مسیح (۹) انجیل متھیاس (۱۰) انجیل باتھالوسی (۱۱) انجیل قبیلوس (۱۲) انجیل سیقودیس (۱۳) انجیل تھیڈیکس (۱۴) انجیل بازی دس (۱۵) انجیل پولوس (۱۶) انجیل مارکیون (۱۷) انجیل سرتھیس (۱۸) انجیل ایلس (۱۹) انجیل ناصرین (۲۰) انجیل ابیانی (۲۱) انجیل ٹاٹیان (۲۲) انجیل وان ٹیکس (۲۳) انجیل لوقا (۲۴) انجیل مرقس مصری (۲۵) انجیل مرقس مروجہ (۲۶) انجیل یوحنا اول (۲۷) انجیل یوحنا دوم (۲۸) انجیل سئ تھیس (۲۹) انجیل کاملیٹ (۳۰) انجیل انکارنمیشن (۳۱) انجیل ولادت مریم۔

عہد نامہ جدید کی تدوین کے لیے ستر سے زائد اناجیل کلیسا کے سامنے موجود تھیں۔ ان کے علاوہ بہت بڑا ذخیرہ مذہبی تحریروں کا تھا۔ کلیسا نے ان ستر اناجیل میں سے صرف چار اناجیل کو منتخب کیا۔ ان اناجیل کے انتخاب کے لیے کسی معیار ثقاہت اور اصول تحقیق سے کام نہیں لیا گیا۔ فی الحقیقت کلیسا میں موجود علماء سینٹ پال کے خود ساختہ نظریات کو عیسائی مذہب کی بنیاد بنا دینا چاہتے تھے اور سینٹ پال کے یہ خود ساختہ نظریات صریح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کتاب ربانی کے خلاف تھے۔ اس لیے یہ ایک مشکل کام تھا۔ خصوصاً اس حال میں کہ سینٹ پال کے ان نظریات کے خلاف عیسائیوں کا ایک بہت بڑا طبقہ مسلسل اختلاف کر رہا تھا۔ کلیسا کے پولوسی کارپردازوں نے یہ کام اس وقت تک نہیں کیا جب تک شاہ قسطنطین اور اس کی حکومت کی طاقت کلیسا کے ہاتھ میں نہ آ گئی اور وہ جبر و استبداد کے ذریعہ من مانی کرنے کے قابل نہ ہو گئے۔ ستر سے زائد اناجیل میں برنباس، یہودا، ناصرین اور ابیانی وغیرہ کی اناجیل بھی شامل تھیں جو پوری وضاحت کے ساتھ پولوسی نظریات و عقائد کی تکذیب و مخالفت کرتی تھیں۔ ان اناجیل کو کلیسا نے ختم اور ضائع کرانے کی کوشش کی۔ ان اناجیل کو پڑھنا اور اپنے پاس رکھنا گناہ اور قابل سزا جرم قرار دیا گیا اور اس جابرانہ حکم پر کلیسا نے عمل بھی کیا۔ عہد نامہ جدید کے لیے ایسی اناجیل منتخب کی گئیں جن سے پولس کے نظریات کی واضح طور پر مخالفت نہ ہو اور

ان میں مرقوم بعض جملوں کی تشریح اس طرح کی جا سکے جس سے پولس کے مؤقف کی تائید ممکن ہو۔ چنانچہ ایسی چار اناجیل کا انتخاب کر لیا گیا۔ ان میں سے متی، مرقس اور لوقا کی اناجیل کو کتب متفقہ کہا گیا اور انجیل یوحنا کو کتب متفقہ سے الگ رکھا گیا۔ یوحنا کی انجیل کے منفرد اور کتب متفقہ سے الگ ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انجیل یوحنا پولس کے نظریات کی واضح طور پر تائید کرتی ہے جبکہ کتب متفقہ میں ایسی کھلی حمایت نہیں ملتی۔ اناجیل اربعہ میں انجیل یوحنا ایسی کتاب ہے جس کی اصلیت بے حد مشکوک رہی ہے۔ ابتدا میں اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری یوحنا سے منسوب کیا گیا لیکن اس نسبت کو کئی حقائق کی بنیاد پر رد کر دیا گیا۔ اس کتاب کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا کوئی عالم فاضل یہودی ہے اور اس کا تعلق کسی متمول گھرانے سے ہے جبکہ حواری یوحنا اَن پڑھ تھے اور ان کا تعلق غریب مچھیروں سے تھا۔ ان کے متعلق یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ انجیل یوحنا لکھنے کے قابل تھے۔ بعد میں انجیل یوحنا کی نسبت یوحنا بزرگ سے قائم کر دی گئی۔ ان کے متعلق یہ محقق ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ایک نوجوان لڑکے تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ سے تعلیم و تربیت حاصل نہ کی تھی۔ صرف انہیں ایک دو بار دیکھا تھا۔ اس شخص کو حضرت عیسیٰ کا حواری اور آپ کا شاگرد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس شخص نے اپنی انجیل میں عقیدہ حلول تجسم اور کفارہ کو داخل کیا جبکہ دوسری اناجیل ان عقائد سے خالی ہیں اور ان سے ان بنیادی عقائد کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ یوحنا بزرگ نام کا یہ شخص مجہول الحال ہے۔ اس کی زندگی کے متعلق تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ محققین میں سے کسی نے اسے جعلی انجیل قرار دیا ہے جو پولس کے کسی پیروکار نے لکھی اور یوحنا حواری سے منسوب کر دی۔ فرنچ انسائیکلوپیڈیا میں یہ گمان ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ انجیل خود پولس نے لکھی تھی اور اسے یوحنا حواری سے منسوب کر دی۔ اس انجیل کو کسی حواری کے سر منڈھنے کے لیے انجیل کے آخر میں چند جملے کسی نے بڑھا دیے اور لکھ دیا ہے کہ ''یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے۔'' ان جملوں سے محققین نے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ کتاب یا کم از کم یہ جملے دوسری صدی عیسوی کے آخر میں لکھے گئے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اس انجیل پر شکوک اور اعتراض کیے جا رہے تھے۔ ان

Marfat.com

اعتراضات کو دور کرنے کے لیے ان جملوں کو بڑھا دیا گیا۔ یہ مصدقہ حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں مخالفین سے مناظروں اور مخالفین کو قائل کرنے کے لیے لوگ کتابوں کی عبارات میں تحریف کر دیتے تھے اور اپنے تحریف کردہ نسخہ کو ہی درست اور دوسرے نسخوں کو غلط قرار دیتے تھے۔

بقیہ تین اناجیل کے متعلق بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ جس نے بھی لکھی ہوں ان کی موجودہ حالت اپنی اصل کے مطابق نہیں ہے۔ یہ کتب کافی ترامیم و تحریف کے بعد موجودہ صورت اختیار کر سکی ہیں۔ کسی بھی کتاب کے دو قلمی نسخوں کے متن میں یکسانیت نہیں ملتی۔ ان کے درمیان کہیں نہ کہیں متن کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان اختلافات کے متعلق محققین کا کہنا ہے کہ یہ عمل ابتدا میں ہی شروع ہو گیا تھا اور بعد میں بھی چلتا رہا۔ ڈاکٹر مل (Dr. Mill) نے ۱۷۰۷ء میں اور ویٹ سٹائن (Wetstein) نے ۱۷۵۱ء میں اپنی طویل تحقیق پر مبنی مقالے لکھے تھے اور ثابت کیا تھا کہ عہد نامہ جدید کی کتب اناجیل اربعہ حواریوں کے اعمال، مکاشفہ اور خطوط میں زبردست اور نہایت اہم نوعیت کی تحریف کی گئی ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں محقق ایف۔ سی۔ برکٹ (F. C. Burkitt) نے بائبل پر اپنے تحقیقی مقالہ میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر مل اور ویٹ سٹائن نے ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ جدید میں جو اختلافات ہیں ان میں سے بعض نہایت اہم اور بنیادی نوعیت کے ہیں اور یہ اختلافات بالکل آغاز میں ہی پیدا ہو گئے تھے۔

عہد نامہ عتیق اور جدید کی کتب اور تحریروں کی تحقیق کے لیے پہلی بار سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں تحقیق و اصلاح کی تحریک شروع ہوئی۔ یہ تحریک مارٹن لوتھر نے شروع کی تھی اور محض دین مسیح کی اصلاح کے لیے شروع کی تھی۔ اس لیے تحقیق کی اس تحریک کا رشتہ مذہب سے قائم رہا اور ان مذہبی لوگوں کی تحقیق مذہبی عصبیت سے مبرّا نہ رہی۔ ان لوگوں نے زیادہ زور یہود کی کتب جو عہد نامہ عتیق میں شامل تھیں ان کو رد و قبول کرنے پر دیا البتہ ان کے اثرات کے نتیجہ میں کلیسا نے جو عقائد گھڑ لیے تھے اور دنیا طلبی کے جو طریقے اختیار کر لیے تھے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ تحقیق کی دوسری تحریک سترہویں صدی عیسوی میں عقلیت (Rationalism) کے نام سے شروع

Marfat.com

ہوئی۔ یہ تحریک مذہبی عصبیت سے پاک اور بڑی حد تک گستاخ اور بے رحم تھی۔ اس تحریک میں دو قسم کے لوگ شامل تھے۔ ایک قسم ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو مذہب اور مذہبی تعلیمات کو انسانی زندگی اور معاشرتی اخلاق کے لیے مفید اور ضروری سمجھتے تھے لیکن وہ خالص علمی اور تحقیقی نظر سے مذہبی لٹریچر کو پرکھنا گناہ نہ سمجھتے تھے۔ اس طبقہ کی معروف شخصیات میں برلن یونیورسٹی کے پروفیسر ہارنگ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف عیسائیت کیا ہے (What Is Christianity) میں لکھا ہے:

''یہ سچ ہے کہ اول کی تین اناجیل بھی چوتھی انجیل کی طرح تاریخی حیثیت نہیں رکھتیں۔ لیکن یہ اناجیل اس مقصد اور غرض سے نہ لکھی گئی تھیں کہ واقعات جس طور و تسلسل سے گزرے تھے اسی طور سے لکھے جائیں۔ ان کتب کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کے ذریعہ عیسائیت کی بشارت دی جائے۔''

دور عقلیت میں محققین کا دوسرا طبقہ گرچہ موروثی طور پر عیسائی اور یہودی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اس طبقہ کے لوگ آزاد خیال اور عملاً مذہب سے بے تعلق تھے۔ انہوں نے مذکورہ مذہبی کتب کو خالصتاً تنقیدی نظر سے پرکھا۔ لیکن ان کی نظر کا خلوص بھی عصبیت سے پاک نہ تھا۔ ان میں سے کئی لوگ مذہب اور مذہبی تعلیمات کو فرسودہ، مضر اور علم و عقل کے لیے نقصان دہ سمجھتے تھے۔ اس طبقہ کو بعد میں ٹوبن گن اسکول (Tobengan School) کہا گیا۔ اس طبقے کا سب سے بڑا لیڈر ولیم شلنگ ورتھ متوفی ۱۶۴۴ء تھا۔ اسی نے پہلی بار عقلیت (Rationalism) کا نعرہ لگایا تھا اور یونانی فلاسفہ قدیم کی طرح ہر اس عقیدے اور نظریہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا جو عقل کی کسوٹی پر پورا نہ اترتا ہو۔ لارڈ ہربرٹ متوفی ۱۶۴۸ء اور تھامس ہوبس متوفی ۱۶۷۱ء بھی اسی طبقہ کے آئمہ میں شامل ہیں۔ عقل پرستی کی اس وبا نے جب عقل کو انسان کا خدا اور رب کارساز بنا دیا اور عقل سے وجدان اور ماورائے عقل حقائق کا رشتہ منقطع ہو گیا تو خالق کائنات کے وجود سے انکار کرنے والے بھی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ وولٹائر متوفی ۱۷۸۸ء جیسے خدا کے منکر بھی منظر عام پر آ گئے۔ اسی وولٹائر کے قبیل سے بیسویں صدی عیسوی کے مفکر ڈیوڈ ہیوم اور برٹرینڈ رسل بھی ہیں۔

Marfat.com

ان طبقوں کے محققین کی تحقیق کے نتائج بھی مختلف ہیں۔ مذہبی ذہن رکھنے والے محققین کا کہنا ہے کہ عہدنامہ عتیق اور عہدنامہ جدید میں شامل کتب اور تحریریں کئی اعتبار سے مشکوک اور غیر معتبر ہیں۔ ان میں تضاد و تناقض اور تحریف بھی پائی جاتی ہے اور کوئی نسخہ ایسا نہیں ملتا جو ان عیوب سے پاک ہو۔ اس حقیقت کے باوجود یہ کتب انسانی نفس اور اخلاق کی اصلاح کے لیے کافی ہیں۔ ان سے ایک پاک صاف معاشرہ تخلیق کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے طبقہ کے محققین ان کتب کو سرے سے غیر معتبر اور صرف جعلی ہی قرار نہیں دیتے بلکہ ان کی امتیازی تعلیمات کو بھی انسانی عقل اور انسانی معاشرے کے لیے مضر قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ نہ الہام کے قائل ہیں نہ ہی الہامی کتب کے۔ یہ مذہب کو انسانی عقل و افکار کے لیے قید و بند کی زنجیر قرار دیتے ہیں اور مذہب اور مذہبی عقائد سے آزاد ہوئے بغیر انسانی عقل اور معاشرے کی ترقی کو غیر ممکن سمجھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ درج بالا تحقیق کے دونوں طبقے مذکورہ کتب کی صحت اور ثقاہت کے قائل نہیں اور دونوں طبقوں نے ان کتب کو جعلی اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔

کلیسا کا دعویٰ ہے کہ چاروں اناجیل پہلی صدی عیسوی میں لکھی جاچکی تھیں لیکن یہ دعویٰ ثبوت کے بغیر ہے۔ دنیا میں کہیں بھی ان کتب کا کوئی ایسا نسخہ موجود نہیں جو پہلی یا دوسری صدی عیسوی میں لکھا گیا ہو۔ جن تذکروں کو کلیسا اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے یعنی تذکروں کی وہ کتب جن میں ان اناجیل کا نام لکھا گیا ہے تذکروں کی ایسی کتب کا بھی کوئی ایسا نسخہ موجود نہیں جو تیسری صدی میں کتابت کیا گیا ہو۔ ان کتب کی قدامت کے سلسلہ میں معتبر ثبوت عہدنامہ جدید کی تاریخ تدوین سے ملتا ہے۔ ۳۲۵ء میں نیقیہ کی مجلس نے اتھانسیوس کی تحریک پر سینٹ پال کے ساختہ نظریات پر عیسائی مذہب کی بنیاد قائم کی تھی۔ اسی وقت سے عہدنامہ جدید کی ضرورت اہمیت حاصل کرگئی۔ اس کام کا آغاز ہوچکا تھا لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ کلیسا عیسائی مذہب کی بنیادوں پر متفق ہوکر حتمی فیصلہ کردے۔ نیقیہ کی مجلس میں یہ فیصلہ ہوگیا۔ ۳۸۲ء میں پوپ دماسس (Damasus) نے روم میں منعقدہ مجلس کلیسا سے عہدنامہ جدید کے لیے ۳۶۷ء میں اتھانسیوس (Athansius) کی منتخب کردہ کتب اور مجوزہ مواد کو منظور کروالیا۔ لیکن اس

Marfat.com

فیصلہ سے بعد میں کچھ لوگوں نے اختلاف کیا اور بعض علماء نے کچھ کتب کو خارج اور کچھ کو داخل کرنے کی کوشش کی۔ اسلیے پوپ کلاسیوس (Gelasius) نے ۴۹۶ء میں کلیسا سے متفقہ طور پر پھر ایک مسودہ منظور کروایا۔ اس اتفاق رائے اور متفقہ توثیق سے یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اب عہد نامہ جدید میں شامل کتب وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جا سکے گی لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ عہد نامہ جدید میں ترمیم واضافہ کا عمل مزید دوسو سال تک چلتا رہا۔ علماء کا ایک گروہ عہد نامہ جدید سے کچھ کتب نکال کر اپنی پسند کی دوسری کتب شامل کر دیتا تھا اور علماء کا دوسرا گروہ ان کتب کی بجائے اپنی پسند کی کتب داخل کر کے دوسری کتب کو نکال دیتا تھا۔ یہ سلسلہ دوسو سال تک چلتا رہا۔ بالآخر مسیحی دنیا کے سواد اعظم نے ۶۹۲ء میں عہد نامہ جدید کے موجودہ مسودہ کو قبول کرلیا۔ اس طرح ساتویں صدی عیسوی کے اواخر میں عہد نامہ جدید کا عمل تدوین مکمل ہوا۔

درج بالا تفصیل سے جہاں کئی حقائق واضح ہوکر سامنے آتے ہیں وہاں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن اور دیگر الہامی کتب کے تدوینی عمل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ قرآن کا ہر لفظ نزول کے فوراً بعد ضبط تحریر میں لایا اور حافظوں میں محفوظ کیا جاتا رہا۔ جب بھی قرآن کا جتنا متن نازل ہوتا اس متن کا ایک ایک حرف تحریر اور حفظ کرایا جاتا۔ ۱۰ ہجری میں جب رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند اور قرآن کا متن مکمل ہوگیا۔ ۱۰ ہجری میں قرآن کے سینکڑوں حافظ اور متعدد نسخے موجود تھے۔ اس کے صرف پندرہ سال بعد یعنی ۲۵ ہجری میں امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے سرکاری طور پر قرآن کے نسخے کتابت کروائے اور ان پر مہر تصدیق ثبت کر کے تمام بلاد اسلامی میں ایک ایک نسخہ اس حکم کے ساتھ بھجوادیا کہ جس کے پاس قرآن کا پورا متن یا اس کا جزو تحریر ہوا سے ضبط کر کے تلف کردیا جائے اور آئندہ صرف اسی مصدقہ نسخہ سے لوگ قرآن کا متن نقل کریں۔ اس حفاظتی تدبیر کے بعد قرآن کے جتنے نسخے تیار ہوئے ان میں ایک حرف کا بھی فرق پیدا نہ ہوا۔ ۲۵ ہجری میں کتابت کردہ قرآن کے دو مصدقہ نسخے آج بھی موجود اور محفوظ ہیں۔ قرآن کی کتابت اور حفظ کا سلسلہ بلاتعطل جاری رہا اور آج دنیا میں ہر صدی کے لکھے

Marfat.com

ہوئے قرآن کے نسخے موجود ہیں۔ قرآن کے برعکس دیگر الہامی کتب کی تدوین اور اس کے الہامی متن کے تحفظ کے لیے قطعاً کوئی ایسی تدبیر اختیار نہیں کی گئی۔ توراۃ سے لے کر انجیل تک کا الہامی کلام کبھی بھی الگ تحریر نہیں کیا گیا۔ ان کتب کا کوئی بھی ایسا نسخہ نہیں ملتا جو ساتویں صدی عیسوی یا اس سے قبل کا ہو جبکہ قرآن کے ۲۵ ہجری یعنی ساتویں صدی عیسوی میں کتابت کیے ہوئے مصدقہ دو نسخے آج بھی محفوظ و موجود ہیں لیکن ساتویں صدی عیسوی میں کتابت کردہ انجیل کا کوئی بھی نسخہ موجود نہیں۔ عہد نامہ عتیق کی حالت اس سے بھی زیادہ سقم ہے اس کا بھی جو قدیم ترین نسخہ پایا جاتا ہے وہ بھی عبرانی کے بجائے یونانی زبان میں ہے۔ عہد نامہ عتیق کی کتب متعدد بار تلف اور ناپید ہوئیں اور متعدد بار مختلف لوگوں نے انہیں لکھا اور انہیں عزرا نبی سے منسوب کر دیا۔ محققین تحقیق کے بعد ان کتب کے متعلق جس فیصلہ پر متفق ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ کہنا محض قیاس ہے کہ ان کتب کو فلاں فلاں شخص نے فلاں دور میں لکھا اور یہ کہ فلاں نسخہ فلاں سن میں کتابت کیا گیا ہے۔ عہد نامہ عتیق اور جدید کی موجودہ حالت یہ ہے کہ ان کتب کو خدا کی بجائے خدا کے بندوں نے لکھا لیکن قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کس کتاب کو کس نے لکھا تھا اور اب تک کتنی بار ان نسخوں میں ترمیم و اضافہ ہوا ہے۔

آخر میں اس نکتہ کی وضاحت بھی کر دوں کہ از روئے قرآن امت مسلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ پر نازل الہامی کتب پر ایمان رکھتی ہے یہود و نصاریٰ پر نازل کتب نے ان ہی عقائد اور ان ہی اعمال کی تعلیم دی ہے جو مسلمانوں کے ہیں۔ بد قسمتی سے یہود کے سازشی گروہ نے نہایت چالاکی سے حضرت عیسیٰ اور انجیل مقدس کے عقائد اور تعلیمات کو مٹا کر سینٹ پال کے ساختہ عقائد اور تعلیمات کو دین عیسیٰ بنا ڈالا۔ سینٹ پال جیسے یہودی شاطر ملت اسلامی میں بھی گھسے تھے اور انہوں نے بھی دین اسلام کو بدلنے کی کوشش کی تھی۔ اس کوشش میں انہیں جزوی کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں میں بھی چند ایسے فرقے پیدا ہو گئے جن کے عقائد اور جن کی امتیازی تعلیمات قرآن اور دین اسلام کے خلاف ہیں۔ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل الہامی کتاب کے نہیں صرف سینٹ پال کے تخلیق کردہ عقائد اور سینٹ پالی دین کے مخالف ہیں۔ عیسائی مذہب سے

Marfat.com

سینٹ پال کی تعلیمات کو خارج کر دیجئے باقی جو بچے گا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات ہوں گی۔ ہم مسلمان ان تعلیمات کی پابندی کرتے ہیں مخالفت نہیں کرتے۔

Marfat.com

Marfat.com

کتب حوالہ واستفادہ

نام کتاب	مصنف رمؤلف
القرآن الحکیم	عالم کل رب العالمین
تفہیم القرآن	سیّد ابوالاعلیٰ مودودی
الاتقان فی علوم القرآن	علامہ جلال الدین سیوطی
الفوز الکبیر فی اصول تفسیر	شاہ ولی اللہ دہلوی
اشرف التفاسیر	مولٰینا اشرف علی تھانوی
تفسیر القرآن العظیم	حافظ عماد الدین ابن کثیر
تفسیر ماجدی	عبدالماجد دریابادی
ترجمہ قرآن بمع حواشی	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
فقہ القرآن	علامہ عمر احمد عثمانی
علم القرآن	علامہ عبداللہ یوسف علی
تدبر القرآن	مولانا امین احسن اصلاحی
فی ظلال القرآن	سیّد قطب شہید
مشکلات القرآن	مولٰینا محمد انور گنگوہی
متشابہات القرآن	قاری محمد ادریس عاصم
تفسیر المقام محمود	مولٰینا عبیداللہ سندھی
مضامین القرآن	زاہد ملک

Marfat.com

البرهان فی علوم القرآن	امام بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی
امّ الکتاب	مولانا ابوالکلام آزاد
برہان القرآن	رحمت اللہ طارق
تاریخ القرآن	علامہ عبدالقیوم نوری
قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمٰن
ارض القرآن	سیّد سلیمان ندوی
احکام القرآن	امام جصاص رازی
مفردات القرآن	امام راغب اصفہانی
لسان العرب	محمد ابن منظور
غریب القرآن	ابوسعید البکری
کتاب العین	خلیل بن احمد الفراہیدی
تصریف المازنی (صرف)	ابوعثمان المازنی
الکافیہ (نحو)	عثمان بن عمر ابن الحاجب
الشافیہ (صرف)	عثمان بن عمر ابن الحاجب
لغات القرآن	محمد عبدالرشید نعمانی
صحیح لغات القرآن	تاج محمود دہلوی
تاریخ فقہ اسلامی	شیخ محمد خضری مصری
اصول فقہ اسلام	سر عبدالرحیم بارایٹ لاء
اصول شاشی فی اصول فقہ	علامہ نظام الدین شاشی
الجواہر المضیہ امام ابوحنیفہ	امام طحاوی
کتاب الام	امام محمد بن ادریس شافعی
الرسالہ	امام محمد بن ادریس شافعی
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی

Marfat.com

المعجم الکبیر	علامہ طبرانی
صحیح بخاری	محدث امام بخاری
صحیح مسلم	محدث امام مسلم
سنن ابوداؤد	محدث سلیمان ابوداؤد
سنن ترمذی	محمد بن عیسیٰ ترمذی
سنن نسائی	احمد بن علی نسائی
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ بن ماجہ
تنویر الحوالک شرح موطا مالک	جلال الدین سیوطی
موطا امام مالک	مرتبہ ابومحمد بن یحییٰ مصمودی
مسند احمد	امام احمد بن حنبل
فتح الباری	ابن حجر عسقلانی
کنزالاعمال	علی متقی الہندی
فوائد الدھر عاقولی	محدث عاقولی
کتاب المصاحف	ابن اشتر
مشکوٰۃ	محمد بن عبداللہ الخطیب تبریزی
بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز دہلوی
دستور المتقی فی احکام النبی	جمعیت اہلحدیث کراچی
الثقات	حافظ ابن حبان
المیزان الکبریٰ	عبدالوہاب شعرانی
میزان الاعتدال	علامہ ذہبی
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی

Marfat.com

کتاب وفیات	ابن خلکان
المعرفۃ اخبار الرجال	محمد بن عمر عبدالعزیز الکشی (شیعہ عالم)
کتاب الموضوعات	محمد بن عمر العقیلی
کتاب الموضوعات	امام عبدالرحمٰن بن الجوزی
کتاب الموضوعات	حسن بن محمد الصاغانی
تذکرۃ الموضوعات	ملا علی قاری
قانون الموضوعات والضعفاء	علامہ الفتینی
مزیل الخفاء والالباس	اسماعیل بن محمد العجلونی
الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ	علامہ الشوکانی
المقاصد الحسنہ	علامہ عبدالرحمٰن السخاوی
فتنہ وضع حدیث	مسعود عالم قاسمی
تاریخ حدیث	ڈاکٹر غلام جیلانی برق
محدثین عظام کے علمی کارنامے	مولانا تقی الدین ندوی
دلائل السنن والآثار	مولانا نجم الدین اصلاحی
مجموعہ احادیث ضعیفہ	الشیخ محمد ناصر الدین البانی
تاریخ کبیر	محدث امام بخاری
انساب الاشراف	بلاذری
طبقات ابن سعد	ابن سعد
تاریخ بغداد	ابوبکر الخطیب
حیاۃ الصحابہ	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم	ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری

Marfat.com

حضرت عثمان غنی	ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری
حضرت علی	ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری
تاریخ الخلافہ	جلال الدین سیوطی
تاریخ طبری	مؤرخ طبری
خلافت معاویہ ویزید	علامہ محمود احمد عباسی
تحقیق مزید	علامہ محمود احمد عباسی
تحقیق سید و سادات	علامہ محمود احمد عباسی
آیات بینات	سید محمد مہدی علی خان
خلافت اور ملوکیت	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
سیرت النبی	شبلی نعمانی۔ سید سلیمان ندوی
المامون	شبلی نعمانی
مکاتب معاویہ وعلی	محمد اسحٰق قلبی
امام ابن تیمیہ	محمد یوسف کوکن عمری
تاریخ اسلام	محمد اکبر شاہ نجیب آبادی
شہادت ذوالنورین	حکیم فیض عالم صدیقی راجوردی
کتاب شہادت	مرزا حیرت دہلوی
رفقائے نبی	شاہ محمد جعفر پھلواری
باغ فدک	محسن الملک نواب مہدی علی خان
مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت	حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی
دینی نفسیات	شیخ الحدیث محمد اسحٰق صدیقی
العواصم من القواصم	قاضی ابوبکر ابن العربی

حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ دہلوی
اسلام اور جدید ذہن کے شبہات	سید محمد قطب
الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	شاہ ولی اللہ دہلوی
تحفہ اثنا عشری	شاہ عبدالعزیز دہلوی
تاریخ مذہب شیعہ	مولینا عبدالشکور فاروقی
نہج البلاغہ	علامہ الشریف رضی
الکافی	ابوجعفر محمد بن یعقوب الکلینی
مقتل حسین	ابومخنف
روضۃ الجناۃ	شیخ صدوق
المنتہی المقال	شیخ صدوق
جلاء العیون	ملا باقر مجلسی
تحریفات القرآن	حجۃ اللہ حجازی
ارتداد	محمد کاظم قاسمی
اظہار الحق	علامہ رحمت اللہ کیرانوی
بائبل، قرآن اور سائنس	مورس بوکائے
سیر افلاک	مرزا محمد رشید
خطبات بہاولپور	ڈاکٹر حمید اللہ
اسلامی ریاست	ڈاکٹر حمید اللہ
اسلام اور جمہوریت کا تضاد	اطہر الحق اطہر بن جعفر
عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال	اسرار عالم
تزک تیموری	تیمور لنگ

Marfat.com

عجائب الدھر فی وقائع تیمور	ابن عمر بشاش
الآثار نبویہ	علامہ احمد پاشاترک
صحف سماوی	نواب علی
فتوح الغیب	شیخ عبدالقادر جیلانی
اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات	پروفیسر یوسف سلیم چشتی
تعارف اخلاقیات	ولیم للی
القانون	ابن خلدون
التشریع الجنائی الاسلامی	علامہ عبدالقادر عودہ شہید
دائرۃ المعارف	الجامعۃ العلوم پنجاب
مشنا۔تالمود	یہوداحق دوش

BOOKS	AUTHERS
The Bible	By the Guidance Inter. Illinois
The Bible Codex Elexandere	Comp. by Church
The Bible Codex Veticon	Comp. by Church
The Bible Codex Ephrain (New Testament only)	Comp. by Church
History Of Christian Church	Ensebius (260AD)
Short History Of Church	Clarke
What Is Christionity	Harnack
Basic Writing Of St. Augustien	A.W. Hadden
The City Of God	St. Augustine
The Exehiridion	St. Augustine
Studies In Christion Doctrine	H. Maurice Reiton

Marfat.com

From Christ To Constantine	Jams Macknon
Life Of St. Paul	F. J. Foakes Jackson
The Christion Religion	F. C. Berkits
Encyclopaedia Britannica. Vol.2,6,9,13,17,22	
Encyclopaedia Religion & Ethics. Vol. 3	
Encyclopaedia Americana, Vol.3	
Encyclopaedia French, Vol.6	
Rase Encyclopaedia, Vol.4	
Chambers Encyclopaedia, Vol.6	
Zionism	Soviet Rusia Publication
World Muslim Gazetteer (1975)	Umma Publication House
Forcing God's Hands	Dr. Grace Halsell, USA.
The Prince	MaChiavelli
Mankind and Mother Earth	Arneld Toynbee
Protocole of Learned Elders of Zion	Secret Zion Movement
The International Jew	Henry Ford 1st. USA
Nazerence Gospal Restored	Robert Cruse
The Gospal of Barnabas	
Understanding Ismailism	Akbar Ali Meherali
Reding In Philosophy	Comp. by John Hermal Randall
They Dare To Speak Out	Paul Findlay
Scafield Reference Bible	Scafield

Marfat.com

تدوین قرآن، حدیث اور تاریخ

جلد دوم

تدوین حدیث

چند عنوانات

ا۔ مبادیات

مبتدی حضرات کے لیے احادیث کی ضروری اصطلاحات کی تشریح۔

۲۔ محدثین کے کارنامے

آئمہ حدیث نے تحقیق روایت کے لیے علمی تاریخ میں پہلی بار روایت اور درایت کے ایسے اصول و ضابطے تخلیق و مقرر کیے جن پر پرکھنے کے بعد ہر روایت کی اصلیت کا پتہ چل جاتا ہے۔ محدثین کا اصل کام روایات کو جمع اور نقل کرنا نہ تھا بلکہ روایات پر جرح و تعدیل کے عمل سے یہ معلوم اور ثابت کرنا تھا کہ کون سی روایت موضوع ہے، کون سی ضعیف و غیر معتبر ہے اور کون سی معتبر اور قابل قبول ہے۔ تحقیق روایت کے سلسلہ میں محدثین نے اتنا وسیع کام کیا کہ کئی ضمنی علوم وجود میں آ گئے اور ایسا ہر شعبہ علم ضخیم کتب سے

Marfat.com

مالا مال ہو گیا۔ اگر آئمہ حدیث تحقیق روایت کا اتنا بڑا کام قرون اولیٰ میں نہ فرماتے تو لاکھوں گھڑی ہوئی روایات دین اسلام کے لیے سب سے بڑا فتنہ بن جاتیں اور دین اسلام کا مکمل طور پر حلیہ بگڑ جاتا۔

۳۔منکرین حدیث کے دلائل اور ان کا ردّ

منکرین حدیث کا طبقہ صدیوں قبل بھی تھا اور آج بھی موجود ہے۔ یہ لوگ حدیث ثابتہ کو بھی احکام شریعت کے لیے حجت تسلیم نہیں کرتے یعنی جس طرح کلام ربانی کسی بھی شرعی امر کے لیے حتمی اور فیصلہ کن تسلیم کیا جاتا ہے اس طرح یہ لوگ احکام نبوی ﷺ کو حتمی اور فیصلہ کن قرار نہیں دیتے۔ منکرین حدیث نے اپنے دعوے کے حق میں جو دلائل دیے ہیں انہیں نقل کر کے ہر دلیل کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

۴۔انتہا پسند محدثین کا دعویٰ اور اس کا ردّ

افراط اور تفریط دونوں غلط عمل ہیں۔ اکثر اچھے اچھے علماء کرام بھی کسی نہ کسی مسئلہ میں افراط یا تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ منکرین حدیث نے احادیث نبوی کو حجت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف محدثین کا ایک ایسا انتہا پسند طبقہ پیدا ہو گیا جس نے حدیث نبوی کو ناسخ قرآن قرار دے دیا۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی مستند حدیث قرآن کے کسی حکم کے خلاف ہو تو حدیث واجب التعمیل ہوگی اور قرآن کا حکم منسوخ اور کالعدم ہو جائے گا۔ ان حضرات نے اپنے دعوے کے حق میں جو دلائل پیش کیے ہیں مصنف نے ان دلائل کو نقل کر کے ان کا ردّ پیش کیا ہے۔

۵۔تدوین حدیث کے ادوار

رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین، آئمہ فقہ اور آئمہ حدیث کے دور میں تدوین حدیث کے عمل کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ گویا تدوین حدیث کی مختصر اور محققانہ تاریخ ہے۔

Marfat.com

۶۔ وضع اور تحریف حدیث کے اسباب

آئمہ حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ کسی نے چار لاکھ اور کسی نے دو تین لاکھ روایات پر تحقیقی عمل کیا اور پچانوے فیصد یا اس سے کم یا زیادہ روایات کو رد کر کے باقی پانچ فیصد روایات کو اپنی کتاب میں درج کر لیا۔ آئمہ حدیث کا دور تیسری صدی کا تھا۔ اس وقت تک اس قدر روایات کیسے اور کیوں گھڑی گئیں اس کے عام وجوہ بیان کرنے کے بعد اس راز کو فاش کیا گیا ہے کہ دشمنان اسلام کا ایک منظم گروہ دین اسلام کو تباہ اور مبدل کرنے کی مہم چلا رہا تھا۔ یہ گروہ تھا الہامی کتب اور مذاہب کے خلاف بروئے کار یہود کا ایک خفیہ گروہ۔

۷۔ ادیان حقہ کے خلاف یہودی تحریک

احادیث گھڑنے اور احادیث اور دیگر مؤقر کتب میں تحریف کرنے کا کام یہودی خفیہ تنظیم نے مجوسیوں کی معاونت سے کیا ہے۔ یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جو یہود کی ڈھائی ہزار سالہ ابلیسی کارکردگی کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں تاریخی اور واقعاتی شہادتوں اور عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ یہود نے اپنی الہامی کتب اور اپنے انبیاء کے مذہب کو کس طرح تباہ اور متغیر کیا اور کس طرح ایک خود ساختہ نسلی مذہب تخلیق کر ڈالا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور انجیل مقدس کو کس طرح تبدیل کر کے نصرانی مذہب کو کلیتاً مشرکانہ مذہب بنا دیا۔ پھر دین اسلام کو متغیر اور قرآن کو محرف کرنے کی مہم شروع کی لیکن یہود کا یہ ابلیسی گروہ قرآن میں تحریف نہ کر سکا اس لیے یہودی خفیہ تحریک کے کارندے شریعت کے ماخذ ثانی حدیث نبوی کو تباہ اور متغیر کرنے پر تل گئے۔ ان ہی لوگوں نے پہلی صدی ہجری میں ہی ہزاروں روایات گھڑ کر مشہور کر دی تھیں۔ ان ہی لوگوں نے صحابہ کرام اور اکابرین ملت کے خلاف افواہ سازی اور کردار کشی کی باقاعدہ مہم چلائی۔ اس مہم کے نتیجہ میں ایک طرف افواہوں اور کردار کشی کے مواد کو تاریخ کے صفحات میں سمیٹ لیا گیا اور دوسری طرف سلطنت اسلامی میں فتنہ و فساد برپا کیے گئے بالآخر ملت

اسلامی میں کئی فکری اور مذہبی فرقے پیدا ہو گئے۔ یہ سب یہود کی خفیہ تنظیم کے کارندوں نے کیا تھا اور اس تنظیم کا تخریبی عمل آج بھی جاری ہے۔ یہود کی ڈھائی ہزار سال کی کاوش کے نتائج آج کھل کر دنیا کے سامنے آ گئے ہیں۔ یہود نے اعلانیہ اپنی الہامی کتب کو چھوڑ کر ایک خود ساختہ کتاب تالمود بنائی۔ اس تالمودی مذہب کا مقصد تخلیق پوری دنیا پر یہود کی بادشاہت قائم کرنا تھا۔ تالمود غیر یہودی نسل کے آدمیوں کو جانور قرار دیتی ہے۔ ان بولنے والے جانوروں کی تخلیق صرف یہود کی خدمت بجالانے کے لیے کی گئی ہے۔ چنانچہ یہود توراتی، انجیلی اور قرآنی شریعت کو ختم اور غیر مؤثر کرنے اور پوری دنیا میں حیوانی معاشرہ تخلیق کرنے کی مسلسل کاوش کرتے رہے ہیں۔ دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ مقالہ بجائے خود ایک کتاب ہے جسے تدوین حدیث میں شامل کر کے اہلحدیث حضرات کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہودی خفیہ تنظیم نے احادیث اور تاریخ اسلامی کی روایات گھڑنے میں نہایت فن کاری سے کام لیا ہے۔ اس لیے روایت حدیث کو قبول کرنے میں ممکنہ حد تک احتیاط سے کام لیں۔ اس تحریک نے متعدد کتب میں تحریف کی ہے اور کئی جعلی کتب مشاہیر علماء سے منسوب بھی کی ہیں اس لیے یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث صحیحین میں درج ہوں وہ آنکھ بند کر کے مستند تصور کر لی جائیں۔

۸۔ کیا صحیحین بالائے تنقید ہیں؟

یہ حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ معتبر روایات صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ملتی ہیں۔ لیکن روایت پر تحقیق کا عمل جس طرح امام بخاری اور امام مسلم کے لیے جائز تھا اسی طرح آج کے معتبر علماء کے لیے بھی جائز ہے۔ ان کتب کے اصل نسخے صدیوں قبل ناپید ہو چکے تھے۔ نقل در نقل کی منزلیں طے کر کے جو نسخے ہم تک پہنچے ہیں ان پر دس گیارہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ ان گیارہ سو سال میں مفسدوں نے تحریف والحاق کی ہر ممکن کوشش کی ہوگی۔ اس لیے موجودہ علماء کا فرض ہے کہ وہ از سر نو ان کتب میں درج احادیث پر تحقیق کریں اور ہر اس حدیث کو نکال پھینکیں جس میں قرآن کی کسی نص سے اختلاف کا شائبہ بھی پایا جائے۔ قرآن سے اختلاف کرنے والی احادیث کو قبول اور تسلیم کرنے کے

Marfat.com

لیے تاویلات اور لمبی چوڑی تشریحات سے کام لینا عصبیت پر مبنی عمل ہے۔ علماء متقدمین نے صحیح بخاری کی دوسو سے زائد روایات پر روایت اور درایت کے اصول کی بنا پر اعتراض کیا ہے اور صحیح مسلم کی اس سے بھی زیادہ روایات کو نا قابل قبول یا قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ اس لیے ان کتب کو بالائے تنقید سمجھنا غلط اور ضرورت سے زیادہ خوش اعتقادی ہے۔

۹۔ صحیحین میں قابل اعتراض روایات

محدثین نے روایت حدیث کو پرکھنے کے لیے روایت اور درایت کے متعدد اصول مقرر کیے تھے لیکن روایت کو پرکھنے کے لیے محدثین کی اکثریت نے زیادہ تر توجہ اصول روایت پر دی۔ درایت کے اصولوں پر ان کی توجہ کم رہی۔ اصول درایت کا زیادہ تر استعمال آئمہ فقہ نے کیا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آئمہ حدیث کی کتب میں بعض نہایت قابل اعتراض احادیث ان کے اپنے سہو اور صرف نظر کی بنا پر شامل ہو گئی تھیں یا پھر یہ یہودی خفیہ تحریک کے کارندوں کی کارگزاری ہے کہ انہوں نے ایسی روایات آئمہ حدیث کی کتب میں گھسیڑ دیں۔ مصنف نے صرف صحیحین اور ان میں بھی زیادہ تر صحیح بخاری میں درج قابل اعتراض اور قرآن کے خلاف روایات کا تجزیہ کیا ہے۔ اس باب میں ایسی کئی قابل اعتراض احادیث کا تجزیہ درج ہے۔

Marfat.com

مصنّف کی دیگر تصانیف

اسلام اور جمہوریت کا تضاد: مطبوعہ فروری ۱۹۸۵ء

تین سو صفحات کی اس کتاب میں جمہوری نظام سیاست اور فلسفۂ جمہوریت کی نظریاتی اساس اور عملی اصولوں کا ابطال متعدد قرآنی آیات سے کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی نظام سیاست وحکومت ایک منفرد اور مکمل نظام ہے جو جمہوری نظام کی ضد ہے۔ اسلام میں جمہوریت یا اشتراکیت کا پیوند لگانا اسلامی نظام سیاست کو ناقص قرار دینا ہے۔ جناب محمد خان جونیجو کو ۱۹۸۵ء میں وزیر اعظم منتخب کیا گیا تھا۔ حسب دستور صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے سینیٹ اور قومی اسمبلی کے مشترکہ اجلاس کی افتتاحی تقریب میں ارکان شوریٰ سے کہا تھا کہ آپ حضرات کو نہ صرف شرعی قوانین نافذ کرنے ہیں بلکہ اسلامی نظام سیاست وحکومت بھی مرتب کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے میں نے چار کتب کے نام لکھوا کر آپ کے ڈیسک پر رکھوا دیے ہیں آپ ان کتب کا مطالعہ کریں۔ مذکورہ چار کتب میں مصنف کی یہ کتاب بھی شامل تھی۔

اسلام اور فتنۂ جمہوریت: زیر طباعت

یہ کتاب گویا مصنف کی درج بالا تصنیف کا نظر ثانی شدہ نسخہ ہے۔ اس میں مذکورہ بالا تصنیف کے مضامین اور مباحث کے علاوہ مزید شواہد اور دلائل بھی شامل کیے گئے ہیں اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ فلسفۂ جمہوریت منطقی طور پر غلط اور بے اصل ثابت ہوتا ہے۔ اس کی توجیہات فریبِ نظر اور الفاظ کی شعبدہ بازی پر قائم ہیں۔ جمہوری اور اشتراکی دونوں نظام کے خالق اور محرک یہود ہیں۔ یہود نے ریاست اور معاشرے میں مذہبی اقدار کو غیر مؤثر اور مذہب کے مقرر کردہ خیر وشر کو مبدل کرنے کے لیے جمہوری نظام تخلیق اور نافذ کروایا تھا۔ خیر وشر اور اخلاقیات کی اقدار کے تعین کا حق واختیار خدا کے ہاتھ سے نکلوا کر یہود اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے اور وہ اس منصوبہ میں کامیاب ہو گئے۔ آج خیر وشر اور اخلاقی اقدار کا تعین عوام کی اکثریت کی پسند پر کیا جاتا ہے۔ عوام کے دماغ اور ان کی پسند ابلاغ عامہ کے قبضہ میں ہے اور ذرائع ابلاغ پر یہود کی اجارہ داری صدیوں سے قائم ہے۔

قرآنی مقصد حیات: مطبوعہ جون ۲۰۰۲ء

مصنف کی ضخیم تصنیف ...... تدوین قرآن، حدیث اور تاریخ ...... میں ایک مضمون قرآنی مقصد حیات بھی شامل ہے۔ اس مضمون کے ساتھ 'لا الٰہ' اور 'یہود کی مقدس گائے' کے

Marfat.com

عنوان ۔ ... یہ مضمون للہ ران مینوں مضامین کو ایک سو دس صفحات کے کتابچہ کی شکل دے دی گئی۔ اس کتابچہ کو شائع کرنے کا مقصد ان مجاہدین کو اخلاقی اور فکری مدد پہنچانا تھا جو مجاہد افغانستان ... اسلامی ریاست کی بقا کے لیے سخت صعوبتیں برداشت اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش ... ۔ان مجاہدین کے فیصلے کو اللہ اور قرآن کا فیصلہ اور اس عسکری مہم کو جہاد فی سبیل اللہ قرار ... والے علماء کے منہ آہستہ آہستہ بند ہوتے جا رہے تھے جو کہ دارو گیر کے خوف سے اب بالکل بند ہو چکے ہیں۔ضرورت تھی اور ہے کہ اللہ کے ان جانثاروں کو یقین دلایا جائے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عین احکام قرآن کے مطابق کر رہے ہیں۔قرآن نے ہر مسلمان مرد اور عورت کا صرف ایک ہی مقصد حیات مقرر فرمایا ہے وہ مقصد ہے اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کو نافذ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا اور اس مقصد کے لیے اپنی جان، مال اور اولاد کو بلا دریغ قربان کر دینا۔ جو اہل ایمان اس مقصد کی تکمیل کر رہے ہیں صرف ان ہی کا ایمان اور عمل اللہ کی نظر میں معتبر اور مقبول ہوگا۔

The Enemies Of Jesus Christ: مطبوعہ جنوری ۲۰۰۴ء

یہ مختصر سا کتابچہ خاص طور پر عیسائیوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے لکھا اور زیادہ تر ان میں ہی تقسیم کیا گیا ہے۔عیسائیوں کی مقدس کتب کے حوالوں اور تاریخی اور واقعاتی شہادتوں کے ذریعہ عیسائیوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ یہود کل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے دشمن تھے اور آج بھی وہ عیسائیوں کے اتنے ہی شدید دشمن ہیں جتنے مسلمانوں کے۔امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کے معروف ومؤقر حضرات نے لکھا اور ثابت کیا ہے کہ یہود ہماری حکومت اور حکمرانوں کو عملاً اپنا غلام بنا چکے ہیں۔ ہمارے حکمران یہود کی منشاء اور حکم کے خلاف قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔عیسائیوں کی عسکری طاقت اور اقتصادی وسائل کو یہود اپنے مفادات کے لیے بے دریغ استعمال کرتے رہے ہیں اور اب حد سے زیادہ کر رہے ہیں۔یہود کی موجودہ واحد مذہبی کتاب تالمود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ کے خلاف نہایت غلیظ تہمتیں لگائی گئی ہیں اس لیے گیارہ سو سال تک یورپ کے عیسائی تالمود کو چوراہوں پر ڈھیر کر کے جلاتے اور یہود کو ملک بدر کرتے رہے ہیں۔یہود کے برعکس مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی برحق اور آپ کی والدہ کو نہایت مقدس خاتون مذہباً مانتے اور ان کا از حد احترام کرتے ہیں۔اس لیے عیسائیوں کے لیے یہود کے مقابلہ میں مسلمان زیادہ قابل قبول ہو سکتے ہیں۔لیکن مغربی ممالک کے حکمران یہود کے قبضہ میں جکڑے ہوئے ہیں۔وہ صرف ڈیڑھ کروڑ یہود کی خاطر سوا ارب مسلمانوں کو اپنا دشمن بنا رہے ہیں جبکہ عالمی سطح پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کوئی بھی سیاسی یا اقتصادی تنازعہ موجود نہیں ہے۔

Marfat.com

تدوین قرآن، حدیث اور تاریخ

جلد اوّل

تدوین قرآن

سید اطہر بن جعفر کاظمی (اطہر الحق)